لدعوة الحق

خطباتِ بندیالوی رحمہ اللہ

جلد سوم

سیرتِ انبیاءِ کرام
از سیدنا آدم تا سیدنا موسیٰ علیہ السلام
کے عنوان پر ۱۶ تقاریر

محمد عطاء اللہ بندیالوی

ادعُوا الحق

سیرتِ انبیاء کرام علیہم السلام
کے موضوع پر سولہ ۱۶ تقاریر کا مجموعہ

خطباتِ بندیالوی

جلد سوم

محمد عطاء اللہ بندیالوی

نشر و دعوت
شعبہ نشریات
جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ
سرگودھا پاکستان

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

نام کتاب : خطباتِ بندیالوی (جلد سوم)

مصنف : علامہ محمد عطاء اللہ بندیالوی

طبع اول : محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

صفحات : ۵۲۷

تعداد : گیارہ صد ۱۱۰۰

مطبع : [illegible]رز ۲۵ ہجویری پارک لاہور

کتابت : سید حسن دلالطی فون : 048_3764705 موبائل : 0307_6719282

قیمت :

ناشر : شعبۂ نشر و اشاعت جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ
جامعہ ضیاء العلوم فاروقِ اعظمؓ روڈ سرگودھا

ملنے کے پتے :

1. کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
2. دفتر ماہنامہ نغمہ توحید جامع مسجد بخاری شاہ فیصل گیٹ گجرات
3. مکتبہ تنویر القرآن اردو بازار لاہور
4. دار القرآن پنج پیر صوابی
5. مکتبہ حُسینیہ جامع مسجد سیدنا معاویہ فاروق اعظم روڈ سرگودھا
6. مکتبہ جاجروی جامعہ اسلامیہ بدر العلوم حمادیہ رحیم یار خان
7. مکتبہ حقانیہ جامعہ حقانیہ ڈی سی روڈ گوجرانوالہ
8. **دار القرآن والسنة** ○ مسجد شہداء ○ ریگل چوک مال روڈ لاہور

تقدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنہ ۲۰۰۱ء میں خُطباتِ بندیالوی کی دوسری جلد سیرت و عظمتِ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر مُنصّہ شہود پر آئی تھی --- اس میں مَیں نے وعدہ کیا تھا کہ خُطباتِ بندیالوی کی تیسری جلد بہت جلد آپ کے ہاتھوں میں ہوگی --- مگر تقدیر الٰہی سے یہ بہت جلد نَو سال کے طویل عرصے میں بدل گیا۔

تاخیر جو ہُوئی تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا --- ملک بھر میں مُنعقد ہونے والے جماعتی پروگراموں ---- دینی و مذہبی کانفرنسوں اور اجتماعات میں شرکت کی وجہ سے سال کا اکثر حصّہ سفروں میں گزر جاتا ہے۔ شعبان اور رمضان المبارک کے دو مہینوں میں دورۂ تفسیر القرآن کی تدریس میں ایسی مصروفیت ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ ہر کام پسِ پُشت چلا جاتا ہے ---- جامعہ ضیاء العُلوم کے تعلیمی شُعبہ کی نگرانی اور جماعت کے مقامی نظم و نسق کو قائم رکھنے کے لیے بھی کچھ وقت نکالنا پڑتا ہے ---- ان مصروفیات میں تصنیف و تالیف کے لیے وقت نکالنا ناممکن تو نہیں مگر مُشکل ضرور ہے ---- ان وجوہات کی بنا پر خُطباتِ بندیالوی کی تیسری جلد کے لیے آپ کو طویل اِنتظار کی زحمت اٹھانا پڑی۔ مگر "دیر آید درست آید" کے مقولہ کے مطابق آپ کے لیے خوشخبری یہ ہے کہ خُطباتِ بندیالوی کی تیسری جلد کا موضوع اور عنوان ہے "سیرتِ انبیاءِ کرام علیہم السّلام" ----- مَیں نے ان مشہُور انبیاء کرامؑ کی سیرت اور حالاتِ زندگی ---- ان کی بعثت و نبوّت، قوم کو دعوتِ حق، قوم کا جواب، مخالفت اور پھر انجام کا تذکرہ کِیا ہے جن انبیاء کرامؑ کے حالات کو قرآن نے اپنے اوراق میں جگہ دی ہے۔

میرا خیال تھا کہ تقریبًا پانچ سَو صفحے کی ایک جلد تیار ہوجائے گی ----

مگر اس عنوان پر کام شروع کیا تو وہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا، جسے ایک جلد میں سمونا ممکن نہیں تھا ---- اس لیے اب خُطباتِ بندیالوی جلد سوم کے ساتھ خُطباتِ بندیالوی جلد چہارم بھی آپ کے ہاتھ میں ہوگی۔ اِن شاء اللّٰہ

خُطباتِ بندیالوی جلد سوم میں ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا موسیٰ کلیم اللّٰہ علیہ السلام تک کے حالات پر آپ سولہ تقریریں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اور خُطباتِ بندیالوی جلد چہارم میں آپ حضرت شُعیب علیہ السلام سے لے کر امام الانبیاء سیدنا محمد رسُول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کی سیرت اور حالاتِ زندگی پر آپ تقریباً اٹھارہ تقاریر پڑھیں گے۔

مَیں نے کوشش کی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات کو بیان کرتے ہوئے جہاں جہاں عقیدۂ توحید کی کوئی بات آئے یا عقائد کے مسائل میں سے کوئی مسئلہ ثابت ہو رہا ہو ---- وہاں اس کی نشاندہی کروں ---- تاکہ اس طرح ایک مقرر اور خطیب کسی پیغمبر کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے عوام الناس کے عقائد کی اصلاح و تعمیر کرسکے اور انھیں شرک کے منحوس ناسور سے بچنے کی تلقین کرسکے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ اشاعت التوحید و السُّنّت کے عقائد و نظریات اور مِشن سے تعلق رکھنے والے خُطباء، مقررین اور طلبہ ایسے خُطبات کے خواہش مند رہتے ہیں، جن میں ان کو اپنے مسلک و نظریہ کی اشاعت کے لیے مؤثر اور مدلل مواد مل سکے ---- مَیں نے اپنی اِستعداد کے مطابق اپنے جماعتی احباب کی اس خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش میں مَیں کتنا کامیاب ہوا ہوں ---- یہ آپ کی رائے اور فیصلے پر منحصر ہے۔

مجھے صرف امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ ہمارے جماعتی علماء کرام، مقررین، طلبہ و کارکنان اور ان کے علاوہ وسیع الظرف علماء حضرات اور احباب

میری اس کاوش کو تحسین کی نظر سے دیکھیں گے۔

خطبات کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک بات مدنظر رکھیے کہ یہ باقاعدہ کوئی تصنیف نہیں ہے، بلکہ مختلف تقاریر کو جمع کیا گیا ہے --- انداز تصنیفانہ نہیں، خطیبانہ ہے ---- اِس لیے آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا ترجمہ کرتے ہوئے کہیں کہیں لفظی ترجمے کا لحاظ نہیں رکھا گیا، بلکہ آیت اور حدیث کا مفہوم اور مُراد بیان کردی گئی ہے ----- خُطباتِ بندیالوی کی تیسری اور چوتھی جلد میں جو خوبی اور حسن آپ کو نظر آئے ---- وہ سب میرے پالنہار، مہربان اور رحیم داتا کی عنایت، کرم اور فضل و رحمت ہے --- جس نے اپنی قدرت و مہربانی سے مجھ جیسے حقیر بلکہ احقر ---- کم علم اور کم فہم کو اس کی توفیق بخشی ---- بنی آدم خطاء و نسیان اور غلطیوں کا مجسمہ ہے ---- آپ کو کسی جگہ کوئی تحریر اور کوئی بات قرآن و حدیث کے خلاف نظر آئے ---- یا کتابت کی غلطی سے کوئی جُملہ کچھ سے کچھ بن گیا ہو ---- تو اس غلطی کو اچھالنے اور موردِ تنقید بنانے کے بجائے اِصلاح اور خیر خواہی کے جذبے سے مجھے مطلع فرمائیں ---- ان شاء اللہ آپ کی نشاندہی کی قدر کرتے ہوئے دوسرے ایڈیشن میں ---- آپ کے شکریے کے ساتھ اس غلطی کی اِصلاح کردی جائے گی۔

مَیں قارئینِ کرام کی خدمت میں بڑی عاجزی کے ساتھ درخواست کروں گا کہ بیماریوں کے نرغے میں پھنسے ہُوئے مُصنّف کے لیے دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھیں ---- آپ کی دعائیں شاملِ حال رہیں تو اِن شاء اللہ میں خُطباتِ بندیالوی کی پانچویں جلد ایک اِنتہائی اہم عنوان اور موضوع پر تحریر کرکے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

محمد عطاء اللہ بندیالوی

۲۴ر صفر ۱۴۳۱ھ ۹ر فروری ۲۰۱۰ء بروز منگل

اللّٰھم
صل علی محمد و علی آل محمد
کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم
انک حمید مجید
اللّٰھم
بارک علی محمد و علی آل محمد
کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم
انک حمید مجید

اِنتساب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَیں خُطباتِ بندیالوی کی پہلی جلد (جو آیۃ الکرسی کی تفسیر پر مُشتمل تھی) کا مسودہ لے کر پیرِ طریقت، خطیبِ اسلام حضرت مولانا سید عنایت اللّٰہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں گجرات پُہنچا ---- تو وہ اپنی عادتِ کریمانہ کے مطابق شفقت سے ملے ---- اور آنے کا مقصد پُوچھا ---- میں نے عرض کیا خُطبات بندیالوی پر تقریظ لِکھوانے کے لیے حاضر ہوا ہوں --- اسی وقت مسودہ لے کر مُختلف جگہوں سے پڑھنے لگے --- پھر تقریظ تحریر کرتے ہُوئے لِکھا:

مولانا عطاء اللّٰہ بندیالوی ثم سرگودھوی نے اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں عِلماً و دیانۃً شرحاً صحیح حق ادا کیا ہے۔ اس پر بے اِختیار "مَرحَبًا اَحسَنتَ یَا شَیخ" زبان ادا کرتی ہے۔

ان کے قلم سے نکلے ہُوئے یہ الفاظ مجھ جیسے حقیر اور کم علم کے لیے سرمایۂ اِفتخار اور سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

خُطبات بندیالوی جلد سوم کا اِنتساب ان ہی کے نام کرتے ہُوئے خوشی اور فخر محسُوس کر رہا ہُوں۔

وہ اخلاقِ حسنہ کا مجمُوعہ، خطابت کے بادشاہ اور علم و عمل کے کوہِ گراں تھے اور ان کے تقویٰ کو وہ بھی مانتے تھے جو ان کے فتویٰ کو نہیں مانتے تھے۔

اللّٰہ ربُّ العزت انھیں کروٹ کروٹ جنّت نصیب فرمائے اور ان کے لگائے ہُوئے گلشن "اِشاعت التوحید والسُّنّت" کی حفاظت فرمائے۔ آمین

مُحمّد عطاء اللہ بندیالوی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا آدم علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ

(بقرہ ۲: ۳۰)

حضرات گرامی قدر! میں چاہتا ہوں کہ جمعۃ المبارک کے خُطبات میں ترتیب وار اور تسلسل کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السّلام کا ذکر خیر، ان کی سیرت طیبہ اور حیاتِ مقدسہ کا تذکرہ کروں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور مہربانی سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللہ رب العزت نے بنی نوعِ انسان کی ہدایت و راہنمائی کے لیے جو رسُول اور پیغمبر مبعوث فرمائے ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔

بعض علماء کرام کا خیال ہے کہ انبیاء کرام علیہم السّلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ اور کچھ علماء کا کہنا یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السّلام کی تعداد دو لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ مگر صحیح اور درست بات یہ ہے کہ انبیاء کرام کی صحیح تعداد کا علم

اللہ کو ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے تمام سچے پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی نبوت و رسالت کو صدق دل سے مانتے ہیں۔

خطباتِ جمعہ میں ---- میں تذکرہ صرف ان انبیاء کا کروں گا جن کے ذکر سے قرآن مجید کے اوراق مزین ہیں ---- اور جن کے واقعات کی تفصیل صحیح احادیث میں موجود ہے۔

انبیاء کرام کے اس سنہری سلسلہ کی پہلی کڑی ابوالبشر مسجودِ ملائکہ سیدنا آدم علیہ السلام ہیں ---- اور اس مالا کا آخری موتی امام الانبیاء، سید المرسلین، خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

پہلے انسان اور پیغمبر

سیدنا آدم علیہ السلام نہ صرف یہ کہ پہلے پیغمبر ہیں بلکہ نسل انسانی کے پہلے فرد بھی ہیں۔ وہ پہلے بشر اور پہلے انسان ہیں۔ اللہ رب العزت نے جب اس نئی مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو تخلیق سے پہلے اس کا تذکرہ فرشتوں کے سامنے کیا۔

حالانکہ اس سے پہلے جتنی چیزیں اور جتنی مخلوق تخلیق کی گئیں ---- ان میں جنات تھے، فرشتے تھے، عرش و کرسی، زمین و آسمان تھے ---- مگر کسی مخلوق کو بنانے سے پہلے اس کا تذکرہ نہیں فرمایا ---- بلکہ اپنے ارادہ سے اور لفظ کن سے ہر چیز کو پیدا فرما دیا۔

مگر نئی مخلوق (انسان) کی عظمت و شرف کو ظاہر فرمانے کے لیے ---- اس کی تخلیق سے پہلے اس کا تذکرہ اور ذکر فرمایا۔

فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (۲ : ۳۰) میں زمین میں ایک خلیفہ یعنی نائب بنانے والا ہوں ---- جو مجھ سے احکام حاصل کر کے میرے بندوں تک پہنچائے۔

یا ایسی مخلوق جو ایک دوسرے کے نائب بنیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے جو فرمایا تھا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں ---- یہ اللہ کا فرشتوں سے مشورہ نہیں تھا۔ کیونکہ مشورہ کا مفہوم ہے کسی شخص کا دوسرے شخص کی طرف رجوع کرکے اس کی رائے حاصل کرنا اور اللہ تعالیٰ اپنے کسی کام میں کسی کی رائے لینے سے بری اور پاک ہے ---- بلکہ اللہ نے یہ فرما کر فرشتوں کو اپنی تخلیق کی پیشگی خبر دی تھی تاکہ فرشتے اس خبر پر اپنی رائے کا اظہار کریں اور اللہ تعالیٰ ان کی رائے کے متعلق اپنا حکم اور اپنی حکمتوں کو بیان فرمائے۔

فرشتوں نے یہ سنا تو حیرت میں رہ گئے اور دربارِ الٰہی میں عرض کیا کہ مولا! اگر اس نئی مخلوق کی تخلیق کی حکمت یہ ہے کہ وہ دن رات تیری تسبیح و تحمید میں مگن رہے اور ہمیشہ تیری تقدیس و بزرگی کے گیت گائے تو اس کام کے لیے ہم حاضر ہیں۔

نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہوئے تیری پاکی و قدوسی کا دم بھرتے ہیں۔

مولا! ہم کو تو اس نئی مخلوق سے فتنہ و فساد کی بو آتی ہے ---- ایسا نہ ہو کہ تیری زمین میں خرابی اور خونریزی کا بازار گرم کردے۔

اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ۔ کیا تو ایسی مخلوق کو خلیفہ بنا رہا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائے گی اور خون بہائے گی۔

فرشتوں کے سوال کرنے کی وجہ

فرشتوں کے اس سوال سے یہ سمجھ لینا زبردست غلطی ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مناظرہ یا انھیں اللہ تعالیٰ کی اس اطلاع پر اعتراض تھا۔۔۔ بلکہ فرشتے آدم کی تخلیق کا سبب معلوم کرنا چاہتے تھے اور یہ جاننا چاہتے تھے کہ آدمؑ کے خلیفہ بنانے میں کیا راز اور حکمت پوشیدہ ہے۔ فرشتوں کی

خواہش یہ تھی کہ اس حکمت کا راز ان پر بھی واضح ہوجائے ---- اس لیے فرشتوں کے جواب پر معمولی سی تنبیہ یعنی اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ فرما کر عملی طور پر اس طرح جواب دیا کہ آدم کی برتری اور حکمتِ الٰہی کی بلندی اس طرح واضح ہو گئی کہ فرشتوں کو آدم کی برتری و بلندی کا اقرار کرنا پڑا اور ساتھ ہی اپنی عاجزی اور درماندگی کا بھی اظہار کرنا پڑا۔

تعلیم آدم اور فرشتوں کا اقرار عجز

عملی طور پر آدم علیہ السلام کی برتری کو اس طرح ثابت کیا گیا: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ اور اللہ نے سکھا دیے آدم کو سب چیزوں کے نام یعنی آدم کی فطرت میں رکھ دیے۔

پھر انھیں فرشتوں کے سامنے پیش کر کے فرمایا: اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ۔ مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ --- تم ان چیزوں کے متعلق کیا علم رکھتے ہو۔ فرشتوں کو ان چیزوں کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ علم ان کی فطرت ہی میں نہیں تھا۔ اس لیے فوراً بول اٹھے:

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ (۲ : ۳۲)

مولا! تیری ذات شریکوں سے پاک ہے۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا۔ بے شک تو ہی ہے جاننے والا اور حکمتوں والا۔

سامعین گرامی قدر! ملائکہ جو اللہ رب العزت کے قرب میں رہنے والی فرمانبردار و اطاعت گزار مخلوق ہے، وہ اپنی لاعلمی کا اپنی زبان سے اقرار کر رہے ہیں ---- معلوم ہوا ملائکہ عالم الغیب نہیں، بلکہ علم غیب اللہ رب العزت کا خاصہ ہے۔

چند شبہات کے جواب

آگے بڑھنے سے پہلے ان چند شبہات کے جواب آپ کے سامنے بیان

کروں گا جو اس واقعہ کے سننے والے کے دل و دماغ میں پیدا ہوتے ہیں۔

کیا فرشتے عالم الغیب تھے

جب اللہ رب العزت نے ملائکہ کے سامنے کہا:
اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً تو جواب میں فرشتے کہنے لگے: اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَاءَ۔ کہ مولا! تو ایسی مخلوق بنانا چاہتا ہے جو زمین میں فساد برپا کرے گی اور خونریزی کا بازار گرم کریں گے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابھی تو اس مخلوق کے پہلے فرد (آدمؑ) کا خمیر بھی نہیں گوندھا گیا، ابھی تو آدم کو بنانے کی بات ہو رہی ہے، اور فرشتے کہہ رہے ہیں کہ یہ مخلوق فسادی ہوگی اور زمین میں خون خرابہ کرے گی ---- اور پھر فرشتوں کا یہ اندیشہ درست بھی نکلا کہ آدم کی اولاد نے زمین میں فساد کیا۔ کیا فرشتے عالم الغیب تھے؟ کیا فرشتوں کو آنے والے حالات کا علم تھا؟ یہ سوال ہر سامع کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔

جوابِ شبہ

اس سوال اور شبہے کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں نے یہ بات اس لیے نہیں کہی تھی کہ وہ عالم الغیب تھے ---- بلکہ اس بنا پر کہی تھی کہ ہم سے پہلے جنات زمین پر بستے تھے اور وہ شرارتی تھے--- فتنہ و فساد کا بازار گرم رکھتے تھے--- انھوں نے ہمیں جنات پر قیاس کر کے سمجھا کہ یہ نئی مخلوق بھی فسادی ہوگی!

بعض مفسرین نے فرمایا کہ جنات نے خلیفہ کے لفظ سے سمجھا کہ حاکم اور نائب کی ضرورت اس جگہ ہوتی ہے جہاں فتنہ و فساد اور جھگڑا و تخاصم کی کیفیت ہو۔ جس جگہ نزاع و فساد ہی نہ ہو وہاں حاکم اور نائب کی کیا ضرورت؟ ----- اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کا خیال یہ ہو کہ چونکہ معصوم ہونا ان ہی کا خاصہ ہے اس لیے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا ہو کہ ان کے سوا باقی مخلوق اللہ کی نافرمانیوں اور

گناہ کا ارتکاب کرے گی۔

دوسرا شبہ کچھ حضرات نے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ---- میں لفظ كُلَّهَا سے سیدنا آدم علیہ السلام کے لیے علم غیب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آدم کو ہر ہر شئے کا نام بتا دیا گیا۔

جوابِ شبہ كُلَّهَا میں ہر چیز سے مراد کائنات کی ہر ہر چیز نہیں ہے بلکہ مراد ان چیزوں کے نام ہیں جن کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے اور کل سے مراد "اکثر" ہے ---- اور اس کی کئی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

❶ ملکہ بلقیس کے بارے میں کہا گیا: وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (۲۷ : ۲۳) ملکہ بلقیس کو ہر چیز دی گئی تھی ---- یہاں ہر چیز سے مراد اس کی حکومت وسلطنت کے لیے جو اہم اور ضروری چیزیں تھیں وہ مراد ہیں ---- مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ اسے حضرت سلیمان کا تخت اور حکومت بھی مل گئی تھی۔ اس کے پاس ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز، اور راکٹ بھی موجود تھے ---- اور ملکہ بلقیس کو مردانہ خصوصیات بھی مل گئی تھیں۔

❷ اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا: ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ (۲ : ۲۶۰)

❸ اسی طرح بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے متعلق فرمایا: قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (۲ : ۶۰)

❹ پھر سورت نحل میں شہد کی مکھی کے متعلق فرمایا: ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ (۱۶ : ۶۹)

ان تمام مقامات پر کل سے مراد ہر ہر شئے، ہر پھل اور ہر پہاڑ نہیں،

بلکہ اکثر مراد ہے۔

تیسرا شبہ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ آدم کو نام سکھادیے۔ انھوں نے فرشتوں کے سامنے بتلا دیے۔ اگر فرشتوں کو بھی سکھا دیتے تو وہ بھی بتلا دیتے ----- یہ تو بظاہر انصاف کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص کو سکھایا اور پڑھایا ---- پھر اس نے بتایا، اور دوسری مخلوق کو نہ سکھایا، اور نہ پڑھایا ------ تو اگر انھوں نے نہیں بتایا تو اس میں ان کا کیا قصور ہے؟

جوابِ شبہ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی موجودگی میں ہی آدم کو چیزوں کے نام سکھائے اور بتائے کہ یہ دودھ ہے، یہ گوشت ہے، یہ ہنڈیا ہے اور یہ چولھا ہے، یہ توا ہے اور یہ پرات ہے، یہ نمک ہے اور یہ مرچ ہے۔

چونکہ یہ چیزیں فرشتوں کی ضرورت کی نہیں تھیں وہ سننے کے باوجود بھی نہ سمجھ سکے اور آدم کی ضرورت تھیں اس لیے وہ فوراً سمجھ گئے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی رائے کو اپنی تفسیر بیان القرآن میں ذکر فرمایا کہ

> احوال طبائع بشریہ کے اِدراک کے لیے طبائع بشریہ کا ہونا ضروری ہے، جو خاصہ بشر کا ہے، ملائکہ میں وہ مفقود ہے---- سو آدم علیہ السلام کی تعلیم کے وقت ملائکہ سے اس علم کے پوشیدہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ----- جب فرشتوں میں اس علم کی اِستعداد ہی نہیں اگر تعلیم آدم کے وقت اول سے آخر تک وہ حاضر بھی رہے ہوں تو ان کو اس کا حاصل ہونا کب ممکن ہے۔

نکتہ ملائکہ نے اپنی برتری کو ثابت کرنے کے لیے وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور ذکر کو بطور دلیل بیان کیا اور اللہ رب العزت نے آدم کی برتری کی وجہ علم کو قرار دیا ----- معلوم ہوا کہ عزت و شرف کا معیار ذکر و اذکار نہیں علم ہے۔ اسی لیے امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

فرشتوں کو حکمِ سجدہ

جب سیدنا آدم علیہ السلام کی عظمت اور برتری بوجہ علم ثابت ہو گئی ---- تو اب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ خود آدم کو بھی اس کی آنکھوں سے دکھلانا چاہیے کہ تم ہی تمام مخلوق سے برتر اور بالا قدر ہو ----- اس لیے فرشتوں اور ابلیس کو آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (۲۹ : ۵۳)

پس جب میں آدم کو بنا سنوار لوں ------ یعنی ان کا جسم اور وجود بنا دوں تو سجدہ نہیں کرنا بلکہ بدن کے بنانے کے بعد اس میں روح پھونک دوں تو پھر سجدہ کرنا ------ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ خود آدم اپنی آنکھوں سے اپنی برتری اور اپنی عظمتوں کا مشاہدہ کرے تو یہ مشاہدہ آدم تب ہی کر سکتا ہے جب اس کے بدن میں روح ہو ---- اگر بدن میں روح موجود نہ ہو تو پھر وہ دیکھ بھی نہیں سکتا اور سن بھی نہیں سکتا۔

فرشتوں کو حکم دیا: فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ------ سب فرشتے اس کے لیے سر بسجود ہو جاؤ ------

ایک اور مقام پر فرمایا:

اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ----- آدم کے آگے جھک جاؤ۔

غیراللہ کے سجدے کی نفی

بعض عباد البطن علماء اور قبر پرست لوگ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر ----- اور اس واقعہ کو دلیل بنا کر غیراللہ کے لیے سجدہ کا جواز ثابت کرتے ہیں ---- کہ اگر اللہ کے سوا کسی اور کا سجدہ جائز نہ ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کیوں حکم دیتا کہ وہ آدم کا سجدہ کریں۔

اس دلیل کا تحقیقی جواب تو بعد میں عرض کرتا ہوں ----- پہلے الزامی جواب سن لیجیے۔ ہوسکتا ہے اس ایک خوراک سے ہی کئی بیماروں کو شفا نصیب ہوجائے۔

① آدم علیہ السلام کو سجدہ ہونا اگر آپ کے لیے دلیل اور حجت ہے تو پھر آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن اور بھائی کا نکاح بھی جائز تھا ----- کیا آپ ان کے دور کے اس عمل کو بھی دلیل بنا کر اپنانے کی کوشش کریں گے؟ ----- اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر ---- میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھوہ تھوہ ----- آخر کیوں؟۔

② دوسری بات یہ ہے کہ یہ حکم فرشتوں کو ہوا تھا۔ اور آپ ماشاء اللہ انسان ہیں۔ اپنے آپ کو فرشتوں پر آپ نے کیونکر قیاس فرمالیا؟

③ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے سامنے ملائکہ کے سجدہ ریز ہونے سے پہلے آدم کے وجود میں روح پھونکی تھی اور انھیں زندہ کر کے فرشتوں کو ان کے سامنے جھکایا ----- اور تم اس کو دلیل بنا کر سجدہ ریز ہوتے ہو قبروں پر اور فوت شدہ بزرگوں کے سامنے!---- تمھارا عمل کیا ہے، ---- تمھارا دعویٰ کیا ہے اور دلیل کیا ہے؟

میرے بھائی دلیل دعویٰ کے مطابق ہو تو قبول ہوتی ہے ورنہ وہ دلیل نہیں ہوتی، ڈھکوسلا ہوتا ہے!۔

تحقیقی جواب

بعض مفسرین نے اُسْجُدُوا لِاٰدَمَ کا معنی کیا ہے: اُسْجُدُوْا اِلٰی اٰدَمَ (لام بمعنی الی) یعنی سجدہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے کرو، مگر آدم کو جہت اور سمت بنا کر ---- جس طرح ہم نماز میں سجدہ تو خالص اللہ کا کرتے ہیں مگر بیت اللہ کو جہت اور سمت بنا کر ----- یہ سجدہ بیت اللہ کا نہیں بلکہ اللہ ہی کا ہوتا ہے۔ اسی طرح ملائکہ کا سجدہ آدم کا نہیں تھا بلکہ رب آدم کے لیے تھا۔ (روح المعانی جلد ا صفحہ ۲۲۸)

اور اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ سجدہ شرعی نہیں تھا بلکہ لغوی تھا اور اس سے مراد صرف عجز و انکسار اور فرمانبرداری کا اظہار تھا ----- وَلَمْ یَکُنْ فِیْہِ وَضْعُ الْجِبَاہِ بَلْ کَانَ مُجَرَّدَ تَذَلُّلٍ وَّانْقِیَادٍ ------

یہ سجدہ پیشانی کو زمین پر رکھنے والا سجدہ نہیں تھا بلکہ صرف عاجزی و انکساری کا نام تھا۔

(روح المعانی جلد ا صفحہ ۲۲۸)

یہ سجدہ تعظیمی تھا

فرشتوں کا آدم کے آگے سجدہ کرنا ------ سجدۂ عبادت نہیں تھا ----- اس لیے کہ سجدۂ عبادت تمام انبیاء کرام کی شریعتوں میں غیر اللہ کے لیے حرام رہا ہے ----- بلکہ یہ سجدہ ---- سجدۂ تعظیمی تھا، جو گزشتہ انبیاء کی شرائع میں جائز تھا ---- مگر شریعت محمدیہ میں اسے بھی حرام ٹھہرایا گیا۔

سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے کوفہ کے ایک علاقہ میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے رئیس اور سردار کو سجدہ کرتے ہیں ---- تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس علاقہ کے لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں ----- آپ سے بڑا سردار کون ہے ---- آپ ان سے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کا سجدہ کیا جائے ---- تو کیا ہم آپ کا سجدہ نہ کیا کریں -----

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

اے قیس! اگر میری قبر پر تیرا گزر ہو تو کیا تو میری قبر کو سجدہ کرے گا؟

حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

نہیں (آپ کی قبر کو تو سجدہ نہیں کروں گا)

پھر آپ نے فرمایا:

لَا تَفْعَلُوْا ...... تو اب بھی میرا سجدہ نہ کرو۔

لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَآءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ۔

(ابوداؤد بحوالہ مشکوۃ باب عشرۃ النساء)

اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کا سجدہ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کا حق رکھا ہے!۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ اِرشادِ گرامی جو آپ نے سنا ..... اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ شریعت محمدیہ میں سجدہ صرف اور صرف اللہ کا حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا بھی ..... حتی کہ اس ہستی کا بھی نہیں جو "بعد از خدا بزرگ توئی" کا مصداق ہے ...... اور اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت محمدیہ میں تعظیمی سجدہ بھی کسی کا جائز نہیں ..... اس لیے کہ عورت نے شوہر کے آگے جو سجدہ کرنا تھا وہ عبادت کا سجدہ نہیں ہونا تھا، بلکہ تعظیم کا سجدہ ہونا تھا۔ جس کی اجازت امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نہیں دی۔

اور اس ارشاد سے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عورت پر شوہر کا جو حق ہے وہ کسی اور کا نہیں ..... لہذا مسلمان عورتوں کو امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے اپنے خاوندوں کی اطاعت و فرمانبرداری اور تعظیم و تکریم کما حقہ کرنی چاہیے۔

اِبلیس کا سجدے سے اِنکار

جب اللہ رب العزت نے ملائکہ کو آدم کے آگے جھکنے کا حکم دیا تو تمام ملائکہ نے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سجدہ کیا ---- اس پر قرآن گواہ ہے:

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (۱۵ : ۳۰)

سب کے سب فرشتے آدم کے آگے سربسجود ہوگئے۔

مگر ابلیس نے اِنکار کیا -------- اس نے اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ کا جو حکم دیا تھا وہ فرشتوں کو دیا تھا۔

اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (۱۸ : ۵۰) ------ اور ابلیس فرشتوں کی جنس میں داخل نہیں تو پھر اس پر اللہ کی ناراضی اور عتاب کیوں ہوا ----- اور وہ نافرمانی کا مرتکب کس لیے قرار دیا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشک ابلیس ملائکہ کی جنس سے نہیں تھا۔ قرآن مجید میں واضح طور پر موجود ہے:

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (۱۸ : ۵۰)

ابلیس جن سے تھا۔ پس اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔

مگر اسے مستقل طور پر ----- علیحدہ سجدے کا حکم ملا تھا۔ قرآن مجید میں اس کی صراحت ہے۔

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (۷ : ۱۲)

کس بات نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ابلیس کو مستقل طور پر سجدے کا حکم ہوا تھا ---- اگر صرف ملائکہ کو سجدے کرنے حکم تھا اور ابلیس کو نہیں تھا تو جب اللہ نے ابلیس سے سجدہ نہ کرنے کی وجہ دریافت فرمائی تھی تو اسے جواب میں کہنا چاہیے تھا کہ ------- مولا! مجھے تو سجدے کا حکم ہی نہیں دیا گیا ------- اگر میں نے سجدہ نہیں کیا تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ اور میں نے تیرے حکم کی نافرمانی کب کی ہے ------- لیکن ابلیس نے یہ جواب نہیں دیا ------- تو معلوم ہوا کہ ابلیس کو بھی مستقل طور پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا!

ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ

ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ بتلائی کہ میں آدم سے بہتر ہوں ----- اس نے کہا: اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ----- میں آدم سے بہتر ہوں ------ اس لیے کہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ------ کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ جس کا کام اوپر جانا ہے۔ آگ بلندی و رفعت چاہتی ہے--- اور آدم کو مٹی سے بنایا------ جس کا کام نیچے جانا ہے ---- بھلا اوپر جانے والی چیز نیچے جانے والی مٹی کے سامنے سجدہ کیوں کرے؟

قرآن مجید نے ایک جگہ پر اس کے جواب کو اس طرح ذکر فرمایا:

لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ----- مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں ایک بشر کو سجدہ کروں۔

ایک اور جگہ پر اس کا جواب اس طرح نقل فرمایا:

ءَاَسْجُدُ لِبَشَرٍ------

کیا میں بشر کو سجدہ کروں؟

غیر مقلدین کی جہالت

غیر مقلدین کے واعظین اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے بڑے مزے لے کر یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلا قیاس کرنے والا ابلیس تھا۔ اس لیے قیاس کرنا ابلیسی عمل ہے۔

مگر وہ حضرات فقہاءِ کرام پر اتنا بڑا اور غلیظ الزام لگانے سے پہلے یہ نہیں سوچتے کہ ابلیس نے یہ قیاس ﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ج خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴾ (۷ : ۱۲) نص اور حکم الٰہی کے مقابلے میں کیا تھا ------ اور فقہاءِ کرام کے قیاس کرنے کی اہم اور لازمی شرط یہ ہے کہ قیاس وہاں کیا جائے گا جہاں نص موجود نہ ہو۔ پھر جان کی امان پاؤں تو یہ پوچھ سکتا ہوں کہ خود ابلیس مقلد تھا یا غیر مقلد ----- اگر مقلد ہے تو کس کا مقلد ہے؟ اور اگر مقلد نہیں ہے تو پھر کس کا ہم خیال اور ہم مسلک ہوا ------- فاعتبروا یا اولی الابصار !۔

بعض لوگوں کا غلط قیاس

بعض لوگ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابلیس اس لیے شیطان ہو گیا کہ اس نے آدم علیہ السلام کو بشر کہہ دیا تھا ---- ءَ اَسْجُدُ لِبَشَرٍ ----- حالانکہ یہ سراسر غلط ہے اور مغالطہ ہے ------ آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے بشر ابلیس نے نہیں کہا تھا بلکہ اللہ رب العزت نے کہا تھا۔

ابھی سیدنا آدم علیہ السلام کا خمیر بھی تیار نہیں ہوا ------ ابھی ان کا وجود بھی نہیں بنا تھا ---- ابھی تک بات صرف ارادوں میں تھی اور اللہ رب العزت ملائکہ سے فرما رہا تھا:

اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ (سورۃ صفحہ ۳۸ : ۷۱)

میں مٹی سے بشر کو بنانے والا ہوں -----

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۱۵ : ۲۸)

میں خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو خشک ہو کر بجنے لگتا ہے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے بشر کہنے اور ابلیس کے بشر کہنے میں فرق یہ ہے کہ اللہ جب بشر کہہ رہا تھا تو خوش ہو کر کہہ رہا تھا---- بشریت کی عظمت و رفعت کو بیان کر رہا تھا اور ابلیس جب بشر کہہ رہا تھا تو چیں بہ جبیں ہو کر، ---- چہرے پر بل ڈال کر---- حقارت و نفرت کی نگاہ سے کہہ رہا تھا:

ءَ اَسْجُدُ لِبَشَرٍ ؟

انبیاء کی بشریت کو کم سمجھنے والا شیطان ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ----- اے لعنتی! میں نے کائنات کی ہر چیز کو لفظ کُنْ سے بنایا---- آسمان بنائے ----- لفظ کُنْ سے ----- زمین بنائی لفظ کُنْ سے ----- جنت و دوزخ بنائی لفظ کُنْ سے ----- سربہ فلک پہاڑ بنائے لفظ کُنْ سے ----- غرضیکہ دنیا کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز بنائی لفظ کُنْ سے --------- مگر یہ بشر ہی تو ہے کہ جس کی تخلیق کا وقت آیا تو ----- خَلَقْتُ بِیَدَیَّ (۳۸ : ۷۵) ----- اسے میں نے قدرت و رحمت کے دونوں ہاتھوں سے بنایا----- بدبخت تو اسے حقیر سمجھتا ہے---- تو اسے کم تر جانتا ہے------ نکل جا میرے دربار سے ----- اور سن جو بھی میرے پیغمبروں کی بشریت کو حقیر سمجھے گا وہ تیری نسل میں سے ہوگا۔

ایک نکتہ

شیطان کا معنی ہے سرکش، متمرد، انکار کرنے والا، تکبر کرنے والا، ابلیس اس لیے شیطان بنا کہ اس نے اللہ کا حکم نہ مانا---- اَبٰی ---- وَ اسْتَکْبَرَ (۲ : ۳۴) تکبر کیا----- اللہ نے فرمایا:

آدمؑ کو سجدہ کر ----- اس نے نہیں کیا --- اس لیے شیطان ہو گیا --- ذرا غور کیجیے بندیالوی کہتا ہے جس جگہ اللہ کہے سجدہ کر ----- جو وہاں سجدہ نہ کرے وہ شیطان ہے ----- اور جس جگہ اللہ فرمائے کہ یہاں سجدہ نہ کر ------ جو وہاں سجدہ کرے وہ بھی شیطان ہے۔

بشر کا مقام سب سے اعلیٰ

بشر ہی اشرف المخلوقات ہے ----- نوریوں اور ناریوں کو تو اس کے سامنے جھکنے کا حکم دیا گیا تھا ----- اور جو ناری اس کے سامنے نہ جھکا اسے راندۂ درگاہ بنا دیا گیا ------- قرآن و حدیث اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام ذات کے لحاظ سے بشر ہوتے ہیں اور ہدایت کے لحاظ سے نور!

ابلیس کی طلب مہلت

ابلیس نے جب اللہ رب العزت کے حکم سے سرتابی کی ----- اَبٰی وَ اسْتَکْبَرَ ------- انکار اور تکبر کرتے ہوئے آدم کو حقیر جانا اور جھکنے سے انکار کیا تو اللہ نے فرمایا:

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ (۳۸ : ۷۷)

------ نکل جا یہاں سے کہ تو راندۂ درگاہ اور مردود ہوا۔

وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّيْنِ (۳۸ : ۷۸)

اور قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت اور پھٹکار برستی رہے گی۔

ابلیس کی اِلتجا

ابلیس نے یہ سب کچھ دیکھ اور سن کر ----- کہ راندۂ درگاہ ہو گیا ہوں ---- اور نافرمانی کی وجہ سے مردود اور مَلعُون ہو گیا ہوں --- بجائے توبہ و ندامت کے ---- اور بجائے شرمندگی و معافی مانگنے کے اللہ سے استدعا اور التجا کی کہ قیامت کے دن تک میری

زندگی کی رسی لمبی کردی جائے ----

قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (۳۸ : ۷۹) اے میرے رب مجھ کو مہلت اور ڈھیل دے جس دن مردے زندہ کیے جائیں۔

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ (۳۸ : ۸۰-۸۱) ------ اللہ نے فرمایا تجھ کو مہلت اور ڈھیل دی جاتی ہے اسی وقت کے دن تک جو معلوم ہے۔

ذرا رُک کر ایک بات سنیے

ہمارے ہاں بعض لوگ کہتے ہیں ---- اور آپ یہ بات سنتے رہتے ہیں کہ ہم چونکہ گنہگار اور پلید ہیں اس لیے اللہ ہماری پکار نہیں سنتا ---- اور نیک بندے چونکہ اس کے مقرب اور پیارے ہوتے ہیں اس لیے ان کی درخواست نہیں موڑتا ------ ہماری سنتا نہیں اور ان کی موڑتا نہیں ---- اس لیے ہماری ان کے آگے اور ان کی رب کے آگے۔

ایسے مہربان لوگ ذرا اس بات پر غور فرمائیں کہ کیا وہ ابلیس سے بھی زیادہ پلید اور گنہگار ہیں؟ ------ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر جس رب نے ابلیس جیسے نافرمان کی التجا اور دعا سن کر قبول فرمالی وہ تیری پکار بھی بغیر واسطہ اور وسیلے کے سن کر منظور کرتا ہے ---- وہ ہر ایک کی اِلتجائیں اور صدائیں سنتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک پیغمبر کے زمانے میں قحط پڑ گیا ------ بارشیں بند ہو گئیں ----- وقت کا پیغمبر اپنی قوم کو لے کر کھلے میدان میں آیا تا کہ نزولِ بارش کے لیے دعا کی جائے اور اللہ کے سامنے التجا کی جائے۔

جب کھلے میدان میں پہنچے تو اچانک پیغمبر نے فرمایا: ---- واپس چلو ---- بارش کے لیے دعا مانگنے کی ضرورت نہیں۔

لوگوں نے کہا ----- تپتی دوپہر میں اور شدید گرمی میں سفر کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے اور جس مقصد کے لیے آئے یعنی بارش کے لیے دعا کرنا ----- اب بغیر دعا مانگے واپسی کا حکم ---- آخر کیوں؟

تو اللہ نے فرمایا: ---- جب میں اس کھلے میدان میں پہنچا ----- مجھے ایک چیونٹی دکھائی اور اس کی دعا سنائی کہ وہ اپنے رب سے بارش کی دعا مانگ رہی تھی ----- اللہ نے مجھے حکم دیا کہ واپس پلٹ جاؤ ----- میں نے چیونٹی کی دعا سن کر بارش برسانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

جو رحمان اور مہربان اللہ ابلیس جیسے بدکار کی اور چیونٹی جیسی حقیر مخلوق کی دعا سن کر قبول فرمالیتا ہے ------ کیا وہ مہربان اور کریم مولا میری اور تیری نہیں سنتا؟ ------ اگر وہ گنہگاروں کی نہ سنے اور صرف نیکوں کی سنے تو پھر اسے رحمان اور رحیم کون کہے؟ ------ وہ رحمان اور رحیم تب ہی کہلا سکتا ہے جب دوستوں سے پہلے دشمنوں کی سنے اور اپنوں سے پہلے بیگانوں کی سنے!

ابلیس کی تعلّی

جب اللہ رب العزت نے ابلیس کو ایک وقت مقرر تک ڈھیل اور مُہلت عطا فرمادی تو ایک مرتبہ پھر اپنی شیطنت کا مظاہرہ کرتا ہے اور کہتا ہے:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ (۷ : ۱۶)

چونکہ تو نے مجھے بد راہ کر دیا ------ مجھے راندۂ درگاہ کر دیا ---- تو اب میں بھی ایسا ضرور کروں گا کہ تیری سیدھی اور صاف راہ سے بھٹکانے کے لیے اولادِ آدم کی تاک میں بیٹھوں گا ------ پھر ان کے سامنے سے، پیچھے سے، ان کے دائیں جانب سے اور ان کے بائیں جانب سے ------ (یعنی ہر طرف سے) ان پر حملہ آور ہوں گا۔ گناہ کے کام ان کے سامنے خوشنما اور مزین کردوں گا، میں آدم کی نسل اور اولاد کو جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ کے رکھ دوں گا۔

میرے مولا سن ! یہ تیرا کھا کر، تیرے دیے ہوئے پانی کو پی کر، تیری بنائی ہوئی زمین پر چل کر، تیرے آسمان کی چھتری کے نیچے رہ کر، تیرے سورج کی تمازت سے نفع حاصل کر کے، تیرے چاند کی ضیا پاشیوں سے فائدہ حاصل کر کے، تیرے دیے ہوئے اناج سے پیٹ بھر کر، تیرے دیے ہوئے دودھ سے سیر ہو کر، آنکھیں تیری، کان تیرے دیے ہوئے، ہاتھ تیرے عطا کردہ، پاؤں تیری طرف سے بخشے ہوئے، زبان تیری دی ہوئی ------ مگر

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ۔

ان میں سے اکثر تیرے نہیں میرے ہوں گے ------ ان میں سے اکثر تیری نہیں مانیں گے، بلکہ میری مانیں گے ------ روزی تو دے گا، نذر و نیاز غیراللہ کے نام کی دیں گے ------ دودھ کی مشینریاں جانور کے پیٹ میں تو فٹ کرے گا، مگر دودھ تقسیم غیراللہ کے نام پر ہوگا ----- اناج تو عطا کرے گا ----- مگر حصے غیراللہ کے نام کے ہوں گے ------ زبان تیری عطا کردہ ہوگی، بولنے کی طاقت بھی بخشنے والا تو ہوگا، مگر پکاریں اور وظیفے غیراللہ کے نام کے ہوں گے ------ پیشانی تیری عطا کردہ ہوگی مگر سجدے میرے ہوں گے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے : سورۃ حجر۱۵ : آیہ ۳۹ ، اعراف ۷ : آیہ ۱۶، بنی اسرائیل ۱۷ : آیہ ۶۲، سورۃ ص ۳۸ : آیہ ۸۲)

آدم علیہ السلام کا قیامِ جنت اور ابلیس کا دھوکا

ابلیس کو راندۂ درگاہ بنا دیا گیا تو آدم اور حوا کو حکم دیا گیا کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں۔

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۲ : ۳۵)

جنت میں بافراغت کھاؤ پیو تمھیں کوئی روک ٹوک نہیں ہے ------ مگر

ایک درخت کو معین کر کے بتایا گیا کہ اس کے قریب بھی نہ جانا، ورنہ تم اپنا نقصان کرنے والے ہو جاؤ گے۔

(مراد یہ تھی کہ اس درخت کی جنس کے جتنے درخت ہیں، ان کا پھل کھانا تو اپنی جگہ پر رہ گیا، اس کے قریب تک بھی نہ جانا۔)

وہ درخت کونسا تھا؟

جس درخت کے قریب جانے سے روک دیا گیا تھا ----- وہ کون سا درخت تھا؟ ----

اس کی وضاحت سے قرآن بھی خاموش ہے اور امام الانبیاء ﷺ اور اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس کی وضاحت اور صراحت نہیں فرمائی ----- ہمیں بھی چاہیے کہ اس کی کھوج اور تعیین میں وقت ضائع نہ کریں ----- جو لوگ اسے گندم کا درخت بتاتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔

آدمؑ کا خلد سے نکلنا

اب ابلیس کو ایک موقعہ ہاتھ آ گیا اور اس نے آدم اور حوا کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ جس درخت کے کھانے سے آپ کو روکا گیا، یہ شجرِ خلد ہے ---- جو اس کا پھل کھا لیتا ہے وہ جنت میں ہمیشہ اور دائمی طور پر مقیم ہو جاتا ہے ----- اور جو اس درخت کے پھل کو کھا لیتا ہے وہ فرشتہ بن جاتا ہے۔

قرآن اس کو مختلف سورتوں میں بیان کرتا ہے۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ (۷ : ۲۰)

پس شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہنے لگا :

مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ (۷ : ۲۰)

تمہارے پروردگار نے تمھیں جو اس درخت کے کھانے سے روکا ہے

تو صرف اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم فرشتے بن جاؤ یا تمھیں دائمی زندگی نہ حاصل ہو جائے۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ (۷ : ۲۱)

اور ابلیس نے بڑی پکی قسمیں کھا کھا کر انھیں یقین دلایا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

(حضرت آدمؑ اور اماں حوا نے پاکستان تو دیکھا ہوا نہیں تھا کہ انھیں معلوم ہوتا کہ لوگ کس جرأت اور بے خوفی سے اللہ کے مقدس نام کی جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں۔)

اِبلیس نے قسمیں بھی کھائیں اور دھوکا و فریب بھی دیا کہ اللہ نے خاص ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے کہا ہے۔ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ------ اس نسل اور اس جنس کے درخت جنت میں اور بھی تو ہیں۔ لہذا تم ان میں سے کسی درخت کا پھل کھا لو۔ اس طرح اللہ کی نافرمانی بھی نہیں ہوگی اور تمھارا کام بھی بن جائے گا!

آدم علیہ السلام ابلیس کے دھوکے، فریب اور جھوٹی قسموں پر اعتبار کر بیٹھے ------ اور انسانی اور بشری خواص میں سے سب سے پہلے نسیان (بھول چوک) نے ظہور کیا ----- اور آدم علیہ السلام یہ فراموش کر بیٹھے کہ اللہ رب العزت کا فَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ------ والا حکم ----- مربیانہ مشورہ نہ تھا بلکہ حکمِ اِمتناعی تھا!

انھوں نے اس درخت کا پھل کھالیا ------ اس کا کھانا تھا کہ جسم کے کپڑے اترنے لگے، دیکھا تو ننگے ہیں اور لباس سے محروم ہو گئے ہیں ----- فوراً درختوں کے پتوں سے اپنے وجود کو ڈھانپنے کی کوشش کرنے لگے۔

قرآن اس کو اس طرح بیان کرتا ہے:

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (۷ : ۲۲)

پھر جوں ہی انھوں نے اس درخت کا پھل چکھا تو ان کے ستر کھل گئے (اور جب انھیں برہنگی دیکھ کر شرمندگی محسوس ہوئی) تو باغ کے پتے اپنے جسم پر چپکانے لگے۔

عصمتِ انبیاءؑ

یہاں ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ نبیؑ تو معصوم عن الخطاء ہوتا ہے ------ نبیؑ سے تو صغیرہ، کبیرہ کسی قسم کا گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو انبیاءؑ سے دور ہٹا دیتے ہیں ----- کَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (یوسف ۱۲ : ۲۴)

یوں ہم نے یوسفؑ سے برائی اور بے حیائی کو دور ہٹا دیا۔

پھر آدمؑ سے یہ خطا کیوں اور کس طرح ہوئی؟

اس کا جواب ذرا تفصیل سے سنیے گا تا کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

یاد رکھیے انسان کی تخلیق خالق نے اس طرح فرمائی ہے کہ اسے نیک اور بد دونوں قسم کی قوتیں عطا کی گئی ہیں ---- وہ نیکیاں بھی کرتا ہے اور گناہ بھی کرسکتا ہے۔

انبیاءؑ کا چناؤ بھی ان ہی انسانوں میں سے ہوتا ہے ------ جب کوئی شخصیت نبوت کے عظیم منصب کے لیے چن لی جاتی ہے تو ضروری ہے کہ وہ عملی زندگی میں ہر قسم کے گناہوں سے پاک اور ہر قسم کی نافرنیوں سے مبرا ہو۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں اس کی صحیح نیابت کا حق ادا کرسکے ----- پھر وہ نبی اور پیغمبر انسان اور بشر بھی ہوتا ہے ----- بشری لوازمات اس کے ساتھ ہوتے ہیں ----- وہ کھاتا، پیتا، بازاروں میں چلتا، سوتا، جاگتا، اور بیوی اور اولاد بھی رکھتا ہے ----- وہ پیغمبر ہر قسم کے عملی گناہوں سے پاک تو ہوتا ہے لیکن بشری

تقاضوں کی بنا پر سہو و نسیان، بھول چوک، اور لغزش کا امکان باقی رہتا ہے ----- کبھی کبھی یہ امکان عملی صورت بھی اختیار کرلیتا ہے، مگر پیغمبر کو اس حالت پر رہنے نہیں دیا جاتا، فوراً متنبہ کر دیا جاتا ہے اور پیغمبر فوراً اس سے کنارہ کش ہوجاتا ہے۔

آدمؑ سے بھی یہی لغزش صادر ہوئی تھی ----- گناہ میں بندے کا قصد اور ارادہ شامل ہوتا ہے مگر لغزش ایسا عمل ہے جس میں سرکشی اور قصد کا دخل نہیں ہوتا -----

سیدنا آدمؑ کی عِصمت

قرآن مجید نے سورۂ بقرہ میں جب اس واقعہ کو بیان فرمایا تو صاف طور پر واضح کیا کہ سیدنا آدمؑ کا یہ عمل اور غلطی نہ گناہ تھی اور نہ اللہ کی نافرمانی تھی بلکہ معمولی قسم کی لغزش تھی۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ۔ (۲ : ۳۶) شیطان نے ان دونوں سے لغزش کروادی۔

پھر سورت اعراف آیت ۲۰ اور سورت طٰہٰ آیت نمبر ۱۲۰ میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ۔ (۲۰ : ۱۲۰) پس آدمؑ کی طرف شیطان نے وسوسہ ڈالا۔

اور سورت طٰہٰ آیت ۱۱۵ میں اس لغزش اور وسوسہ کا سبب خود ہی بیان کرکے سیدنا آدم علیہ السلام کو ہر قسم کے اِرادی اور عملی گناہ سے مبرا اور پاک قرار دیا اور ان کی عِصمت و پاکیزگی پر مہر تصدیق ثبت فرمائی۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔

(۲۰ : ۱۱۵) تحقیق ہم نے آدمؑ کو حکم دیا تھا پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا

ارادہ اور قصد (نافرمانی کا) نہیں پایا۔

ان تمام آیات سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے دانستہ اور جان بوجھ کر اللہ کی نافرمانی نہیں کی تھی ------ اس درخت کا پھل کھاتے ہوئے ان کا ارادہ اللہ کی نافرمانی کا نہیں تھا ----- بلکہ وہ ایک بھول تھی جو لغزش کی صورت میں ان سے صادر ہوئی۔

باقی رہا سورت طٰہٰ کی آیت ۱۲۱ میں جو کہا گیا

وَعَصَىٰٓ اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى۔ (۲۰ : ۱۲۱)

حکم عدولی ہو گئی آدمؑ سے اپنے رب کی پھر وہ بہک گیا۔

آدمؑ چونکہ عظیم المرتبت تھے، مسجود ملائکہ تھے، ابوالبشر تھے۔ ان کے علو مرتبت کی مناسبت سے لغزش کو عصیان سے تعبیر کر دیا ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے:

بود آدم دیدۂ نورِ قدیم
موئے در دیدہ بود کوہِ عظیم

آدمؑ تو نور قدیم کی آنکھ ہیں اور آنکھ کا مرتبہ یہ ہے کہ اس میں ایک بال بھی آ جائے تو بڑے پہاڑ کی طرح محسوس ہوتا ہے۔

صاحبِ نبراس نے فرمایا:

سَمَّى اللّٰهُ تَرْكَ الْاَوْلٰى مِنْهُمْ عِصْيَانًا لِعَظَمِ مَنْزِلَتِهِمْ كَمَا قِيْلَ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ

ترک اولی پر اللہ عصیان کا لفظ اطلاق کر دیتے ہیں اس لیے کہ انبیاء کرام کا مقام اور درجہ جو اللہ کی نگاہوں میں بلند ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ ------ نیکوکار انسانوں کی عام خوبیاں مقربین بارگاہ الٰہی کے حق مین برائیاں ہوتی ہیں۔

آدمؑ و حوا کی توبہ

سیدنا آدم علیہ السلام سے یہ لغزش صادر ہوئی ----- چونکہ اللہ کے انتہائی مقرب تھے ----- اس لیے اس لغزش پر تنبیہ فرمائی گئی ----- جنت میں لباس اتر گیا، اور آدمؑ و حوا سے باز پرس ہونے لگی۔

اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (۷ : ۲۲)

کیا میں نے تمھیں اس درخت سے روک نہیں دیا تھا اور کیا میں نے تمھیں کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان تمھارا کھلا دشمن ہے۔

جب اللہ کی طرف سے تنبیہ ہونے لگی ----- تو آدمؑ آخر آدم تھے ----- مقبول بارگاہ الٰہی تھے ----- اللہ کے مقرب ترین بندے تھے ----- آدم اپنے رب کے مطیع اور فرمانبردار تھے۔

اس لیے شیطان کی طرح بحث و تمحیص اور مناظرہ نہیں کیا ----- آدمؑ نے اپنی غلطی اور لغزش کو تاویل کے پردوں میں نہیں چھپایا ----- بلکہ شرمندہ اور نادم ہوئے اور ندامت و شرمساری سے درخواست کی ----- مولا تیرے راضی کرنے اور منانے کا طریقہ اگر مجھے نہیں آتا تو میرے مولا تو بتا کہ تو کس طرح راضی ہوتا ہو ----- مولا تیرے منانے کا طریقہ کیا ہے؟

قرآن کہتا ہے:

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (۲ : ۳۷)

پھر سیکھ لیے آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمے۔

یہ کلمات کیا تھے

یہ کلمات جو آدمؑ نے اپنے رب سے مانگے اور سیکھے ----- یہ کلمات کون سے تھے؟

کچھ حضرات ایک روایت کو پیش کر کے تمام تر زور اس بات کے ثابت کرنے پر

صرف کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی توبہ تب قبول ہوئی جب انھوں نے امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کیا تھا!

ذرا اس روایت کو سن لیجیے! جب آدم نے گناہ کر لیا تو انھوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور کہا میں محمدؐ کے حق (وسیلہ) سے سوال کرتا ہوں کہ مولا! تو میری مغفرت فرمادے ----- اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی طرف وحی کی محمد کون ہیں؟ ----- جواب میں آدمؑ نے عرض کیا:

مولا! تیرا نام برکت والا ہے جب تو نے مجھ پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ----- تو میں نے سمجھ لیا کہ تیرے نزدیک اس شخص سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی شخص نہیں ہوگا۔ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی طرف وحی کی ----- اے آدمؑ تمھاری اولاد میں سے وہ تمام انبیاء سے آخر میں ہیں ---- اور اگر وہ نہ ہوتے اے آدم تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ (مستدرک حاکم)

کلمات سے مراد کون سے کلمات ہیں۔ اس کا تذکرہ میں ابھی ان شاء اللہ کروں گا ----- پہلے آپ کو اس روایت کی حقیقت بتا دوں جس پر آج ہمارے کچھ مہربانوں نے اپنے کمزور عقیدے کی بنیاد رکھی ہوئی ہے۔

مزہ کی بات دیکھیے کہ جو حاکم اپنی کتاب میں اس روایت کو لائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس روایت کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید اپنے والد سے موضوع احادیث روایت کرتا ہے۔ (کتاب الضعفاء)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس روایت کا راوی عبدالرحمٰن بن زید بالاتفاق ضعیف ہے۔ (کتاب الوسیلہ صفحہ ۱۹۱)

امام ذہبی اور ملا علی قاری حنفی اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔ (میزان الاعتدال)

ان حضرات کے علاوہ امام احمد بن حنبلؒ، نسائی اور دارقطنی نے بھی اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد۶ صفحہ ۱۷۸)

ایک موضوع اور من گھڑت بات کو امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی معصوم اور مقدس ذات سے منسوب کرنا کتنی بڑی جسارت ہے؟ اور کتنے جری اور بے باک ہیں وہ لوگ جو اس روایت کو امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف منسوب کرکے اسے منبر و محراب کی زینت بناتے ہیں۔

صحیح بات

حقیقی، سچی اور سُچی بات یہ ہے کہ جن کلمات سے آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی وہ نہ اَسْاَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَ اٰلِ مُحَمَّدٍ ہیں، بلکہ وہ کلمات وہی ہیں۔ جنھیں خود قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتة وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف۷: ۲۳)

اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اور اگر تو ہماری بخشش نہ فرمائے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔

سامعین گرامی قدر!

قرآن مجید کی تفسیر کا پہلا اصول اور ضابطہ کیا ہے؟

کبھی علماء کرام سے پوچھ کر تو دیکھیے۔ وہ آپ کو بتائیں گے۔

اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا ------ قرآن اپنے کچھ حصے کی تفسیر و وضاحت خود کرتا ہے ----- ایک جگہ پر اجمال، دوسری جگہ اس کی تفصیل کرتا ہے۔ ایک جگہ پر صرف اشارہ، دوسری جگہ اس کی وضاحت کرتا ہے۔

قرآن مجید میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ آپ کے سامنے صرف ایک مثال بیان کرتا ہوں۔

سورۃ فاتحہ میں اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ کے راستے پر چلنے کی دعا سکھائی گئی مگر انعام یافتہ لوگ کون ہیں؟ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ سے مراد کون ہیں۔ اسے بیان نہیں کیا گیا ---- اس کی وضاحت سورۃ نساء کی آیت ۶۹ میں فرمائی۔
اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ (۴ : ۶۹) کہ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ اور انعام یافتہ لوگ یہ ہیں۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

اس اصول اور ضابطے کو سامنے رکھ کر ------ فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ (۲ : ۳۷) کو دیکھیں ---- کہ قرآن نے کسی اور جگہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے ان کلمات کی وضاحت اور تشریح فرمائی ہے۔

ہم نے دیکھا تو اللہ تعالیٰ سیدنا آدم علیہ السلام کا واقعہ جب سورۃ اعراف میں بیان فرمایا تو آیت ۲۳ میں ان کلمات کی وضاحت فرمادی کہ وہ کلمات یہ ہیں:
رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا سکتہ وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (اعراف ۷ : ۲۳)

اس دعا میں ---- آدم علیہ السلام کی اس التجا میں ---- ابوالبشر کی اس درخواست میں ------ مسجودِ ملائکہ کی اس گزارش میں نہ کسی کے واسطے کا ذکر ہے ---- نہ کسی کے وسیلے کا تذکرہ ہے ---- نہ بحق محمد ہے، نہ بحق آلِ محمد ہے ---- نہ کسی کے طفیل اور صدقے کا ذکر ہے۔ بلکہ براہ راست بغیر کسی وسیلہ اور واسطے کے اپنے رب کے آگے زاری کرنے، التجا کرنے اور پکارنے کا ذکر ہے۔

آدم علیہ السلام کی اولاد کو بھی چاہیے کہ مصائب اور دکھوں میں، تکالیف اور مشکلات میں، پریشانیوں اور غموں میں اپنے بابا کی طرح بغیر وسیلے اور واسطے کے براہ راست اللہ ہی کو پکاریں ---- اس لیے کہ پکاروں کو سننے والا

صرف وہی ہے۔ اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ، اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ بے شک تو ہی ہے پکاروں کو سننے والا اور تو ہی ہے ہر ایک کے حالات کو جاننے والا۔ ہاں ہاں صرف اسی کے سامنے زاریاں کرو۔۔۔۔ اس لیے کہ ظاہر اور پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا جو صرف وہی ہے۔۔۔۔۔

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۔۔۔۔۔۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔۔۔۔۔۔

اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ اس کے سوا کسی اور کو غائبانہ مت پکارو۔۔۔۔۔۔ اس لیے کہ اس کے سوا غائبانہ پکاریں سننے والا کوئی نہیں۔۔۔۔۔۔ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاءَكُمْ۔ اگر تم انھیں پکارو تو تمھاری پکاریں نہیں سنتے۔

وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُوْنَ ۔۔۔۔۔۔ اور وہ (جن کو پکار رہے ہیں) ان کی پکاروں سے بے خبر ہیں۔!

واقعۂ آدمؑ میں چند اہم باتیں

یوں تو سیدنا آدم علیہ السلام کے اس واقعہ اور قصہ میں بہت سی نصیحتیں، عبرتیں اور مسائل موجود ہیں۔۔۔۔۔ مگر میں ان میں سے کچھ اہم باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ سامعین ذرا توجہ سے میری ان معروضات کو سنیں اور دل و دماغ میں جگہ دیں۔

1. فرشتے جو اللّٰہ تعالیٰ کی مقرب ترین مخلوق تھی وہ عالم الغیب نہیں تھے ۔۔۔۔۔ وہ خود اقرار کر رہے ہیں: لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۔۔۔۔۔ ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں عطا کیا۔۔۔۔۔ ملائکہ انتہائی مقرب ہونے کے باوجود خلافت آدم کی حکمت سے ناآشنا ہی ہے اور جب تک معاملہ کی پوری حقیقت کھل نہیں گئی وہ تعجب اور حیرت ہی میں رہے۔
2. انسانوں میں ابوالبشر، مسجود ملائکہ سیدنا آدم علیہ السلام بھی عالم الغیب نہیں

تھے۔ اگر وہ عالم الغیب ہوتے تو شیطان کے فریب اور دھوکے میں مبتلا نہ ہوتے ---- وہ بھول گئے اور شجر کا پھل کھا بیٹھے ----- اور جو بھول جائے وہ عالم الغیب نہیں ہوتا۔

۳. بشر کا مقام تمام مخلوق سے اعلیٰ، ارفع، اور اولیٰ ہے۔ یہ مخدوم ہے، فرشتے اور جنات کو اس کے سامنے جھکنے کا اور اس کی برتری تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

۴. بارگاہِ الٰہی میں گستاخی اور بغاوت اور تکبر کی بنا پر اس کے احکام کا انکار کرنا بڑی سے بڑی نیکی اور بھلائی کو بھی برباد کر دیتا ہے ----- ابلیس کا واقعہ عبرتناک واقعہ ہے ----- اس کی ہزاروں سال کی عبادت گزاری کا جو حشر بارگاہ الٰہی میں گستاخی، انکار اور تکبر کی وجہ سے ہوا وہ ہر ایک کے لیے صدائے عبرت ہے۔

۵. خطا کار ہونے کے باوجود ------ غلطیاں اور نافرمانیاں کرنے کے باوجود اگر انسان کا دل اور ضمیر ندامت، پشیمانی اور توبہ کی طرف جھک جائے تو اس کے لیے رحمت و مہربانی کا دروازہ بند نہیں ہے ----- جس طرح ہمارے بابا آدم کے لیے ان کے نسیان اور لغزش کی معافی اسی در سے ہوئی، اسی طرح اس کی اولاد کے لیے بھی بابِ رحمت اور باب توبہ ہمیشہ کھلا ہے ----- اور ادھر سے مسلسل اعلان ہو رہا ہے:

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (زمر ۳۹ : ۵۳)

اے میرے وہ بندو جنھوں نے گناہ کرکے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے

تم اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔ یقیناً اللہ سب کے سب گناہوں کو معاف کردیتا ہے۔ بے شک وہی ہے بخش دینے والا رحم کرنے والا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ
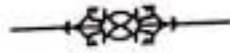
سیدنا نوح علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (اعراف۷: ۵۹) (صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ)

سامعین گرامی قدر! جو آیتِ کریمہ میں نے تلاوت کی ہے اس آیت میں اور اس کے بعد کئی آیات میں اللہ رب العزت نے سیدنا نوح علیہ السلام، ان کی ہٹ دھرم اور ضدی قوم اور ان پر آنے والے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے۔

قرآن مجید کی مختلف سورتوں مین اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کے واقعہ کا اجمالی اور تفصیلی تذکرہ تقریباً تینتالیس (۴۳) جگہ کیا ہے۔

مگر اس قصہ اور واقعہ کی تفصیلات سورۃ اعراف، سورۃ ہود، مومنون، شعراء، قمر اور سورۂ نوح میں بیان کی گئی ہیں۔

پہلے رسول سیدنا نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جن کو شرک کی تردید اور توحید کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا گیا۔
قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح نکھر کر سامنے آتی ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی اور رسول اس دنیا میں تشریف لائے ان کی بعثت کا مقصدِ وحید یہی

تھا ------ یعنی توحید کی دعوت دینا اور شرک سے روکنا۔

قرآن مجید میں ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء۲۱ : ۲۵)

اور جتنے رسُول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی تھی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (۱۶ : ۳۶)

اور ہم نے ہر امت اور جماعت میں ایک رسُول بھیجا (یہ پیغام دے کر) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی (پرستش) سے اجتناب کرو۔

طاغوت کی تشریح تقریباً تمام مفسرین نے کی ہے۔

كُلُّ مَا عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے۔

سیدنا نوح علیہ السلام سے پہلے دنیا میں موحد ہی موحد بستے تھے ----- صرف توحید ہی سے لوگ آشنا تھے اور شرک کا نام و نشان بھی دنیا میں موجود نہیں تھا ------ اس لیے کہ توحید دین فطرت ہے ----- دنیا میں صرف اور صرف اللہ کی عبادت ہوتی تھی ------ صرف اسی کے سجدے ہوتے تھے ------ صرف اسی کے نام کی نذر و نیاز دی جاتی تھی ------ غائبانہ حاجات میں صرف اسی کو پکارا جاتا تھا ------ اسی کے نام کے وظیفے پڑھے جاتے تھے۔

شیطان کا وار اور شرک کی ابتداء

ابلیس نے راندۂ درگاہ بننے کے بعد اللہ تعالیٰ

کے سامنے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ میں آدمؑ کی اولاد کو گمراہ کرنے کے لیے پوری کوشش کروں گا ----- میں چاروں طرف سے ان کے ایمان پر حملہ آور ہوں گا ----- میں ان کی کمائی میں سے اپنے نام کا حصہ (غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز) ضرور وصول کروں گا ----- میں انھیں صراطِ مستقیم سے بھٹکانے کے لیے ہر حربہ استعمال کروں گا۔ وہ بے ایمان اپنے قول کو سچا ثابت کرنے کے لیے اسی تاک میں رہتا تھا کہ کسی طرح میں آدمؑ کی اولاد سے ایسا گناہ ------- اور ایسا عمل کرواؤں کہ وہ اس سے توبہ بھی نہ کر سکے ---- اور جس گناہ کی پاداش میں وہ ابدی جہنم کا سزاوار ٹھہرے ---- اور جس گناہ کے نتیجہ میں اس کے نیک اعمال بھی برباد اور تباہ ہو جائیں ------ اور وہ گناہ صرف شرک والا گناہ تھا ----- وہ اسی انتظار میں تھا کہ اسے اس کا موقع ملے۔

پانچ بزرگ

اور پھر اسے ایک موقعہ مل گیا ----- اس دور میں پانچ بزرگ تھے جن کے اسماء گرامی قرآن مجید میں موجود ہیں۔

❶ ود ❷ سواع ❸ یغوث ❹ یعوق ❺ نسر ----- لوگوں کو ان پانچ بزرگوں سے بڑی محبت تھی ------ وہ ان کے ساتھ عقیدت کی حد تک پیار کرتے تھے ----- ان پانچ بزرگوں کی بزرگی سے اور ان کی عملی زندگی کے تقدس سے وہ بے انتہا متاثر تھے ------ لوگ ان بزرگوں کی صحبت میں بیٹھتے، ان کی محفلوں میں شریک ہوتے اور روحانی سکون پاتے۔

جب ان پانچ بزرگوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا ------ تو ان کی وفات پر لوگ غمگین، افسردہ اور پریشان ہو گئے ---- ان بزرگوں کی جدائی کا دکھ ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا ----- اب وہ بزرگ نہ رہے تو ان کی روحانی محفلیں بھی نہ رہیں اور ان کا علمی فیض بھی نہ رہا۔

لوگ ---- پانچ بزرگوں کی محبت و عقیدت کی بنا پر ------ ان کی

سے افسردہ اور غمگین رہنے لگے ----- یہی وہ موقع تھا جس کی انتظار میں اور تاک میں وہ ملعون تھا۔ چنانچہ اس نے لوگوں کی بزرگوں سے محبت اور عقیدت کا فائدہ اٹھایا، اور آدمؑ کے بیٹوں پر حملہ آور ہوا۔

شیطان کس انداز سے حملہ آور ہوا

شیطان نے ان لوگوں کو یہ پٹی پڑھائی اور سمجھایا کہ تم اس طرح کرو کہ جس جگہ یہ بزرگ بیٹھا کرتے تھے اور مجلس سجایا کرتے تھے، وہاں ان بزرگوں کے بت بنا کر نصب کردو۔ اور ان بتوں کو ان بزرگوں کے نام سے منسوب کردو۔

پھر ان لوگوں نے ان بزرگوں کی تصویریں بنا کر اپنے پاس رکھ لیں ----- کہ اس طرح اللہ کی عبادت کرنے کا ذوق بڑھے گا ----- یہ لوگ ان بزرگوں کی عبادت و پرستش نہیں کرتے تھے ----- لیکن جب دوسری نسل آئی تو ابلیس نے انھیں دوسری سیڑھی پر چڑھا دیا۔ اور ان بزرگوں کی پوجا پاٹ پر لگا دیا ----- شیطان نے دوسری نسل کو باور کرایا کہ تمھارے آباء و اجداد ان کی پکاریں کرتے تھے اور اسی لیے ان پر بارشیں برستی تھیں۔ لہذا تم ان کی عبادت و پکار کیا کرو ----- چنانچہ اس طرح عوام الناس کو شیطان نے توحید ----- دینِ فطرت سے ہٹا کر شرک کی دلدل میں دھکیل دیا ---- یاد رکھیے یہ بتوں کی عبادت و پکار نہیں تھی بلکہ اس دور کے پانچ بزرگوں کی پوجا پاٹ تھی۔

سیدنا ابن عباس کا فرمان

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے چچا زاد بھائی اور مفسر قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر ----- اَسْمَآءُ رِجَالٍ صَالِحِیْنَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ ----- یہ نوحؑ کی قوم کے نیک اور صالح لوگ تھے ----- جب یہ وفات پاگئے تو اَوْحَی الشَّیْطَانُ اِلٰی قَوْمِهِمْ -------

شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اَنْصِبُوْا اِلٰی مَجَالِسِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا يَجْلِسُوْنَ اَنْصَابًا وَ سَمُّوْهُمْ بِاَسْمَائِهِمْ ----- ان بزرگوں کی مجلس ----- یعنی بیٹھنے کی جگہوں پر ان کے مجسمے نصب کرلو، اور ان مجسموں کو ان بزرگوں کے نام سے منسوب کردو ----- چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر وہ ان کی عبادت و پکار نہیں کرتے تھے ----- پھر جب یہ لوگ دنیا سے رخصت ہوگئے یعنی پہلی نسل ختم ہوگئی اور دوسری نسل آئی تو انھوں نے ان بزرگوں کی پوجا پاٹ شروع کردی۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۳۲)

علامہ ابنِ قیم کا ارشاد

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں سلف صالحین میں سے بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ یہ پانچ بزرگ سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم کے تھے۔ فَلَمَّا مَاتُوْا ----- جب یہ بزرگ اِنتقال کرگئے عَكَفُوْا عَلٰی قُبُوْرِهِمْ ----- لوگ ان کی قبروں پر مجاور بن کر بیٹھ گئے۔

ثُمَّ صَوَّرُوْا تَمَاثِيْلَهُمْ ----- پھر ان کی مورتیاں اور تصویریں بنانے لگے۔ (شاید اس لیے کہ جو لوگ قبروں تک نہیں پہنچ سکتے وہ ان کی مورتیوں اور تصویروں سے دل بہلاتے رہیں۔ (بندیالوی)

(اغاثۃ اللھفان صفحہ ۱۵۴۔ البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۰)

میرے اس بیان سے اور دیے گئے حوالوں سے معلوم ہوا کہ دنیا میں شرک کی ابتداء نیک لوگوں اور بزرگوں کی قبروں سے ہوئی۔

اس شرک زدہ ماحول میں سیدنا نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور انھوں نے اللہ کا پیغام سنایا:

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (۱۱ : ۵۰)

----- اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس اللہ کے سوا تمھارے لیے

کوئی اِلٰہ اور معبود نہیں ہے۔

سورت ہُود آیت ۲۵ میں سیدنا نُوح علیہ السلام کی تقریر اور پیغام کو اس طرح ذکر فرمایا:

اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (۱۱ : ۲۵) ------ میں تمھیں کھول کھول کر ڈر سنانے اور یہ پیغام دینے آیا ہوں کہ:

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ۔

اللہ کے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کرو۔

اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ۔ (۱۱ : ۲۶)

اگر تم نے میری بات کو نہ مانا اور میری پیروی نہ کی تو مجھے تمھاری نسبت دردناک عذاب کا خوف اور خطرہ ہے۔

❁ سیدنا نُوح علیہ السلام کی تبلیغ اور پیغام کے دو حصے ہیں:

اُعْبُدُوا اللّٰہَ - ایک، اور دُوسرا حصہ ہے:

مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ۔

پہلا حصہ اثباتی اور مثبت ہے۔ یعنی اللہ کی عبادت کرو۔ اور دُوسرا حصہ منفی ہے۔ یعنی اللہ کے سوا مخلوقات میں سے کوئی بھی اِلٰہ اور معبود بننے کے لائق نہیں ہے۔

یقین جانیے! اگر سیدنا نوح علیہ السلام پوری زندگی اُعْبُدُوا اللّٰہَ اُعْبُدُوا اللّٰہَ کی رٹ لگاتے رہتے ------ اللہ کی معبودیت و الوہیت کا اعلان کرتے رہتے تو قوم کے لوگوں کو کوئی اِعتراض اور شکایت نہ ہوتی ------ نہ مخالفت کے طوفان ہوتے، نہ دشمنیوں کی آندھیاں چلتیں ----- نہ فتوے لگتے، نہ طعنے سہنے پڑتے ----- نہ پتھروں کی بارش ہوتی، نہ لہولہان ہونا پڑتا ----- مثبت رنگ میں توحید کو بیان کرنے سے کسی کو

تکلیف نہیں ہوتی ------ تکلیف اس وقت ہوتی ہے جب رنگ منفی اختیار کیا جائے، اور کہا جائے : مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ. ------- صرف اللہ ہی اِلٰہ ہے اور اس کے سوا مخلوقات میں سے کوئی بھی اِلٰہ نہیں ہے۔

امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جب پیغام رب العالمین سنایا اور اور پیغام کو شروع ہی منفی رنگ سے کیا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ تو قوم نے جواب میں کہا :

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ------ کیا اس نے کئی الٰہوں اور معبودوں کا صرف ایک اِلٰہ اور معبود بنا لیا ----- یعنی مشرکین مکہ کو یہ اعتراض نہیں تھا کہ اللہ بھی اِلٰہ ہے، انھیں تو اعتراض یہ تھا کہ یہ کیوں کہتے ہو کہ اللہ ہی اِلٰہ ہے۔

آج جو لوگ اپنے آپ کو صلح کن سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیان میں رنگ مثبت ہونا چاہیے، وہ ذرا غور فرمائیں کہ ہمارے کلمے کا رنگ ہی منفی ہے اور سیدنا نوح علیہ السلام نے مثبت رنگ کے بعد مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ کہہ کر منفی رنگ اختیار کیا۔

ساڑھے نو سو سال ایک ہی صدا

سیدنا نوح علیہ السلام نے توحید کی صدا اور شرک کی تردید کی آواز ------ ایک دو دن نہیں ---- ایک دو مہینے نہیں ---- ایک دو سال نہیں ---- ایک دو صدیاں نہیں -------- بلکہ ساڑھے نو سو سال لگائی۔

اور یہ آواز اور یہ صدا اور یہ اعلان اور یہ پیغام ایسے نہیں سنایا کہ ہفتے میں ایک دن سنایا ہو ---- یا دن میں ایک گھنٹہ سنایا ہو، بلکہ ہر وقت اور ہر گھڑی سیدنا نوح علیہ السلام نے اس پیغام کو بار بار اور تکرار کے ساتھ سنایا

رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا۔ (نوح ۷۱ : ۵)

میرے مولا ---- میرے پالنہار ! میں اپنی قوم کو دعوت دیتا رہا رات اور دن!

دیکھیں کوئی اہم کام بندے کے سپرد ہو گیا ہو یا کسی کام کے سلسلے میں پریشان ہو گیا ہو ------ کام ایسا ذہن پر سوار ہو گیا ہو کہ ہر وقت اسی کی دھن میں مگن ہو ------ کھانا کھا رہا ہے تو ذہن اس کام کی طرف ہے ----- رات سونا چاہتا ہے تو ذہن اس کام کی طرف ہے ------ بازار جا رہا ہے یا گھر آ رہا ہے ----- غرضیکہ بندہ اس کام کے پیچھے پڑا ہوا ہے ------ کوئی بندہ پوچھتا ہے ----- سنا بھائی اس کام کا کیا بنا ----- تو وہ کہتا ہے : میں نے تو اس کام کے لیے دن رات ایک کر دیا ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام بھی کہتے ہیں ------ مولا ! میں نے توحید کی دعوت دینے میں اور شرک سے روکنے میں اتنی محنت اور کوشش کی ہے کہ دن رات ایک کر دیا ہے۔

ہماری جماعت کو بنے پچاس سال ہوئے

سیدنا نُوح علیہ السلام نے یہ آواز اور یہ صدا لگائی ساڑھے نَو سَو سال ------- آج کچھ مہربان ہمارے مُتعلق از راہ مذاق کہتے ہیں کہ انھیں سوائے توحید کے اور کچھ آتا ہی نہیں ہے ---- جب سنو توحید، توحید اور شرک، شرک کرتے رہتے ہیں ------ جُمعہ کا خطبہ ہو تو توحید، درسِ قرآن ہو تب توحید، سالانہ جلسہ اور کانفرنس ہو تب توحید ------ میں ان مہربانوں سے عرض کروں گا کہ ہماری جماعت اشاعۃ التوحید والسُّنۃ کو بنے صرف پچاس سال ہوئے ہیں -----

یہ جماعت ۱۹۵۷ء میں معرض وجود میں آئی تھی ----- آپ صرف

پچاس سالوں میں تنگ آ گئے اور طعن و تشنیع پر اتر آئے ------- ذرا سیدنا نُوح علیہ السّلام کو تو دیکھیے جنھوں نے ساڑھے نَو سو سال ایک ہی صدا اور دن رات ایک ہی آواز لگائی۔

میرے بھائی! یہ مسئلہ تو ایسا اہم اور پیارا مسئلہ ہے کہ ہر نبی نے بیان فرمایا، اور ہر وقت بیان فرمایا ------ اور قرآن میں اللّٰہ تعالیٰ نے اس مسئلے کو سب سے زیادہ بیان فرمایا۔

اہم نکتہ ایک دلچسپ اور اہم بات ذرا سنیے گا ----- قرآن مجید نے کئی جگہوں پر سیدنا نوح علیہ السّلام کی تبلیغ اور دعوت کا تذکرہ کیا ہے ---- سورت اعراف میں، سورت ہود میں، سورت نوح میں ----- لیکن آپ یہ سن کر یقیناً حیران ہوں گے کہ قرآن نے سیدنا نوح علیہ السّلام کی دعوت و تبلیغ کے حوالہ سے کسی ایک جگہ پر بھی ان کی نماز، روزہ، حج کا ذکر نہیں فرمایا ----- کسی ایک جگہ پر بھی ان کے معاملات، معاشرت، اور حقوق کا ذکر نہیں فرمایا ----- کسی جگہ پر بھی والدین کے حقوق، اولاد کے حق، میاں بیوی کے حقوق، پڑوسیوں اور رشتے داروں کے حقوق کا تذکرہ نہیں فرمایا ----- قرآن نے جب بھی ان کی دعوت اور تبلیغ کا ذکر فرمایا تو مسئلہ توحید کے اعلان اور شرک کی تردید کرنے کا ذکر کیا ----- قرآن کہتا ہے سیدنا نُوح علیہ السّلام نے ایک ہی آواز لگائی:

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (۱۱ : ۵۰) ------

اِلٰہ اللہ کے سوا اِلٰہ کوئی نہیں۔ اس لیے عبادت و پکار کے لائق صرف اور صرف وہی ہے ------ کتنے سال؟ ---- ساڑھے نَو سو سال ------ اور مزید حیرانگی کی بات یہ ہے کہ بعض مُفسّرین نے لکھا کہ ساڑھے نَو سو سال میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس دن حضرت نوحؑ کو مار نہ پڑی ہو ------ پیغمبر زخمی ہو جاتا ہے ------ زخموں سے خون جاری ہو جاتا ہے ----- مرہم پٹی کرنے والا کوئی نہیں

تسلیاں دینے والا کوئی نہیں ---- سر پر شفقت کا ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ جبریل امین علیہ السلام کو بھیجتے ہیں کہ جاؤ میرے پیغمبر کو پتھروں سے نکالو ---- اسے تسلی دو، اس کی مرہم پٹی کرو ---- جبریل امین مرہم پٹی کرتے ہیں اور حضرت نوح دوسرے چوک میں جاکر نعرہ لگاتے ہیں: یَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ---- لوگو اللہ ہی کی الوہیت و معبودیت کے قائل ہو جاؤ۔ اس لیے کہ اس کے علاوہ کوئی بھی الٰہ اور معبود بننے کے لائق نہیں ہے!۔

قوم کا جواب

سیدنا نوح علیہ السلام کی اس دعوت اور پیغام کے جواب میں ان کی قوم کے سرداروں اور چوہدریوں نے بجائے ماننے اور تسلیم کرنے کے مخالفت پر کمر کس لی ---- ان سرداروں کے پیروکار دوسرے لوگ بھی ان ہی کے ہم نوا ہوگئے ---- سب لوگوں نے نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہوئے سیدنا نوحؑ کے پیغام کا انکار اور تکذیب شروع کی اور وقت کے پیغمبر کی تذلیل اور تحقیر ---- ذہنی اذیت، جسمانی تکلیف، فتوے اور الزامات کی بوچھاڑ کردی ---- کبھی اس دعوت کے جواب میں کہا:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لا یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً (مومنون ۲۳ : ۲۴)

یہ رسالت کا مدعی تم ہی جیسا بشر ہے یہ تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرشتے اتار دیتا۔

پھر کہتے:

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ (مومنون ۲۳ : ۲۵) نوح تو ایک مجنون اور دیوانہ آدمی ہے۔

کبھی وہ لوگ سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں کہتے:

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (الاعراف ۷ : ۶۰)

ہم تو تمھیں واضح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں۔

کبھی وہ لوگ سیدنا نوح علیہ السلام کے چند پیروکاروں کی غربت کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے :

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ۔ (ھود ۱۱ : ۲۷)

اور یہ بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ تیرے ساتھی (پیروکار) وہی لوگ ہیں جو ہم میں ادنیٰ اور گھٹیا درجہ کے ہیں اور سطحی رائے والے ہیں۔ (یعنی بغیر سوچے سمجھے تیری بات پر ایمان لے آئے ہیں)

بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ (۱۱ : ۲۷)

بلکہ ہم تو تم سب کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔

دیکھا آپ نے قوم کے سرداروں، نوابوں اور چوہدریوں نے قوم کی قیادت کرتے ہوئے سیدنا نوح علیہ السلام پر کتنے الزام لگائے۔ کتنے فتوے ایجاد کیے۔ مذاق کے کتنے تیر چلائے۔

تو بشر ہے ----- ہماری طرح کھاتا پیتا، بیوی بچے رکھتا، بازاروں میں چلتا پھرتا اور تجارت کرتا ----- اور بشر رسالت کے منصب پر فائز نہیں ہوسکتا ----- رسُول تو کسی نوری کو ہونا چاہیے تھا۔

زمانے الگ الگ فلسفہ ایک

غور کیا آپ نے ؟ سیدنا نوح علیہ السلام کے زمانے کے مُنکر کا خیال یہ تھا کہ نوح چونکہ بشر ہے اس لیے نبی نہیں ہوسکتا۔ اور آج کے دور کے مُنکر نے کہا :

محمد کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم چونکہ نبی ہیں، اس لیے بشر نہیں ہوسکتے -----

فلسفہ اور ذہن دونوں کا ایک ہے کہ نبوت اور بشریت متضاد ہیں۔ اُس دَور کے

لوگوں نے بشر مانا، نبی نہیں مانا ----- اور آج کے دور کے مہربانوں نے نبی مانا مگر بشر نہ مانا -------

خیر میں کہہ رہا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے دعوتِ توحید کے جواب میں ----- کبھی حضرت نوح علیہ السلام کو مجنون اور دیوانہ کہا ----- کبھی کہا تو کھلا اور واضح گمراہ ہے ----- اور کبھی انھیں جھوٹے ہونے کا طعنہ دیا۔

سیدنا نوح علیہ السلام کا جواب

سیدنا نوح علیہ السلام نے قوم کی گالیوں، تند و تیز جملوں اور الزامات کے جواب میں کتنی نرمی اور سنجیدگی کے ساتھ کہا:

يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ

(اعراف ۷ : ٦۱)

اے میری قوم مجھ میں کسی طرح کی بھی گمراہی نہیں ہے، بلکہ میں تو رب العالمین کا رسول ہوں بس اس ایک جملے نے سارے الزامات کو دھو کر رکھ دیا۔

وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ۔ میں رَبُّ الْعَالَمِينَ کا پیغمبر اور رسول ہوں ----- بھلا اللہ کا رسول گمراہ بھی ہو سکتا ہے؟

کیا اللہ کسی مجنون کے سر پر رسالت کا تاج رکھ سکتا ہے؟

بہر حال سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنے طور پر پوری کوشش کی کہ قوم کے سردار اور عام لوگ شرک و کفر سے تائب ہو کر توحید کی دعوت کو قبول کر لیں اور اس طرح وہ رحمتِ الٰہی کی چادر کے نیچے آ جائیں۔ خوشحالی ان کا مقدر بن جائے ----- مگر قوم نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا ----- بلکہ جس قدر سیدنا نوح علیہ السلام کی طرف سے تبلیغ حق اور دعوتِ توحید میں تیزی آتی گئی، اسی قدر قوم کی جانب سے انکار و تکذیب، اور بغض و عناد بڑھتا چلا گیا -----

قرآن کہتا ہے:

وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا (نوح ۷۱: ۲۲)

وہ بڑی بڑی چالیں چلے ---- مکر و فریب کا ہر حربہ استعمال کیا اور قوم کے سرداروں نے صاف صاف کہہ دیا:

لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (نوح ۷۱: ۲۳)

اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر کو کبھی نہ چھوڑنا۔ (یعنی ان پانچ بزرگوں کی عبادت و پکار پر قائم و دائم رہنا)

کتنے لوگوں نے مانا

ساڑھے نو سو سال کی مسلسل تبلیغ اور دعوت کا نتیجہ کیا نکلا؟-------- صرف اسی آدمیوں نے سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت کو قبول کیا ---- اور وہ بھی غریب اور بے حیثیت لوگ ------ صاحب ثروت اور سردار قسم کے لوگوں نے مسلسل تکذیب اور انکار کو وطیرہ بنائے رکھا۔

دو باتیں ثابت ہوئیں

سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ اور قوم کے مسلسل انکار اور چند گنتی کے آدمیوں کے ایمان لانے سے دو باتیں نکھر کا سامنے آئیں۔

ایک یہ کہ دین کے داعی اور توحید کے مبلغ کو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ میری بات اور میری دعوت کو سننے اور ماننے والے کتنے لوگ ہیں؟ میرے مقتدیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے ----- بلکہ اس کے سامنے اللہ کی رضا اور خوشنودی ہونی چاہیے۔

دین کے داعی اور حق کے مبلغ کو لوگوں کی پیشانیاں دیکھ کر بیان نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے پیش نظر اللہ کی رضا اور خوشنودی ہونی چاہیے۔

حق بات کو چھپانا ---- قرآن کے احکامات پر پردے ڈالنا ---- مداہنت سے کام لینا صرف اس لیے کہ نذرانے بند نہ ہوجائیں ---- صرف اس لیے کہ مرید نہ گھٹ جائیں ---- صرف اس لیے کہ چندے بند نہ ہوجائیں ---- صرف اس لیے کہ لوگ توحید کو سننا نہیں چاہتے ---- یہ سوچ عالمِ ربانی کی نہیں ہے ---- بلکہ یہ علماءِ سوء کا شیوہ اور وطیرہ ہے!

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ حق کا معیار لوگوں کی قلت وکثرت پر نہیں ہے۔ بلکہ حق ---- حق ہی ہوتا ہے۔ چاہے ماننے والا ایک ہی کیوں نہ ہو ---- اور حق ---- حق ہی ہوتا ہے چاہے اس کو ماننے والا ایک بھی نہ ہو۔

حق وباطل کا مقابلہ آجائے ---- اور فرعون ستر ہزار جادوگروں کو ---- سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں لے آئے ---- مقابلے کا میدان سجے اور ستر ہزار کے مقابلے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اکیلا آئے ---- تو حق ستر ہزار جادوگروں کے ساتھ نہیں ہوتا، بلکہ اکیلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوتا ہے۔

آج جو لوگ سوادِ اعظم ---- سوادِ اعظم کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں ---- انھیں اپنی کثرت پر ناز ہے اور وہ زیادہ ہونے پر اتراتے رہتے ہیں ---- اور پھر عوام الناس سے کہتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں ---- حق ہمارے ساتھ ہے ---- اس لیے کہ ہم زیادہ تعداد میں ہیں ---- ہماری کثرت ہے ---- میں ان احمقوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ تعداد کی قلت وکثرت حق کا معیار نہیں ہے ---- ورنہ تو وہ خود ہی بتائیں ---- میں انھیں فیصل اور جج مان لیتا ہوں ---- ذرا بتائیں تو سہی کہ بدر کے میدان میں جسے یوم الفرقان ---- یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا دن کہا گیا ہے ---- اس دن باطل کی تعداد ایک ہزار تھی اور حق کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی ---- پھر حق کس کے ساتھ تھا؟

----- جن کی تعداد زیادہ تھی، ان کے ساتھ یا کم تعداد والوں کے ساتھ؟۔

احد میں مشرکین تین ہزار تھے اور مسلمان صرف سات سو تھے ----- پھر حق پر کون تھا؟ تین ہزار والے یا قلیل تعداد والے؟

قرآن تو کہتا ہے:

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ------- اکثر ناشکرے ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ----- اکثر لوگ بے علم ہیں۔

اَكْثَرُهُمُ الْجَاهِلُوْنَ ------ ان میں سے اکثر جاہل ہیں۔

اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ------ اکثر بے ایمان ہیں۔

اور قرآن کہتا ہے:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ----- میرے بندوں میں سے شکر گزار لوگ تھوڑے ہیں۔

عذابِ الٰہی کا نزول اور سیدنا نوح کو تسلی

سیدنا نوح علیہ السلام کی مسلسل تبلیغ اور دعوت کے جواب میں ----- توحید کے وعظ اور شرک کی تردید کے جواب میں قوم نے کہا:

يَا نُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۱۱ : ۳۲)

اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا، اور جھگڑا بھی بہت کیا۔ اگر تو سچا ہے تو جس عذاب سے تو ہمیں ڈراتا ہے وہ عذاب لے آ!

سیدنا نوح علیہ السلام نے قوم کے اس مطالبہ کے جواب میں فرمایا:

اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (۱۱ : ۳۳)

لازماً اگر اللہ چاہے گا تو اس عذاب کو لے آئے گا۔ اور تم اللہ کو عاجز

کرنے والے نہیں ہو۔

بہر حال جب ضدی اور ہٹ دھرم قوم کے راہ راست پر آنے اور سمجھنے سے سیدنا نوح علیہ السلام مایوس ہو گئے ------ قوم کی باطل کوشی، عناد اور ضد ان پر واضح ہو گئی اور ساڑھے نو سو سال کی مسلسل تبلیغ اور دعوت کا قوم پر کوئی اثر نہ ہوا ------ تو سیدنا نوح سخت پریشان ہوئے تو اللہ رب العزت نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (۱۱ : ۳۶)

تمھاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے سو لا چکے ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ آپ ان کے اعمال بد اور کرتوتوں کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔

اللہ رب العزت کی اس اطلاع اور خبر کے ذریعہ سیدنا نوح علیہ السلام پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ میری دعوت کے پہنچانے اور تبلیغ کے فریضہ میں کوئی کمی اور کوتاہی نہیں ہے ------ بلکہ انکار کرنے والوں کی دل کی زمین ہی اس قابل نہیں جو رحمت کی بارش کے اثر کو قبول کر سکے ------ یہ سرکش، ضدی، عنادی اور ہٹ دھرم ہیں اور دیدہ دانستہ حق کے راستے سے اعراض کرنے والے ہیں ------ تب سیدنا نوح علیہ السلام نے اللہ کے دربار میں یہ دعا فرمائی:

سیدنا نوح علیہ السلام کی دُعا

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ○ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (۱۱ : ۲۶-۲۷)

اے میرے پالنہار مولا! کسی کافر کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے ------ تو اگر ان کو زمین پر رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہو گی وہ بھی بدکردار اور ناشکر گزار ہوگی۔

ایک استدلال کا جواب

سیدنا نوح علیہ السلام کی اس دعا سے کچھ مہربانوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام عالم الغیب تھے اور آنے والی نسل کے متعلق بھی جانتے تھے ----- تبھی تو انھوں نے دعا کرتے ہوئے کہا:

وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (۱۱ : ۲۷)

میرے بھائی ذرا اس کا جواب بھی سن ----- اللہ تعالیٰ تیرے بیمار ذہن کو شفا عطا فرمائے۔ اور تیری شرکیہ سوچ کو اچھی سوچ میں تبدیل کردے۔

سیدنا نوح علیہ السلام عالم الغیب نہیں تھے ----- بلکہ انھیں اللہ رب العزت نے پہلے سے اس بات کی اطلاع دے دی تھی ----- ذرا سورۃ ہود کی آیت ۳۶ کو غور سے پڑھیے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ ------- تیری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے سو لا چکے ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔

چونکہ اللہ رب العزت نے سیدنا نوح علیہ السلام کو پہلے اطلاع دے دی تھی ----- اس اطلاع کی بنیاد پر سیدنا نوح علیہ السلام نے کہا ----- وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (۱۱ : ۲۷)

بنائے سفینہ

اللہ رب العزت نے سیدنا نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول فرما لیا اور اپنے قانون ----- جزائے اعمال کے مطابق سرکشوں کی سرکشی، متکبرین کے تکبر ---- مشرکین کے شرک و کفر اور انکار کی سزا اور عذاب دینے کا فیصلہ فرما لیا ----- اور حفظ ما تقدم کے لیے پہلے سیدنا نوح علیہ السلام کو ایک کشتی بنانے کی ہدایت فرمائی ------ تاکہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے سیدنا نوح علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی اس عذاب سے محفوظ رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا (۱۱ : ۳۷)

تو ہماری حفاظت و نگرانی اور ہماری وحی کی مطابق کشتی تیار کر۔

وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ج إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ (۱۱ : ۳۷)

اور جو لوگ وظالم (مشرک) ہیں ان کے بارے میں مجھ سے بات بھی نہیں کرنی۔ کیونکہ وہ یقیناً غرق ہونے والے ہیں۔

کشتی کی تیاری اور مشرکین کا تمسخر

اللہ تعالیٰ کا حکم پاکر سیدنا نوح علیہ السلام نے کشتی بنانی شروع فرمادی تو کفار اور مشرکین نے ہنسی اڑانا اور مذاق بنانا شروع کردیا۔ وہ تمسخراً کہتے کہ دیکھو جی ----- کبھی خشکی میں بھی کسی نے کشتیاں بنائیں؟ ---- ہم نہیں کہتے تھے کہ نوح مجنون ہوگیا ہے۔ (العیاذ باللہ) خشکیوں میں کشتی بنانا ----- یہ اس کے مجنون ہونے کی دلیل ہے۔

جواب میں سیدنا نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ (۱۱ : ۳۸)

اگر تم ہماری ہنسی اڑا رہے ہو اور تمسخر کر رہے ہو تو جس طرح تم ہم سے تمسخر کر رہے ہو (ایک وقت آئے گا) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے۔

پھر جب سفینہ نوح تیار ہو گیا ----- اور عذاب الٰہی کا وقت قریب آپہنچا قرآن مجید نے اس کو بیان فرمایا:

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ (۱۱ : ۴۰)

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم (عذاب والا) آپہنچا اور تنور جوش مارنے لگا ----- یعنی زمین کی تہ سے پانی نکلنے لگا ----- یا ---- روٹی پکانے والے تندور سے بھی پانی چشمے کی طرح ابلنے لگا۔

تو ھم نے کہا:

اِحْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (۱۱ : ۴۰)

اے نوح ------ تمام جانداروں میں سے ہر ایک کا ایک جوڑا بھی کشتی میں سوار کرلو۔

وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ (۱۱ : ۴۰)

اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں بٹھالو ----- مگر گھر کے جن افراد پر میرا فرمان ثابت ہوچکا ہے (کہ وہ غرق ہوں گے) انھیں کشتی میں سوار نہیں کرنا ------ جو لوگ ایمان لاچکے ہیں انھیں بھی کشتی میں بٹھالو ----- اور نوح پر ایمان لانے والے تھوڑے سے لوگ تھے۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے اللہ کے فرمان کے مطابق مومنین کو اور ضرورت کے جوڑے جوڑے کو سوار ہونے کا حکم دیا اور فرمایا:

اِرْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۱ : ۴۱)

اللہ کا نام لے کر ------ اللہ کے نام کی مدد سے کشتی میں سوار ہوجاؤ ------ (اس کے ہاتھ اور اختیار میں ہے) اس کا چلنا بھی اور اس کا ٹھہرنا بھی۔

ایک اہم بات

سیدنا نوح علیہ السلام کے اس فرمان سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ کشتیوں کا ڈبونا اور کنارے لگا دینا ----- یہ اختیار نہ کسی نبی کے پاس ہے نہ کسی ولی کے پاس ہے ----- بلکہ یہ اختیار صرف اور صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے۔

(اگر یہ اختیار اللہ کے سوا کسی اور کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ کشتی کبھی گرداب میں نہ پھنستی اور کبھی بھنور میں نہ آتی جس کشتی میں زندہ پیغمبر سیدنا

یونس علیہ السلام سوار تھے)

یا معین الدین چشتی، لگا دے پار کشتی ---- بہاؤ الحق بیڑا دھک ----
مولا علیؓ میری کشتی پار لگا دینا ---- یہ سب مفروضے اور ایسے دعوے ہیں جن کی
دلیل کوئی نہیں۔

سیدنا نوح علیہ السلام کا بیٹے کو سمجھانا

زمین نے اندر کا پانی باہر اگل دیا اور آسمان سے
لگا تار پانی برسنے لگا ---- سیلاب نے عذاب کی صورت اختیار کرلی ---
سیدنا نوح علیہ السلام اور مومنین کشتی میں محفوظ و مامون تھے ---- کہ اچانک ان کا
بیٹا کنعان سامنے آگیا ---- شفقتِ پدری جوش میں آئی اور سیدنا نوح علیہ السلام
نے اسے آواز دی۔

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ (۱۱ : ۴۲)

میرے بیٹے آ ہمارے ساتھ سوار ہوجا ---- (یعنی اسلام قبول
کرکے ---- اور مومن بن کر نجاتِ الٰہی سے بہرہ ور ہو) اور کافروں کا
ساتھی نہ بن۔

بیٹے نے جواب دیا:

سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ (۱۱ : ۴۳)

میں کسی پہاڑ کی پناہ پکڑ لوں گا ---- وہ مجھے غرقابی سے بچالے گا۔
سیدنا نوح علیہ السلام نے بیٹے کی بات سن کر فرمایا ---- بیٹا تو جسے
سیلاب سمجھے بیٹھا ہے، یہ سیلاب نہیں تیرے رب کا عذاب ہے۔

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ (۱۱ : ۴۳) ----

آج اللہ کے حکم (یعنی عذاب سے) بچانے والا کوئی نہیں ---- آج صرف وہی
بچے گا جس پر میرا رب رحم اور مہربانی فرمائے گا۔

باپ اور بیٹے کے درمیان گفتگو جاری تھی کہ

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ (۱۱ : ۴۳)

دونوں کے درمیان ایک موج اور لہر حائل ہو گئی اور بیٹا غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا۔

ایک اہم مسئلہ

سیدنا نُوح علیہ السلام کا بیٹے کو آواز دینا اور بیٹے کا جواب دینا ----- پھر بیٹے کا باپ کے سامنے ----- پیغمبر باپ کے سامنے غرق ہو جانا ----- اس سے ایک مسئلہ نکھر کا واضح ہو گیا ہے کہ کامیابی و ناکامی کے تمام تر اختیارات صرف اور صرف اللہ رب العزت کے پاس ہیں۔

آج کچھ کمزور عقیدے رکھنے والوں کا خیال اور ذہن یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے جو چاہیں کریں ----- انھیں تمام تر اختیارات حاصل ہیں۔

اور کچھ کا خیال یہ ہے کہ نیک بندے اور بزرگ کر نہیں سکتے ----- دے نہیں سکتے ----- بلکہ اللہ سے کام کروا دیتے ہیں ----- اللہ سے دلوا دیتے ہیں ----- اللہ ان کی درخواست اور سفارش کو رد نہیں کرتا۔

اس واقعہ نے ان دونوں خیالوں اور دونوں عقیدوں کی تردید کر دی ----- اس طرح کہ پیغمبر سے بڑا نیک انسان ----- اور پیغمبر سے بڑا بزرگ کون ہو سکتا ہے ----- اگر حضرت نوح علیہ السلام کو اختیار حاصل ہوتے اور وہ سب کچھ کر سکتے ہوتے تو اپنے لختِ جگر کو بچا لیتے ----- اور اگر منوا سکتے ہوتے ----- کروا سکتے ہوتے ----- تو بیٹے کو بچوا لیتے ----- معلوم ہوا اختیارات سارے کے سارے صرف اللہ رب العزت کے پاس ہیں۔

کشتی جُودی پہاڑ پر

سب مخالفین اور مشرکین عذابِ الٰہی کی نظر ہو گئے تو اللہ ربُّ العزت نے حکم دیا:

یَآرۡضُ ابۡلَعِیۡ ------ اے زمین اپنا پانی نگل جا ---- وَ یٰسَمَاءُ اَقۡلِعِیۡ ---- اور اے آسمان تھم جا ---- وَ غِیۡضَ الۡمَآءُ ---- اور پانی خشک ہو گیا ---- وَ قُضِیَ الۡاَمۡرُ ---- اور کام تمام کر دیا گیا ---- وَاسۡتَوَتۡ عَلَی الۡجُوۡدِیِّ ---- کشتی کوہِ جودی پر جا ٹھہری۔

سیدنا نوحؑ کی پکار

سیدنا نوح علیہ السلام نے بیٹے کی غرقابی کے وقت اپنے رب کے حضور درخواست کی:

رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ ------ میرے پالنہار میرا بیٹا میری آل میں سے ہے۔ وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ وَ اَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِيۡنَ (۱۱ : ۴۵) ------ اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی اس درخواست سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے وعدہ کر رکھا تھا کہ ان کے اہل کو نجات دے گا ----- دیکھنا یہ ہے کہ یہ وعدہ اللہ نے ان سے کب اور کہاں کیا تھا۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے ذرا سورت ہود کی آیت ۴۰ پر غور کیجیے ---- اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا:

اِحۡمِلۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَ اَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ (۱۱ : ۴۰) کشتی میں ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا سوار کر لیجیے اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لیجیے۔ مگر تمہارے گھر والوں میں سے وہ سوار نہیں ہوں گے جن پر پہلے حکم ہو چکا ---- اس حکم کا ذکر سورۃ ہود کی آیت ۳۷ میں ہوا۔

وَلَا تُخَاطِبۡنِیۡ فِی الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ (۱۱ : ۳۷)

جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا۔ کیونکہ وہ لازماً غرق کر دیے جائیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی بیوی کے مشرکانہ عقائد و اعمال کی بنا پر اس بات سے مایوس ہو چکے تھے کہ وہ شرک و کفر چھوڑ کر صرف اللہ کی

الوہیت و معبودیت پر ایمان لے آئے ----- اس لیے اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ (۱۱ : ۴۰) کے استثناء کا مصداق صرف بیوی کو سمجھ بیٹھے۔ اور بیٹے کو کشتی میں بھی بیٹھنے کی دعوت دی ----- يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا (۱۱ : ۴۲) ------ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَ اَهْلَكَ سے سمجھے کہ بیٹا کنعان بھی اس میں شامل ہے ----- اس لیے درخواست کی کہ تیرا وعدہ تو تھا میرے گھر والوں کو بچانے کا۔ مگر میرا بیٹا کنعان تو میری آنکھوں کے سامنے غرق اور ہلاک ہو گیا۔

تفسیر قرطبی نے ایک اور بات تحریر فرمائی ہے کہ :

كَانَ ابْنُهٗ يُسِرُّ الْكُفْرَ وَيُظْهِرُ الْاِيْمَانَ۔ (قرطبی جلد۹ صفحہ ۴۵)

سیدنا نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان کفر کو دل میں چھپاتا تھا اور ایمان کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اور سیدنا نوحؑ اپنے طور پر سمجھتے تھے کہ یہ مومن اور موحد ہے ----- وہ بیٹے کے نفاق سے بے خبر تھے۔ اس لیے یہ درخواست کر بیٹھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست کے جواب میں فرمایا :

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۖ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (۱۱ : ۴۶) تیرا بیٹا تیری آل میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے عمل اچھے نہیں۔ (بد کردار ہے) پس تم سوال مت کرو اس چیز کے بارے میں جس کی حقیقت کا تمھیں علم نہیں ---- میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہ بنو۔

ذرا غور کیجیے کہ سیدنا نوح علیہ السلام عرض کرتے ہیں ------ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ ------ میرا بیٹا (کنعان) میری آل میں سے ہے ------ جواب میں اللہ فرماتا ہے : اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ----- کہ تیرا بیٹا تیری آل میں سے نہیں ہے ------

مولا! میرا بیٹا، میری بیوی کی کوکھ سے جنم لیا ---- میری گود میں

کھیلا، پلا، جوان ہوا ------ میرے گھر کے آنگن میں کھیلا ----- میرا خون ---- اور آپ کہہ رہے ہیں: اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ----- کہ یہ میری آل میں سے نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ------ ہاں وہ تیری آل میں سے نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے ----- اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ------ اس کے عمل اچھے نہیں ----- وہ مشرک و کافر ہے ----- وہ بدکردار اور غلط کار ہے۔

کیا بدکردار "سیّد" ہو سکتا ہے

اس سے ثابت ہوا کہ نبی کی آل میں سے وہ ہے جس کے عقائد درست ہوں اور جس کے اعمال شریعت کے مطابق ہوں ----- جس کے اخلاق اچھے ہوں اور جس کے معاملات درست ہوں ------ شراب اور بھنگ پیے اور کہے میں سید ہوں ----- داڑھی منڈوائے اور کہے میں سید ہوں ----- نمازوں کا اور نمازیوں کا مذاق اڑائے اور کہے میں سید ہوں ----- شرک و بدعات کا ارتکاب کرے اور کہے میں سید ہوں ----- زنا کرے اور کہے میں سید ہوں ---- اصحاب رسول پر تبرا کرے اور کہے میں سید ہوں ----- حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو گالیاں نکالے اور کہے میں سید ہوں ----- حضرت عثمان کو بکے اور کہے میں سید ہوں ---- حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کا دوپٹہ نوچے اور کہے میں سید ہوں ---- سیدنا معاویہ کو کافر کہے اور دعویٰ کرے میں سید ہوں ---- تو کان کھول کے سنو ------ یہ سید نہیں ہے ---------

اس لیے کہ اصحابِ رسول پر تبرا بدکاری ہے -------- ازواجِ مطہرات کو گالیاں نکالنا بدکرداری ہے ------ اور بدکردار نبی کی آل نہیں ہو سکتا ----- اللہ نے کہا:

اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ۔

سیدنا نوح علیہ السلام کا جواب

اللہ رب العزت کی اس تنبیہ کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے انتہائی عاجزی و تواضع اور انکساری کے ساتھ عرض کیا:

رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُبِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (۱۱: ۴۷)

میرے پالنہار! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کے بارے میں علم نہ ہو اور اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

ایک اہم مسئلہ

سیدنا نوح علیہ السلام کی اس درخواست اور اللہ رب العزت کے جلال سے بھرے ہوئے جواب ----- اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کی عاجزانہ عرض ------ اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حضرت نوح علیہ السلام باوجود اولوالعزم پیغمبر و رسول ہونے کے عالم الغیب بھی نہیں تھے اور مختار کل بھی نہیں تھے۔

اگر وہ عالم الغیب ہوتے تو کبھی بھی اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَہۡلِیۡ ------ کی درخواست پیش نہ کرتے ----- پھر جواب میں اللہ رب العزت نے بات کو واضح اور حقیقت کو کھول دیا کہ:

فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ----- جس چیز کا تمھیں علم نہیں اس کے بارے میں سوال مت کیجیے ---- پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے عجز و انکساری کے بھرے ہوئے جواب میں خود اس بات کا اقرار کرلیا ---- اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُبِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ----- میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں۔

نیز اس سوال و جواب سے یہ بات اور حقیقت بھی نکھر گئی کہ

اللہ تعالیٰ کے سامنے شفیع غالب بھی کوئی نہیں کہ اللہ اس کی بات ماننے اور تسلیم کرنے پر مجبور ہو ------ حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کے حق میں زبان کھولی ------ تو اللہ نے سختی کے ساتھ اور جلال بھرے انداز میں تنبیہ فرمائی اور آئندہ کے لیے منع فرمایا کہ اس قسم کی بات نہ کی جائے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا مختار کل بھی کوئی نہیں ----- اگر سیدنا نوح علیہ السلام مختار کل ہوتے تو اپنے بیٹے کو ہدایت کی دولت سے مالا مال فرما دیتے ----- یا اسے عذابِ الٰہی سے بچا لیتے۔

کیا صرف نسبتِ نبی نجات کے لیے کافی ہے

اس واقعہ اور قصہ سے یہ بات بھی سمجھ آگئی کہ ہر انسان اور ہر آدمی اپنے عقائد، کردار، افعال اور اعمال کا خود ہی ذمہ دار بھی ہے اور کل قیامت کے دن خود جواب دہ بھی ----- باپ اللہ کا اولوالعزم پیغمبر ہو ----- مقرب باری تعالیٰ ہو ----- مگر باپ کی عظمت اور بزرگی ----- نیکی اور تقویٰ ----- بیٹے کی بدکرداری، بدکاری کا مداوا اور علاج نہیں ہوسکتا۔

اور اس طرح بیٹے کی سعادت، خوش بختی، فرمانبرداری، اور نیکی و تقویٰ ----- باپ کی سرکشی اور کفر کا بدل نہیں ہوسکتا۔

آپ نے نہیں دیکھا کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی نبوت و رسالت ----- ان کی عظمتِ شان بیٹے کے کفر کی سزا میں آڑے نہ آسکی۔

اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا پیغمبرانہ جلال، ان کی شان و شوکت اور رب کا قرب اور دوستی مشرک و کافر والد آذر کی نجات کا باعث نہ ہوسکی۔

كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۴)

ہر شخص اپنے طریق اور ڈھنگ کے مطابق عمل کرتا ہے۔

ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے

نیز اس واقعہ اور قصہ سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ پیغمبر اور نبی کا کام اور فریضہ صرف اتنا ہے کہ وہ اللہ کا پیغام اور دعوتِ رسالت لوگوں تک واضح انداز میں پہنچادے ------

بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ (مائدہ ۵ : ۶۷)

جو احکام آپ پر اتارے گئے ہیں انھیں لوگوں تک پہنچادو۔

ہدایت کا نور کسی کے دل میں ڈالنا یہ پیغمبر کی ذمہ داری نہیں ہے ----- اپنی اولاد ------ اپنی رفیقۂ حیات ------ اپنے قبیلے ------ برادری اور رشتے داروں کو ایمان کی دولت سے مالا مال کرنا ------ ان کے دلوں کو پلٹ دینا ------ ان کے سینوں کو موڑ دینا ------ اور ہدایت کو زبردستی ان کے اندر داخل کردینا ----- یہ پیغمبر اور نبی کے اختیار میں نہیں ہے۔ قرآن مجید نے امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ (غاشیہ ۸۸ : ۲۲)

آپ ان کافروں پر داروغہ نہیں ہو۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا:

وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ (ق ۵۰ : ۴۵)

اور آپ ان کفار کو (قبولِ حق) کے لیے مجبور نہیں کرسکتے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند

اس واقعہ سے یہ بات اور حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ بری سوسائٹی، بری مجلس اور بروں کی صحبت و دوستی انسان کو برباد اور خراب اور تباہ کردیتی ہے ----- بروں کی مجلس زہر ہلاہل سے بھی زیادہ مہلک اور قاتل ہے

---- اس کا نتیجہ ذلت و خسران ------ ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

انسان کے لیے جس طرح نیک اعمال بجا لانا ضروری ہیں ------ اس سے زیادہ صالح اور نیک لوگوں کی صحبت ضروری ہے۔

اور ایک انسان کے لیے جس طرح برے اعمال اور گناہوں سے اِجتناب ضروری ہے ----- اس سے کہیں زیادہ بروں کی دوستی سے خود کو بچانا ضروری ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان نے قوم کے برے لوگوں کی صحبت اور دوستی اِختیار کی تو اس کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہوگئیں۔

ایک شاعر نے کتنی خوبصورت عکاسی کی ہے : ؎

پسر نوحؑ با بداں بہ نشست خاندانِ نبوتش گم شد

سیدنا نوح علیہ السلام کا بیٹا بروں کی محفل اور مجلس میں بیٹھا ----- نبوت کا خاندان اس سے گم ہوگیا۔

سگِ اصحابِ کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

اصحابِ کہف کے ساتھ چلنے والا کتا ----- جو چند روز نیک لوگوں کی معیت میں رہا ----- اس کا تذکرہ اللہ نے قرآن مقدس میں فرما دیا۔

ایک اور شاعر نے خوب کہا ہے : ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند

نیک لوگوں کی صحبت اور دوستی تجھے بھی نیک اور صالح بنا دے گی ------ اور گندے لوگوں کی دوستی، بروں کی محفل تجھے بھی بُرا اور گندہ بنا دے گی۔

ایک پنجابی شاعر نے اس مفہوم کو کتنے خوبصورت انداز میں بیان کیا : ؎

نیکاں دے لڑ لگیاں میری جھولی پھل پئے
تے بریاں دے لڑ لگیاں میرے اگلے وی ڈھ گئے

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنِ

سیدنا ھود علیہ السلام

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَ عَلٰٓی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ)

(اعراف ۷ : ٦٥)

سامعین گرامی قدر ! گزشتہ جمعۃ المبارک کے خطبے میں میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ آدم ثانی سیدنا نوح علیہ السلام کا تذکرہ ------ قرآنی آیات کے حوالے سے کیا ہے۔

کہ جب سیدنا نوح کی قوم نے ضد، ہٹ دھرمی، اور مخالفت کی انتہا کردی ----- تو ان پر طوفان اور سیلاب کی صورت میں اللہ کا عذاب نازل ہوا ------ اور سیدنا نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے علاوہ ----- جتنے لوگ تھے ان کو غرق کردیا گیا ----- صرف وہی خوش نصیب نجات پاگئے جو کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ سوار ہوئے تھے۔

اور اس طرح ایک مرتبہ اللہ کی زمین شرک و کفر سے اور مشرکین و کفار سے پاک اور صاف ہوگئی ----- اب جتنے لوگ زمین پر بس رہے تھے وہ سب کے سب اللہ کے فرمانبردار بندے اور پختہ موحد اور مُسلمان تھے۔

ابلیس کا وار

بھلا شیطان اسے کس طرح برداشت کر سکتا تھا ---- وہ سب لوگوں کو اللہ کا شکر گزار اور فرمانبردار ---- کس طرح دیکھ سکتا تھا ---- وہ اس انتظار اور تاک میں رہا کہ میں اولاد آدم کو تباہی کے گھاٹ کس طرح اتاروں اور کس طرح ان سے شرک و کفر اور بت پرستی کروا کے اپنے دعوے وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ کو سچا ثابت کر دوں۔

وہ اپنی چال میں کامیاب ہوا ---- اور لوگوں کو ایک مرتبہ پھر بت پرستی کی طرف راغب اور مائل کر دیا ---- لوگوں نے ان ہی پانچ بزرگوں کے بت بنا لیے ---- ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی پوجا پاٹ اور عبادت شروع کر دی۔ یہ وہی پانچ بزرگ ہیں جن کی عبادت کرنے کی وجہ سے قوم نوح پر عذاب الٰہی اترا تھا۔

ان پانچ بزرگوں کے بت پوجنے کے علاوہ انھوں نے تین بت مزید بنا لیے۔ جن میں سے ایک کا نام صمور، دوسرے کا نام ہتار اور تیسرے کا نام صدا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۵)

بتوں کی حقیقت

سیدنا نوح علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آپ نے سنا کہ وہ پانچ بزرگوں کے بت بنا کر ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے ---- اور اب سیدنا ہود علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آپ سن رہے ہیں کہ ان کی قوم انہی پانچ بزرگوں کے بت بنا کر ان کی عبادت و پکار کرتی تھی ---- اس بت کے لفظ سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جانا اور علمائے سوء کے اس اشکال سے متاثر نہ ہو جانا ---- کہ پہلے دور کے مشرکین اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مشرکین بے جان بتوں کو الٰہ اور معبود مانتے تھے ---- وہ اس لیے مشرک تھے کہ بے جان بتوں کی پکار کرتے تھے ---- اور قرآن مجید نے جہاں جہاں غیر اللہ کی عبادت و پکار سے روکا ہے ---- ان آیات سے بھی بت مراد ہیں

----- اور جہاں قرآن نے کہا ہے کہ تمھارے معبود تمھاری پکاریں نہیں سنتے ------ وہ ایک ذرہ کے مالک نہیں ------ وہ کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک پردے کے مالک نہیں ----- تمھارا نفع و نقصان ان کے ہاتھ میں نہیں ----- ان آیات سے بھی بت مراد ہیں ----- اور ہم بتوں کے پجاری نہیں ہیں ----- ہم تو خیر سے بزرگوں کی قبروں ---- پر جاکر ان کی پکار کرتے ------ اور بزرگوں کو مدد کے لیے صدا لگاتے ہیں ------ اس لیے قرآن مجید کی وہ آیات ہم پر فٹ نہیں ہوتیں۔

میرے دوستو اور بھائیو! یہ پڑھے لکھے جاہلوں کا ان پڑھوں کو دھوکا دینا ہے ----- ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں آج تک کوئی مشرک ایسا نہیں آیا جس نے بے جان پتھر پوجے ہوں ----- اگر انھوں نے صرف پتھر پوجنے ہوتے تو پہاڑوں کی پوجا کرتے ----- قیمتی پتھر پوجتے ----- مگر وہ ایک پتھر لاتے اور اس کی ایک مورت ----- ایک تصویر ----- ایک شکل اور صورت بناتے ----- کس کے نام پر؟ کسی پیغمبر کے نام پر ----- کسی ولی کے نام پر ----- میں قِصّۂِ نوح میں بیان کرچکا ہوں کہ بخاری نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لِکھا ہے کہ: ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر پانچ بزرگ تھے ----- یہ نیک بندوں کے نام ہیں۔

تو دراصل عبادت اس پتھر کی نہیں ہوتی بلکہ اس شخصیت کی ہوتی ہے جس کے نام سے اس پتھر کو منسوب کیا جاتا ہے۔

عجیب نکتہ میں کہتا ہوں آج تک کسی مشرک نے نرا پتھر اور نرے بت کو نہیں پوجا ---- اور آج تک کوئی مشرک ایسا نہیں آیا جس نے کسی قبر کو پوجا ہو ----- اگر اس نے پتھر پوجنے ہوتے تو پہاڑ پوجتے ----- اگر اس نے نری قبر پوجنی ہوتی تو عام قبرستان کی کسی قبر کو پوجا ہوتا۔

مگر ہم دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ وہ پتھر کو بزرگ کی صورت سے منسوب کرتے ۔۔۔۔۔ تو پوجا پتھر کی نہیں اس شخصیت کی ہوتی ہے جس کے نام پر بت بنایا گیا ۔۔۔۔۔ اور اسی طرح پوجا قبر کی نہیں ہوتی بلکہ اس شخصیت کی ہوتی ہے جو اس قبر میں مدفون ہے۔

اہل سنت کے مشہور مفسر امام رازی جو ساتویں صدی کے جید عالم دین ہوئے ہیں، اپنی شہرۂ آفاق کتاب تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں ۔۔۔۔۔ ذرا ان کی تحقیق سنیے اور آج کے معاشرے کو اس کے آئینے میں دیکھیے۔

اِنَّھُمْ وَضَعُوْا ھٰذِہِ الْاَصْنَامَ وَ الْاَوْثَانَ عَلٰی صُوَرِ اَنْبِیَآئِھِمْ وَاَکَابِرِھِمْ

۔۔۔۔۔ کہ ان مشرکین نے یہ بت اور صنم اپنے انبیاء اور بزرگوں کی صورتوں پر بنائے تھے۔

وَ زَعَمُوْا اَنَّھُمْ مَتیٰ اشْتَغَلُوْا بِعِبَادَۃِ ھٰذِہِ التَّمَاثِیْلِ فَاِنَّ اُولٰٓئِکَ الْاَکَابِرَ تَکُوْنُ شُفَعَاءُ لَھُمْ۔

اور وہ مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ جب ہم ان کی پوجا پاٹ میں مشغول ہوتے ہیں تو یہ بزرگ اللہ کے دربار میں ہماری سفارش کرتے ہیں ۔۔۔۔۔

آگے امام رازیؒ بہت خوب بات کرتے ہیں۔

وَ نَظِیْرُہٗ فِیْ ھٰذَا الزَّمَانِ اِشْتِغَالُ کَثِیْرٍ مِنَ الْخَلْقِ بِتَعْظِیْمِ قُبُوْرِ الْاَکَابِرِ عَلٰی اِعْتِقَادِ اَنَّھُمْ اِذَا عَظَّمُوْا قُبُوْرَھُمْ فَاِنَّھُمْ یَکُوْنُوْنَ شُفَعَاءَ لَھُمْ عِنْدَ اللّٰہِ۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۸۱۹)

اس بت پرستی کی مثال ہمارے زمانے (ساتویں صدی) میں دیکھنی ہو تو ان بہت سارے لوگوں کو دیکھ لو جو بزرگوں کی قبروں کی تعظیم اس نیت اور عقیدے کے ساتھ کرتے ہیں کہ یہ بزرگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی

ہوں گے اور ------ اللہ تعالیٰ کے آگے ہماری سفارش کریں گے۔

میرا سوال

جو مہربان کہتے ہیں کہ قدیم زمانے کے مشرک بے جان بتوں کے پجاری تھے ----- کیا میں ان سے پوچھ سکتا ہوں کہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر بت تھے؟ ------ کیا عزیٰ، لات، بت تھے؟ ----- کیا عیسیٰ و مریم (العیاذ باللہ) بت تھے؟ ------ کیا ابراہیم و اسماعیل (العیاذ باللہ) بت تھے؟ ----- کیا فرشتے بت ہیں؟ ---- کیا ہُبل بت تھا؟

کیا میدانِ محشر میں بت جا رہے ہوں گے؟ ----- جن کو اللہ آواز دے گا ----- مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ (سورۃ یونس ۱۰: ۲۸) اے مشرکین تم بھی رک جاؤ اور تمہارے شریک بھی ٹھہر جائیں۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ ۹: ۳۱)

کیا یہ احبار اور رہبان (علماء اور درویش) بت ہیں؟

کتنے دلائل پیش کروں ----- اور کہاں تک سمجھاؤں کہ مشرکین ہمیشہ نیک لوگوں اور بزرگوں کی عبادت و پکار کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔

سیدنا ہود علیہ السلام کی نبوت و دعوت

قرآن مجید نے قوم عاد کا تذکرہ مختلف سورتوں میں فرمایا ہے ---- سورۃ اعراف میں ----- سورۃ ہود میں ---- سورۃ شعراء میں ----- سورۃ مومنون میں ---- سورۃ احقاف میں ---- سورۃ قمر میں ----- سورۃ الحاقہ میں ----- اور سورۃ ذاریات میں۔

عاد کا زمانہ دو ہزار قبل مسیح مانا جاتا ہے ---- قرآن نے قوم عاد کو مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ کہہ کر قوم نوح کے خلفاء میں شمار کیا ہے۔

یہ قوم بڑی خوشحال تھی ----- اور جسمانی لحاظ سے انتہائی طاقت ور

----- قد و قامت کے لحاظ سے بے مثل تھی ----- قرآن مجید نے اسے بیان فرماتے ہوئے کہا:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ (الفجر ۸۹ : ۶-۸)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا ----- جو ارم میں سے تھے (یعنی عاد بن ارم) بڑے ستونوں والے کہ ان جیسی چیز سارے شہروں میں نہیں بنائی گئی۔

شیخ الاسلام مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذات العماد ----- سے مراد یہ ہے کہ بڑے بڑے ستون کھڑے کر کے ان پر بڑی اونچی اونچی عمارتیں بنایا کرتے تھے ----- یا مطلب یہ ہے کہ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے اور اونچے ستونوں پر خیمے تانا کرتے تھے۔

یا مراد یہ ہے کہ ان کے قد اور ڈیل ڈول ایسی تھی جیسے ستون ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن مجید نے ایک جگہ پر ان کی خوشحالی اور عیاشی کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ (شعراء ۲۶ : ۱۲۸-۱۲۹)

کیا تم بناتے ہو ہر اونچی جگہ پر ایک نشان محض کھیل کود کے لیے اور بناتے ہو کاریگریاں شاید تم (دنیا میں) ہمیشہ رہو گے۔

قوم عاد کے لوگ ----- مختلف جگہوں پر اونچے اونچے مینارے ----- کئی جگہوں پر بطور علامت عمارت بناتے اور بڑے تکلف کے ساتھ خوبصورت اور مضبوط گھر بناتے اور اس کی تعمیر میں بڑی کاریگریاں دکھاتے۔

یہ فضول مینار بنانے ----- مختلف چوکوں میں بطور یادگار عمارتیں بنانی ------ یہ تلوار چوک ہے، اس میں تین تلواریں بنی ہوئی ہیں ----- اور چوک میں دو تلواریں بنی ہوئی ہیں ----- اور یہ فوارہ چوک ہے ------ اس میں فوارہ تعمیر کیا گیا ہے ------ یہ بارہ دری ہے کہ اس عمارت کے بارہ دروازے ہیں ----- یہ مینار شہداء کی یادگار کے طور پر بنایا گیا ہے ----- یہ سب جاہلیت کے تصورات ہیں ------ قوم عاد ایسے کاموں کی شوقین تھی۔ علاوہ ازیں قوم عاد کے لوگوں کو اپنی قوت و طاقت پر بھی گھمنڈ اور فخر تھا۔

قرآن مجید نے اس کا تذکرہ اس انداز میں فرمایا :

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حم سجدہ ۴۱ : ۱۵)

جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے زیادہ زور اور قوت میں اور کون ہے؟

سیدنا ہود علیہ السلام کی بعثت

غرضیکہ قوم عاد ---- شرک میں ملوث قوم تھی ---- کفر ان کا وطیرہ تھا ----- اپنی قوت و طاقت پر گھمنڈ، اور مال و دولت کی بہتات پر غرور ان کا شیوہ بن گیا تھا ----- غریبوں پر ظلم کرنا اور ستانا ان کا مشغلہ تھا۔

ایسی بد طینت، بد کردار، مغرور اور مشرک قوم میں ان ہی کی برادری اور خاندان میں سے ایک شخص سیدنا ہود علیہ السلام کو پیغمبر اور رسول بنا کر بھیجا گیا ------ انھوں نے اپنی قوم کے سامنے پہلی دعوت یوں پیش فرمائی :

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (اعراف ۷ : ۶۵)

اے میری قوم ! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود

نہیں۔ کیا تم (شرک و کفر کی سزا اور انکار کرنے کی پاداش میں عذاب) سے ڈرتے نہیں ہو؟۔

سامعین گرامی قدر ! آپ سیدنا نوح علیہ السلام کے واقعہ میں سن چکے ہیں کہ سیدنا نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو سب سے پہلی دعوت ان ہی الفاظ کے ساتھ دی تھی ----- اور ہر پیغمبر اور ہر نبی نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوم کے سامنے یہی دعوت پیش فرمائی تھی ----- توحید کی دعوت دینا ----- اور شرک کی تردید کرنا ----- یہ پیغمبری مشن ہے۔ اور تحدیثِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ آج کے اس شرک زدہ دور میں جمعیت اشاعت التوحید و السنّت ----- اس پیغمبری مشن کی امین ہے ----- آپ ذرا حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت پر ----- اولین دعوت پر غور تو فرمائیں ----- انھوں نے صرف اتنی دعوت نہیں دی کہ عبادت اللہ کی کرو ----- اِلٰہ اللہ کو مانو ----- معبود و مسجود اللہ کو سمجھو ----- نافع و ضار اللہ کو مانو ----- نذر و نیاز اللہ کے نام کی دو۔

بلکہ اُعْبُدُوا اللّٰہَ کے ساتھ ساتھ سیدنا ہود علیہ السلام نے منفی رنگ بھی اختیار فرمایا ----- مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ----- کہ اللہ کے سوا تمھارے لیے اور کوئی معبود ----- اِلٰہ اور مسجود نہیں ہے ----- اللہ کے سوا تمھاری غائبانہ پکاریں سننے والا کوئی نہیں ----- اللہ کے سوا نذر و نیاز کے لائق کوئی نہیں ----- اللہ کے سوا غائبانہ مدد کرنے والا، مشکل کشا اور حاجت روا ----- اور کوئی نہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام کی اس تقریر اور دعوت کے کلمات سے معلوم ہوا کہ مثبت رنگ میں اللہ کی صفات و اوصاف کو بیان کرنے کا نام حقیقی توحید نہیں ہے ----- حقیقی توحید یہ ہے کہ اُعْبُدُوا اللّٰہَ کے ساتھ ساتھ ----- مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ----- کا اعلان بھی کیا جائے۔

آپ نے نہیں دیکھا کہ کلمہ توحید اور کلمۂ اسلام جسے پڑھ کر ایک کافر دائرۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے ------ اس کلمے کی ابتداء ہی نفی سے ہو رہی ہے ---- لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ----- معلوم ہوا کہ شریعت صرف اتنا نہیں منوانا چاہتی کہ اللہ اِلٰہ ہے --- بلکہ شریعت اس سے پہلے یہ منوانا چاہتی ہے کہ لَآ اِلٰـہَ -------- پہلے نفی کرو --- اور لا والی تلوار تمام جھوٹے اِلٰہوں پر چلاؤ---- پھر اقرار کرو اِلَّا اللّٰہُ کہ کائنات میں اِلٰہ ہے تو صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔

سورۃ ہود میں سیدنا ہود علیہ السلام کی دعوت و پیغام کا تذکرہ کچھ اس انداز سے فرمایا:

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ------ میری قوم کے لوگو------ عبادت اللہ کی کرو ----- اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ----- اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ----- میری قوم کے لوگو---- یہ جو تم کہتے ہو کہ ہمارے معبود سب کچھ کرسکتے ہیں ------ وہ با اختیار اور مختار ہیں ---- اور ہماری پکاریں سن لیتے ہیں ------ اور اللہ سے کام کروا دیتے ہیں ----- یہ سب کچھ تمہارا جھوٹ اور افتراء ہے ------ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے!

پھر سیدنا ہود علیہ السلام نے فرمایا:

يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ط اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (ہود ۱۱: ۵۱)

میری قوم کے لوگو! میری یہ تبلیغ ---- اور میری یہ دعوت سو فیصد بے غرض اور بے لوث ہے ----- اس میں میرا کوئی ذاتی مفاد---- اور ذاتی غرض پوشیدہ نہیں----- میں تم سے اس دعوت کے بدلے کوئی بدلہ، مزدوری

اور اجر نہیں مانگتا ----- میرا اجر اور میری مزدوری اس ذات کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے ------ جس نے مجھے نیست سے ہست کر دیا ہے ----- عدم سے وجود بخشا ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ------ اتنے غبی اور بے عقل ہو کہ اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ رہے ہو کہ ایک شخص محض دردمندی سے اور خیر خواہی کے جذبہ سے تمھاری اصلاح کرنا چاہتا ہے اور تم اسے اپنا دشمن اور بدخواہ سمجھ کر لڑنے اور مارنے پر تل گئے ہو؟ سیدنا ھود علیہ السلام نے قوم کو سمجھاتے ہوئے اور انھیں نصیحت کرتے ہوئے مزید فرمایا:

یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ

اے میری قوم کے لوگو! اپنے سابقہ گناہوں (شرک و کفر) کی معافی مانگو ----- اور آئندہ کے لیے ان گناہوں (شرک و کفر) کے نزدیک نہ جانے کا سچے دل سے عزم اور ارادہ کرو!۔

شرک سے توبہ اور توحید کو سچے دل سے ماننے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ:

يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ (۱۱ : ۵۲)

تو اللّٰہ تعالیٰ خوش ہو کر تم پر برستے ہوئے بادل بھیج دے گا (جس کے ذریعہ تمھارے باغ، زمینیں اور کھیت شاداب ہوجائیں گے) ------- اور زیادہ کردے گا تم کو قوت پر قوت میں (یعنی مالی اور بدنی قوت بڑھا دے گا، اولاد میں برکت ہوگی، خوشحالی میں ترقی ہوگی۔ زمینیں سونا اگلنے لگیں گی)

قومِ عاد کا جواب

سیدنا ھود علیہ السلام کی اس خوبصورت و حسین دعوت اور خیر خواہی کے جذبے سے بھرے ہوئے پیغام کے جواب میں قوم نے ------ اور خاص کر کے قوم کے سرداروں، چودھریوں اور وڈیروں نے کئی طرح کے بکواس کیے اور باتیں بنائیں۔

کبھی کہا:

إِنَّا لَنَرَىٰكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَٰذِبِينَ (اعراف ۷: ۶۶)

ہم تجھے بے عقل آدمی دیکھتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔

پیغمبر کو کم عقلی اور جھوٹے ہونے کا الزام

مشرکین کسی بھی علاقے کے ہوں یا کسی بھی زمانے کے ہوں وہ اللہ ربّ العزت کو دنیا کے بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرح خیال کرتے ہیں ------ وہ سمجھتے ہیں جس طرح دنیا کے بادشاہ کو بہت سارے معاون، مددگار اور مختلف محکموں کے لیے وزیروں اور مشیروں کی ضرورت ہوتی ہے ------ جو بادشاہ کے ماتحت کام کرتے ہیں ------- بادشاہ اپنے کچھ اختیار ان کے حوالے کردیتا ہے ------ اسی طرح اللہ نے بھی کچھ اختیار اپنے نیک بندوں کے حوالے کر دیے ہیں ------ جو اللہ کے عطا کردہ اختیارات سے اس نظام میں دخیل ہیں ----- کچھ مشرکین نے فرشتوں کو اللہ کا ممد و معاون مان لیا ------ کچھ نے جنات، دیوی، دیوتاؤں کو ------ بعض نے اولیاء اللہ کو ------ ایسے لوگوں کی سمجھ میں یہ حقیقت آ ہی نہیں سکتی کہ اللہ اکیلا ہی تمام کائنات کا انتظام چلاتا ہے ------ اس کے آگے کوئی شفیع غالب نہیں ہے ------ اس لیے جب سیدنا ہود علیہ السلام نے توحید کی دعوت دیتے ہوئے اور شرک کی تردید کرتے ہوئے قوم کو سمجھایا کہ اللہ اکیلا ہی معبود ہے ----- اللہ اکیلا ہی مسجود ہے ------ وہ اکیلا ہی مُستعان ہے ------ وہ اکیلا ہی سارے نظام کو چلاتا ہے ----- سارے کام سنوار سکتا ہے اور اسے کسی معاون اور وزیر، مشیر کی ضرورت نہیں ہے۔

تو اس وقت قوم نے کہا ------ تیری یہ بات سن کر ہمیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تیرا دماغ چل گیا ہے ------ تو بے عقل ہے یا پھر تو جھوٹا ہے ----- کہ

جو کچھ تو کہہ رہا ہے اللہ نے یہ سب کچھ نہیں فرمایا بلکہ تو جھوٹ بول رہا ہے۔

سیدنا ہود علیہ السلام کا جواب

سیدنا ہود علیہ السلام قوم کے اس غیر منصفانہ جواب پر ---- اس تیز و تند لہجے پر غضب اور جوش میں نہیں آئے بلکہ انتہائی متانت اور حوصلے سے جواب دیا۔

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۷ : ۶۷)

اے میری قوم میں نادان نہیں ہوں بلکہ میں تو ربُّ العالمین کا رسُول ہوں ------ یعنی میرے سر پر اللہ ربُّ العالمین نے نبوت و رسالت کا تاج پہنایا ہے ------ اور ظاہر بات ہے کہ اللہ یہ منصب اور نبوت و رسالت کا یہ عہدہ نادانوں کو نہیں دیتا۔

کبھی مُفتری کہا

قوم نے سیدنا ہود علیہ السلام کی دعوت و پیغام کے جواب میں کبھی تو انھیں نادان کہا، کبھی جھوٹا کہا اور کبھی کہا:

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا (مومنون ۲۳ : ۳۸)

کچھ نہیں یہ (ہود) ایک مُفتری آدمی ہے جس نے اللہ کے نام سے جھوٹ موٹ بات بنا دی ہے۔

کبھی کہنے لگے:

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ (ہود ۱۱ : ۵۴)

ہم تو صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے معبُودوں میں سے کسی معبُود کی تجھ پر مار پڑ گئی ہے۔

اکیلا اللہ معبُود؟

سیدنا ہود علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں قوم نے سیدنا ہود علیہ السلام کو کبھی نادان، کبھی جھوٹا کہا ---- کبھی مُفتری کہا ---- اور کبھی کہا ہمارے معبُودوں کی پکڑ میں آ گیا ہے۔

اور کبھی جواب میں کہا:

أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (اعراف ۷: ۷۰)

اے ہود! کیا تو اس واسطے ہمارے پاس آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ کی عبادت و پکار کریں اور ان معبودوں کی پاجا پاٹ چھوڑ دیں جن کی پوجا پاٹ ہمارے باپ دادے کرتے رہے۔

ذرا ایک لمحہ کے لیے رک کر سوچیے ------ قوم ہود کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اِلٰہ اور معبود ہے ----- انھیں یہ اعتراض نہیں تھا کہ اللہ کی عبادت کرنی چاہیے ----- ان کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت و پکار کیا کرتے تھے ------ انھیں اعتراض اس بات پر تھا کہ لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ ------ صرف اللہ اکیلے کی عبادت و پکار ہو ------ اور اس کے ساتھ نیک آدمیوں اور بزرگوں کی عبادت و پکار نہ ہو۔

یہی بات مشرکین مکہ نے کہی

قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے جواب میں مشرکین مکہ نے بھی یہی کہا تھا۔

أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (ص ۳۸: ۵)

کیا اس نے بہت سارے معبودوں کا صرف ایک معبود بنا دیا؟۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا:

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (الزمر ۳۹: ۴۵)

اور جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جاتا ہے (کہ معبود و مسجود اور اِلٰہ صرف اکیلا اللہ ہے، حاجت روز، اور مشکل کشا اکیلا اللہ ہے) تو منکرین آخرت کے

دِل منقبض ہوجاتے ہیں اور جب اللہ کے ساتھ اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے (انبیاء اولیاء بھی علم الغیب ہیں۔ کھوٹی قسمتیں کھری کردیتے ہیں' ان کے وسیلے سے ملتا ہے وغیرہ وغیرہ) تو وہ خوش ہوجاتے ہیں (اور نعرے لگانے لگتے ہیں)

یاد رکھیے ------ ہر دور کے مشرکین کو اللہ کے اِلٰہ اور معبود ہونے سے اِنکار نہیں تھا ------ وہ کہتے تھے اللہ بھی اِلٰہ ہے ------ اکبر ------ اور ہمارے بزرگ بھی معبود ہیں ------ اصغر ------ اور وقت کے پیغمبر کہتے تھے ------ نہیں اِلٰہ اور معبود صرف اور صرف اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

سیدنا ہُود علیہ السلام کا جواب

سیدنا ہود علیہ السلام ان کی گفتگو سن کر کہ تم ہمیں ان بزرگوں کی پوجا پاٹ سے روک رہے ہو جن کی پوجا پاٹ ہمارے باپ دادے کیا کرتے تھے (یہ مشرکین کی اپنے شرکیہ افعال و اعمال پر سب سے بھاری اور وزنی دلیل ہوتی ہے کہ ہم یہ کام اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے)

اپنے جھوٹے معبودوں ------ اور نام نہاد اِلٰہوں کی حمایت میں انھوں نے حضرت ہود علیہ السلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی' بہتان باندھے' فتوے لگائے' راستے روکے' جھگڑے کیے تب سیدنا ہود علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (اعراف ۷: ۷۱)

کیا تم مجھ سے جھگڑ رہے ہو (اپنے معبودوں) کے چند ناموں کے بارے میں ------ جو نام تم نے خود تجویز کیے اور کچھ نام تمھارے باپ دادوں نے رکھے ------ اللہ نے ان ناموں کے بارے میں کوئی سند اور دلیل نہیں اُتاری۔

کچھ مفسرین نے لکھا کہ انھوں نے اپنے معبودوں کے مختلف نام تجویز کر رکھے تھے کہ فلاں روزی دینے والا، فلاں مینہ برسانے والا اور فلاں بیٹا عطا کرنے والا علیٰ ہذا القیاس۔ (تفسیر عثمانی)

کسی کا نام انھوں نے رکھا تھا: ساقیه ------ یعنی بارش برسانے والا ------ حافظه ------ یعنی دشمن سے حفاظت کرنے والا ------ رازقه ------ یعنی روزی دینے والا ------ سالمه ------ صحت و شفا دینے والا۔

ہمارے معاشرے میں

اس کی نظیر اور مثال ہمارے معاشرے میں دیکھنی ہو ------ تو ذرا بزرگوں کے ان ناموں کو دیکھیے جو ان کے معتقدین نے ان کے لیے تجویز کیے ہیں ------ داتا ------ یعنی دینے والا ------ دستگیر ------ یعنی مددگار ------ غوث اعظم ------ یعنی سب سے بڑا فریاد رس ------ گنج بخش ------ یعنی خزانے بخشنے والا ------ لج پال ------ عزتوں کا رکھوالا ------ کوئی کھوٹی قسمتیں کھری کرنے والا ------ کوئی غریب نواز ------ کوئی گردوں سے پتھریاں نکالنے والا ------ کوئی اولاد عطا کرنے والا ------

فرمایا یہ صرف نام ہی نام ہیں ان کی حقیقت کوئی نہیں ------ اللہ نے ان کے لیے کوئی دلیل اور سند نہیں اتاری ------ یہ نام خود تم نے تجویز کیے اور کچھ کے نام تمھارے باپ دادوں نے رکھ دیے۔

قوم ہود کا ایک اور اعتراض

سیدنا ہود علیہ السلام کے اعلانِ رسالت اور پیغام نبوت کے جواب میں قوم کے سردار کہنے لگے:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ (مومنون ۲۳ : ۳۳)

یہ ہود تو تم ہی جیسا ایک آدمی ہے جو تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہے ------ اگر تم نے اپنے جیسے ایک آدمی کی اطاعت کرلی تو بس سمجھ لو کہ تم تباہ ہو گئے۔

مشرکین کو مغالطہ

ہمیشہ مشرکین نے نبوت و بشریت کو متضاد اور ضد سمجھا ہے ------ ان کا خیال رہا ہے اور اب بھی ہے کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا ----- قدیم زمانہ کے مشرکین انبیاء کو بشر مانتے تھے ----- اس بنا پر نبوت کا انکار کرتے تھے ------ اور آج کے مہربان ------ نبی مانتے ہیں ------ اس بنا پر بشریت کا انکار کرتے ہیں ------ ان کا خیال یہ رہا ہے کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا ------ اور قرآن کہتا ہے کہ نبوت و کتاب ملتی ہی صرف بشر کو ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ.

(آلِ عمران ۳ : ۷۹)

کسی بشر کو یہ لائق نہیں ------- جس بشر کو اللہ کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے ------ اور وہ بشر لوگوں سے کہتا پھرے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ نبوت صرف بشر ہی کو عطا ہوتی ہے۔

ہر قوم نے وقت کے نبی کو یہی کہا

قرآن مجید نے بیان فرمایا کہ ہر پیغمبر نے اپنے وقت میں جب قوم کے سامنے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا اور پیغام توحید سنایا تو جواب میں قوم نے کہا:

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (ابراہیم ۱۴ : ۱۰)

تو ہماری طرح ہی بشر اور آدمی ہے (اور بشر نبی نہیں ہوسکتا)

ہمارے کچھ مہربان جو نبی کو بشر کہنا ---------- نبوت کی توہین سمجھتے ہیں ----- وہ کفار کے قول سے ثابت کرتے ہیں کہ نبی کو بشر کہنا کفار کا شیوہ ہے۔ لیکن وہ حضرات اگلی آیت بیان نہیں کرتے جس میں انبیاء کرام علیہم السّلام کا جواب ذکر ہے ------ وہ آیت بیان کردیں تو ان کی دلیل ہوا میں اڑ جائے۔

انبیاء علیہم السلام نے جواب میں کیا کہا؟

مشرکین و کفار اور منکرین و مخالفین کی اس بات کے جواب میں کہ تم ہماری طرح بشر ہو ------- وقت کے نبی نے کیا کہا؟ کہ ہم ظاہری صورت میں تو بشر ہیں مگر ہماری حقیقت نور ہے؟ ------ ہم نے بشری لباس پہن رکھا ہے ------ اندر سے ہم نور ہیں؟

نہیں ہرگز نہیں ------- بلکہ ہر نبی نے جواب میں فرمایا:

اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ (ابراہیم ۱۴ : ۱۱)

اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ ہم تمھاری طرح بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کردیتا ہے۔ (چنانچہ اس نے ہم پر احسان کیا اور نبوت و رسالت کا تاج ہمارے سر پر سجا دیا)

قوم نے عذاب کا مطالبہ کردیا

سیدنا ھود علیہ السّلام مسلسل اپنی قوم کو توحید کی دعوت دیتے رہے ---- بڑی تاکید سے انھیں شرک و کفر سے روکتے رہے ----- قوم کے لچر اور فضول شبہات و اعتراضات کے مسکت جواب دیتے رہے ------- قوم نے ضد و عناد اور ہٹ دھرمی کی انتہا کردی اور برملا کہا:

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ (۲۶ : ۱۳۶)

اے ہود ----- تو ہمیں نصیحت کرے یا نہ کرے ہمارے لیے برابر ہے۔ (ہم نے تیری دعوت کو قبول نہیں کرنا)

پھر انھوں نے کہا:

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (احقاف ۴۶ : ۲۲) اے ہود ------ اگر تو سچا ہے (کہ ہم نہیں مانیں گے تو ہم پر عذاب آجائے گا) تو پھر جس عذاب سے تو ہمیں ڈراتا تھا، وہ لے آ!

سیدنا ہود علیہ السلام نے اس مطالبہ کے جواب میں فرمایا:

اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ (۴۶ : ۲۳)

اس عذاب کے وقوع کا علم (مجھے نہیں) اللہ کے پاس ہے۔

قوم جب بار بار عذاب کا مطالبہ کرنے لگی ----- حضرت ہود علیہ السلام کو جھٹلانے لگی ----- تو سیدنا ہود علیہ السلام نے جواب دیا کہ میری خیر خواہانہ نصیحت، مشفقانہ تبلیغ ------ اور پیار بھری دعوت کا تم پر رائی برابر بھی اثر نہیں ہوا ------ اور عذاب ہی مانگتے رہے۔ اگر تمھیں عذاب کا اتنا ہی شوق ہے تو وہ بھی سر پر پہنچ گیا ہے۔

قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ (۷ : ۷۱)

تمھارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) ٹھہر چکا ہے۔

عذاب کا نزول

قوم عاد کی انتہائی شرارت، اللہ کے احکام سے بغاوت، وقت کے پیغمبر کی تعلیم سے بے پناہ بغض، ان کی تبلیغ سے عناد، دعوت سے انحراف ----- سرکشی اور ہٹ دھرمی کی انتہاء -------- سیدنا ہود پر فتوے اور گالیاں ----- پیغمبر کی تکذیب و تذلیل

------ قوم عاد کا شعلوں کی طرح بھڑکنا اور بگڑنا ------- یہ سب چیزیں اور یہ سب باتیں جب اپنے انتہاء کو پہنچ گئیں تو غیرتِ حق جوش میں آئی اور اس بگڑی ہوئی، اور ہٹ دھرم قوم کو سبق سکھانے کا فیصلہ کیا۔

عذابِ الٰہی کی ابتداء خشک سالی سے ہوئی ---- بارشیں بند ہو گئیں اور زمینیں ویران ہونے لگیں ------ قوم عاد پریشان و درماندہ نظر آنے لگے ------ مشرکین گھبرائے -------- تو سیدنا ہود علیہ السلام کے دل میں ایک مرتبہ پھر ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا ---- سوچا شاید اب سمجھاؤں تو مان جائیں۔ شاید عذاب کے اس دھچکا نے ان کے دل کو نرم کردیا ہو ----- انھوں نے ایک مرتبہ پھر سمجھانا شروع کیا کہ شرک چھوڑدو اور خالص اللہ ہی کی عبادت کرو ----- دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی اسی میں ہے ----- نجات کا راستہ یہی ہے ----- مان جاؤ ورنہ پچھتاؤ گے۔

سیدنا ہود علیہ السلام کی اس آخری نصیحت اور وعظ کا قوم پر کوئی اثر نہ ہوا ----- بلکہ بغض و عناد کچھ زیادہ ہوگیا ----- مخالفت میں اور تیزی آگئی ----- تب تباہ کن اور ہولناک عذاب نے ان کو گھیر لیا -----

عذاب کی صورت اور شکل یہ بنی کہ قحط سالی تو ان پر مسلط تھی۔ بارشیں عرصہ سے بند تھیں ----- کہ اچانک ایک دن بادل اُمڈ کے آگئے ---- انھوں نے بادلوں کو اپنی زمینوں اور وادیوں کی طرف آتے دیکھا تو خوشی و مسرت سے جھوم اٹھے اور کہنے لگے۔

هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا (احقاف ۴۶ : ۲۴)

یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔

فطــرت نے آواز دی:

بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهٖ (۴۶ : ۲۴) ------ نہیں یہ برسنے والا

بادل نہیں ہے۔ یہ تو وہی عذاب ہے جسے تم جلدی مانگتے تھے۔

رِیۡحٌ فِیۡہَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ (۴۶ : ۲۴) -----

یہ آندھی اور تیز ہوا ہے جس میں دردناک عذاب چھپا ہوا ہے۔

تُدَمِّرُ کُلَّ شَیۡءٍۭ بِاَمۡرِ رَبِّہَا (۴۶ : ۲۵)

یہ عذاب اور یہ ہوا ہر چیز کو اللہ کے حکم سے تباہ کر کے رکھ دے گا۔

اس آندھی اور تیز ہوا جو اللہ کا عذاب تھا ---- اس کی تفصیل ایک اور جگہ پر اس انداز سے کی گئی۔

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُہۡلِکُوۡا بِرِیۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِیَۃٍ ۙ سَخَّرَہَا عَلَیۡہِمۡ سَبۡعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَۃَ اَیَّامٍ (الحاقہ ۶۹ : ۶-۷)

اور جو قوم عاد تھی ان کا ستیاناس کر دیا گیا۔ انتہائی تیز آندھی (ٹھنڈی سناٹے کی ہوا) اللہ نے اس تیز ہوا کو سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلسل چلائے رکھا۔

فَتَرَی الۡقَوۡمَ فِیۡہَا صَرۡعٰی ۙ کَاَنَّہُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِیَۃٍ (۶۹ : ۷)

پھر تو دیکھے کہ مر کر اس طرح گرے پڑے تھے گویا کہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔

قوم عاد کو اپنی شان و شوکت پر ناز تھا ---- انھیں اپنے قد کاٹھ پر گھمنڈ تھا ---- طویل قد ---- مضبوط جسم ---- مگر ہمارے عذاب کے سامنے ایسے بے بس نظر آئے کہ ------ اللہ کی پناہ ---- آندھی کے ایک ہی جھونکے سے گرے اور اس طرح بے حس و حرکت نظر آتے تھے جس طرح تیز آندھی سے تناور درخت گر جاتا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہاں کتنی خوبصورت بات لکھی ہے۔ یعنی وہ ہوا اتنی تیز و تند تھی جس پر کسی مخلوق کا قابو نہیں چلتا تھا۔ حتی کہ

فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مسلط ہیں ان کے ہاتھوں سے بھی وہ ہوا نکل جاتی تھی ----- اور جو قوم لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں یہ کہتے ہوئے اتری تھی مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے) وہ قوم ہماری ہوا کا مقابلہ نہ کر سکی اور ایسے گرانڈیل پہلوان ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے گویا کھجور کے کھوکھلے اور بے جان تنے ہیں جن کا سر اوپر سے کٹ گیا ہو۔

(تفسیر عثمانی سورۃ الحاقہ)

بعض مفسرین نے لکھا کہ سات راتوں اور آٹھ دنوں تک یہ تیز اور یخ بستہ ہوا اس طرح مشرکین پر چلی کہ ان کے نتھنوں سے داخل ہوتی اور ان کے پچھلے سوراخ سے نکل جاتی ----- اور ہر مشرک منہ کے بل گرتا۔

مومنین کو نجات ملی

اس عذاب سے مشرکین کو نیست و نابود کر دیا گیا اور اللہ نے اپنی رحمت سے سیدنا ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے خوش نصیب لوگوں کو نجات عطا فرما دی۔

قرآن کہتا ہے:

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا (١١ : ٥٨)

اور جب ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے ہود کو ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دے دی۔

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ تیز آندھی اور یخ بستہ ہوا ----- مسلمانوں اور کافروں دونوں پر برابر آئی ----- مگر کفار پر عذاب بن جاتی تھی اور مسلمانوں پر یہی آندھی رحمت بن جاتی تھی۔

عذاب الٰہی کے مکمل ہو جانے کے بعد ----- دنیا میں ان کی ہلاکت و بربادی کے بعد ----- کیا ان کی جان چھوٹ گئی ----- نہیں ہرگز نہیں -----

بلکہ اِرشاد ہوا :

وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ (۱۱ : ۶۰)

اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لعنت ان کے پیچھے لگی رہے گی)

واقعہ سے چند عبرتیں اور نتائج

سیدنا ہود علیہ السلام کے واقعہ اور قصہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ :

۱. دین کے داعی اور حق کے مبلغ کو وقار و متانت کا مکمل مجسمہ ہونا چاہیے ------ قوم اور لوگوں کی درشتگی، سختی، تمسخر و استہزاء، مذاق کا جواب صبر و تحمل اور ضبط سے دینا چاہیے ----- اسے لوگوں کا خیر خواہ ہونا چاہیے۔ آپ نے دیکھا کہ قوم کی سختی، تند و تیز لہجہ ----- اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ (اعراف ۷ : ۶۶) ------- تم بے وقوف اور جھوٹے ہو ---- کا جواب کتنی نرمی اور متانت و وقار سے دیا۔ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۷ : ۶۷) ------ میری قوم کے لوگو میں بے وقوف نہیں ہوں۔ البتہ رب العالمین کا رسول ہوں۔

۲. دوسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ جب بھی کوئی داعی چاہے وہ اللہ کا برگزیدہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو توحید کی دعوت دے گا ----- شرک کے افعال سے لوگوں کو روکے گا ----- ان کے کفر پر کاری ضرب لگائے گا ----- تو پھر اس کے راستے میں پھولوں کی سیج نہیں بچھے گی ----- بلکہ کانٹے ہوں گے ---- مخالفت ہوگی، مذاق اڑائے جائیں گے، فتوے لگیں گے، پھبتیاں کسی جائیں گی اور مصائب و تکالیف کا سامنا

کرنا پڑے گا۔

۳ تیسری بات یہ سمجھ آئی کہ ہمیشہ سے مشرکین اپنے شرکیہ افعال پر اپنے باپ دادے کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں ----- کہ ہم یہ کام اس لیے کر رہے ہیں کہ ہمارے وڈیرے یہی کچھ کیا کرتے تھے۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ

سیدنا صالح علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ اَوْفُوْا عَهْدَهٗ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الآیۃ) ---- (۱۱ : ۶۱) (صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ)

سامعین گرامی قدر! گزشتہ خطبۂ جمعۃ المبارک میں سیدنا ہود علیہ السلام کا واقعہ اور قصہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ---- یہ بات بھی آپ نے سن لی کہ سیدنا ہود علیہ السلام کی قوم (عاد) نے جب اللہ کی نافرمانی کی ----- اور سیدنا ہود علیہ السلام کے پیغام کو نہ مانا، اور شرک کو نہ چھوڑا ---- اور بت پرستی سے باز نہ آئے تو ان پر اللہ کا عذاب تیز آندھی کی صورت میں نازل ہوا ---- سیدنا ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو اللہ ربّ العزت نے اس عذاب سے بچایا ---- اور یہی لوگ دُنیا میں باقی رہ گئے ------ سیدنا نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد ---- جس طرح دُنیا کفر و شرک سے پاک ہوگئی تھی ---- اب دُنیا ایک مرتبہ پھر کفر و شرک سے پاک ہوگئی۔

قومِ ثمود قوم عاد کی تباہی و بربادی اور ہلاکت کے بعد قوم ثمود ---- دنیا میں آباد ہوئی ---- قوم ثمود کی بستی اور شہر کا نام حجر

تھا ----- قرآن مجید کی ایک پوری سورت اسی نام سے موسوم ہے۔ یعنی سورت الحجر ----- فرمایا:

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ (حجر ۱۵ : ۸۰) ----- حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔

(اصحاب الحجر نے تکذیب تو صرف ایک نبی سیدنا صالح علیہ السلام کی کی تھی ----- مگر ایک نبی کی تکذیب ----- تمام پیغمبروں کی تکذیب کے برابر ہے ----- اس لیے فرمایا: وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ)

حجر کی یہ بستی حجاز سے شام کی طرف جائیں تو راستے میں آتی ہے ----- آج کل اس کا نام فج الناقہ ہے ----- یہ بستی جب عذاب کے بعد کھنڈرات میں تبدیل ہوئی ----- تو ان کھنڈرات کو عبرت کے لیے باقی رکھا گیا ----- آج بھی لوگ مدینہ منورہ سے تبوک کی طرف جائیں تو راستے مین اس بستی کو بطور عبرت کے دیکھتے ہیں۔

تحقیقی اور صحیح بات یہ ہے کہ قوم ثمود ----- عاد ہی کا بقیہ ہیں ----- اس لیے سیدنا ہود علیہ السلام کی قوم کو عادِ اولیٰ کہا جاتا ہے اور قوم ثمود کو عادِ ثانیہ کہتے ہیں۔

قرآن مجید اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود ----- مالدار اور صاحب ثروت قوم تھی ----- یہ لوگ فن تعمیر میں بڑی مہارت اور ید طولیٰ رکھتے تھے ----- بڑی بڑی عمارتیں، مکان، اور محلات بنایا کرتے تھے ----- سردیوں میں رہنے کے لیے مکان الگ جگہ پر تعمیر کرتے اور گرمیاں کسی اور علاقے میں بسر کرتے تھے ----- یہ لوگ فن تعمیر میں ایسے مشاق تھے کہ پہاڑ کو کھود کر شاندار مکان بنایا کرتے تھے۔

قرآن نے اسے بیان فرمایا:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا۔ (اعراف ۷: ۷۴)

(سیدنا صالح علیہ السلام نے قوم کو سمجھاتے ہوئے اور تبلیغ کرتے ہوئے انعامات الٰہی یاد دلاتے کہ) اللہ کے انعامات کو یاد کرو کہ اللہ تمھیں قوم عاد کے بعد ان کا جانشین بنایا۔ اور زمین میں تمھیں اس طرح بسایا کہ نرم زمین (یعنی میدان) میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر اپنا گھر بنا لیتے ہو۔

قومِ ثمود کا مذہب

قوم عاد کی ہلاکت و بربادی کے بعد ---- وہی لوگ باقی رہ گئے تھے جو موحد اور مومن تھے ---- جنھوں نے سیدنا ہود علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرلیا تھا ---- مگر ابلیس اپنے دعویٰ کو سچا ثابت کرنے کے لیے ان کی تاک میں تھا ---- چنانچہ وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوا ------ اور اولاد آدمؑ کو ایک مرتبہ پھر شرک کی طرف مائل کردیا ------ اور اس طرح اہل ثمود اپنے پیش رؤوں کی طرح بت پرستی کی مرض میں مبتلا ہوگئے ---- وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و پکار کے علاوہ بہت سارے معبودانِ باطلہ کے پجاری بھی بن گئے ---- وہ اللہ کو سجدہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے معبودوں کو بھی مسجود ماننے لگے ---- غیر اللہ کی پجاری اس قوم کی اصلاح کے لیے اور انھیں صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کے لیے ---- احقاقِ حق کے لیے ان ہی کی برادری اور قبیلہ میں سے سیدنا صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا ------ تاکہ وہ انھیں سمجھائیں ------ تاکہ وہ انھیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں ---- اور انھیں انعامات الٰہی اور اللہ کے احسان یاد دلائیں ---- جن انعامات اور نعمتوں سے وہ صبح و شام فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ اور سیدنا صالح علیہ السلام ان پر واضح کریں کہ اس کائنات کی ہر شئے ---- اس کائنات کا ایک ایک ذرہ ---- اور درخت کا ایک ایک پتا ------ اور

سمندر و دریاؤں کا ایک ایک قطرہ ------ اور گھاس کا ایک ایک تنکا ------ اللہ کی وحدانیت و الوہیت اور معبودیت پر دلیل اور برہان ہے ---- یہ پوری کائنات اللہ کی توحید پر گواہ ہے ------ وہ قوم کو بتائیں کہ عبادت و پرستش کے لائق ------ مصائب میں پکار کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے ----- یہ جبین صرف اللہ کے سامنے جھکنی چاہیے ----- مال میں سے حصہ (نذر نیاز) صرف اسی کے نام پر نکالنا چاہیے ----- چنانچہ :

سیدنا صالح علیہ السلام کا پیغام

سیدنا صالح علیہ السلام نے قوم کے سامنے اپنی دعوت کو اس انداز سے پیش فرمایا۔

قرآن کہتا ہے :

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ (۱۱ : ۶۱)

ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی (ہم قبیلہ و برادری) صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انھوں نے (پیغام سناتے ہوئے) کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو----- اس کے علاوہ تمھاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے۔

ذرا غور کیجیے ----- یہاں ایک دو باتیں سمجھانے کے لیے بیان کرنا چاہتا ہوں ----- سنا آپ نے کہ اللہ رب العزت نے سیدنا صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کا بھائی کہا ہے ----- سیدنا ہود علیہ السلام کا واقعہ دیکھیے ----- وہاں بھی انھیں قوم عاد کا بھائی کہا گیا----

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ (۱۱ : ۵۰)

اسی طرح سیدنا شعیب علیہ السلام کو بھی مدین میں رہنے والوں کا بھائی کہا

گیا ---- اِرشاد ہوتا ہے:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (۱۱: ۸۴)

ان تین مقامات پر ---- وقت کے نبی کو ---- قوم کا بھائی کہا گیا ---- اور قوم بھی مشرک اور کافر ------ کیا اس میں اللہ کے نبی کی توہین اور گستاخی ہو گئی ہے؟

ہرگز ہرگز نہیں -----

شاہ اسماعیل شہیدؒ پر فضول اعتراض

تو پھر شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ پر یہ اعتراض ---- اور یہ طعن کیوں ہے کہ انھوں نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کا بھائی کہہ دیا ہے ---- اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی اور توہین کی ہے۔

حالانکہ شاہ اِسماعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ------ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں لِکھا ---- بلکہ ایک حدیث کا ترجمہ کیا ہے۔ شاہ شہید دہلویؒ لکھتے ہیں:

مِشکوٰۃ کے باب عشرۃ النساء میں لِکھا ہے کہ امام احمد نے ذکر کیا کہ بی بی عائشہؓ نے نقل کیا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار میں بیٹھے تھے کہ ایک اونٹ آیا اور اس نے پیغمبرِ خدا کو سجدہ کیا ---- یہ دیکھ کر اصحاب کہنے لگے ---- اے پیغمبرِ خدا آپ کو جانور اور درخت سجدہ کرتے ہیں ---- پھر ہمیں بھی چاہیے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔

آپؐ نے جواب میں فرمایا: ------ اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَ اَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ۔ بندگی کرو اپنے رب کی اور تعظیم کرو اپنے بھائی کی۔ (تقویت الایمان)

آپ کے اس ارشاد کا مطلب اور مفہوم یہ تھا کہ سجدہ عبادت ہے ---- اور عبادت صرف اور صرف اپنے رب کی کرو ---- اور اپنے بھائی (یعنی میرا) احترام و عزت اور تعظیم و تکریم کرو ---- اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں ------ کہ آپؐ کا ارشاد جو عربی میں تھا ---- شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اس کا اردو میں ترجمہ کردیا ہے --- کیا ترجمہ کرنا جرم ہے؟ --- اور یوں وہ مجرم بن گئے ہیں۔

ایک لطیفہ

اس کی مثال تو بالکل ویسی ہے ------ کہ ایک پیر صاحب کی مجلس میں ایک مرید اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہوا ---- پیر صاحب نے اس سے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ ---- اس نے انتہائی ادب و احترام سے اور دھیمے انداز میں جواب دیا ---- آپ کا سگ زادہ ہے ---- پیر صاحب ذرا اونچا سنتے تھے ---- پوچھنے لگے کیا کہا؟ ---- اس مرید نے پھر کہا۔ آپ کا سگ زادہ ہے۔ پیر صاحب نے پھر بھی نہ سمجھا اور پوچھنے لگے کیا کہہ رہا ہے؟ ---- وہاں ایک مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے ---- انھوں نے زور سے کہا ---- جی یہ کہہ رہا ہے: ---- آپ کے کتے کا بچہ ہے ----- اس مرید نے سنا تو آپے سے باہر ہو گیا ---- اور مولوی صاحب کے گریبان کو پکڑ لیا کہ تو نے اسے کتے کا بچہ کیوں کہا؟۔

پیر صاحب پریشان ہو کر پوچھنے لگے ---- بھائی کیا ہوا۔ کچھ مجھے بھی بتاؤ ----- مولوی صاحب نے کہا: حضرت! یہ فارسی میں کہہ رہا تھا: آپ کا سگ زادہ ہے ---- میں نے اُردو میں اس کا ترجمہ کردیا ---- بس میرا جرم صرف اِتنا ہے۔

لوگو! شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ کا جرم اور قصور بھی صرف اتنا ہے کہ انھوں نے آپؐ کے ایک ارشادِ گرامی کا ترجمہ کیا ہے۔ اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَ اَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ۔

ایک اور حدیث

آئیے آپ کو ایک اور حدیث سناؤں۔ تاکہ مسئلہ نکھر کر سامنے آجائے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابۂ کرامؓ کے ساتھ قبرستان تشریف لائے اور اپنے صحابہؓ سے فرمایا:

وَدِدْتُ اَنَا قَدْ رَاَیْنَا اَخْوَانَنَا ------ میرا دل کرتا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتے۔ صحابہ کرام کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا ---- کہ آپؐ ہمیں دیکھ چکے ہیں۔ پھر آپؐ کن بھائیوں کو دیکھنے کی تمنا اور آرزو فرما رہے ہیں ----

صحابۂ کرامؓ کہنے لگے:

اَوَلَسْنَا اِخْوَانَكَ یَا رَسُوْلَ اللهِ ------ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ اور آپ ہمیں دیکھ چکے ہیں ------ پھر آپؐ کن بھائیوں کے دیکھنے کی تمنا کر رہے ہیں؟۔

آپؐ نے صحابۂ کرامؓ کے جواب میں فرمایا:

اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ وَاِخْوَانُنَا الَّذِیْنَ لَمْ یَأْتُوْ بَعْدُ

تم تو میرے دوست اور ساتھ ہو اور میرے بھائی وہ ہوں گے جو ابھی اس دنیا میں نہیں آئے ---- میرے بعد آئیں گے ---- نہ وہ مجھے دیکھیں گے اور نہ میں انھیں دیکھ پاؤں گا ----- وہ بن دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے ----

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ سن کر کہا:

کَیْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ یَأْتِ بَعْدُ مِنْ اُمَّتِكَ۔

آپؐ کی امت کے جو لوگ ابھی تک دنیا میں آئے ہی نہیں (آپؐ کی وفات کے بعد آئیں گے) آپؐ انھیں قیامت کے دن کس طرح پہچانیں گے؟

ایک اور مسئلہ حل ہو گیا

صحابۂ کرامؓ کے اس سوال سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ کا عقیدہ

اور نظریہ یہ تھا کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ------ نہ تو عالم الغیب ہیں اور نہ ہی حاضر و ناظر ہیں ----- اور وفات کے بعد آنے والوں کو دیکھنا ----- یا ان کے حالات کو جاننا ----- یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے ----- لوگو! اگر صحابۂ کرامؓ کا عقیدہ ہوتا کہ آپؐ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں ----- آپؐ عالم الغیب ہیں ----- اور آپ سے کوئی بات مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے ----- تو وہ یہ سوال ہرگز ہرگز نہ کرتے کہ جو آپ کے امتی ابھی تک دُنیا میں نہیں آئے آپؐ ان کو کیسے پہچانیں گے؟

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس سوال کے جواب میں آپؐ نے یہ نہیں فرمایا ----- کہ کیسی باتیں کرتے ہو ----- تم نہیں جانتے کہ میں حاضر و ناظر ہوں ----- تم نہیں جانتے کہ میں اپنے ہر امتی کے حال سے واقف ہوں ---- یہ نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا:

ایک جگہ پر مشکی ----- کالے رنگ کے گھوڑے کھڑے ہوں اور ان میں ایک آدمی کا پنج کلاں گھوڑا (جس گھوڑے کا ماتھا ---- اگلے پاؤں اور پچھلے پاؤں سفید ہوں) کھڑا ہو ----- تو کیا اس شخص کو اپنا پنج کلاں گھوڑا شناخت کرنے میں کوئی مشکل اور دشواری ہوگی؟ ----- صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا ---- ہرگز نہیں ---- آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کے جو لوگ ہوں گے ان کے وضو والے اعضاء (ہاتھ کہنیوں تک، پاؤں ٹخنوں تک، مُنہ) وضو کرنے کی وجہ سے چمک رہے ہوں گے ----- میں اس علامت سے اپنی امت کے لوگوں کو پہچان لوں گا۔

(جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ----- وہ یقیناً وضو بھی نہیں کرتے ----- وہ سوچ لیں کہ انھوں نے کل قیامت کے دن ----- اپنی شناخت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح کروانی ہے اور اگر آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

شناخت ہی نہ کیا تو جامِ کوثر اور شفاعت کس طرح نصیب ہوگی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد آنے والی امت کو اپنا بھائی فرمایا۔

ایک اور دلیل

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ جانے لگے ---- تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

اے میرے بھائی اپنی دعاؤں میں مجھے فراموش نہ کرنا۔

(اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زندہ شخص سے دعا کی درخواست کی جاسکتی ہے ------ نیز یہ ضروری نہیں کہ کم مرتبے والا اپنے سے اعلیٰ و افضل کو درخواست کرے، بلکہ اونچے درجے والے شخص کو بھی چاہیے کہ کبھی کبھی اپنے سے ادنیٰ اور کم درجے والے شخص کو دعا کی درخواست کرے)

دیکھا آپ نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی فرمایا۔

سیدنا صالح علیہ السلام کا پیغام

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ پر ہونے والے اعتراض کے جواب میں بات ذرا طویل ہو گئی ------ واپس پلٹیے ---- سیدنا صالح علیہ السلام نے اپنی بت پرست اور شرک کے تعفن میں مبتلا قوم کو وہی پیغام دیا جو ان سے پہلے سیدنا نوح علیہ السلام اور سیدنا ہود علیہ السلام اپنی اپنی قوم کو دے چکے تھے اور جو پیغام سیدنا صالح علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو دیا۔ یعنی ---- اُعْبُدُوا اللّٰہَ ---- عبادت و پکار کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے ---- مسجود و معبود صرف وہی ہے ----- مالک و مستعان صرف وہی ہے ------ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ------ لوگو! میری دعوت اور میرا پیغام صرف

اتنا نہیں ہے کہ اللہ کی عبادت و پکار کرو ---- بلکہ میرا پیغام یہ بھی ہے کہ اللہ کے سوا اِلٰہ اور معبود اور کوئی نہیں ---- اس کے سوا مسجُود و مُستعان اور کوئی نہیں ---- اس کے سوا دوسرا کوئی نہیں کہ نفع و نقصان اس کے ہاتھ میں ہو ---- یا وہ مُشکل کشا اور حاجت روا ہو۔

دعویٰ پر دلیل پھر سیدنا صالح علیہ السلام نے اپنے اس دعوے پر عقلی دلیل پیش فرمائی۔ هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا۔ (۱۱ : ۶۱)

اس اللہ کی عبادت کرو (جس نے) تم کو زمین سے پیدا کیا ---- اور اس میں تم کو آباد کیا۔ زمین سے پیدا کیا ---- مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق؟؟ کو سیدنا آدم علیہ السلام کی صلب سے پیدا کیا اور آدم کو زمین سے یعنی مٹی سے بنایا۔

یا مطلب یہ ہے کہ انسان منی کے قطرہ سے بنتا ہے ---- منی خون سے بنتی ہے اور خون غذا سے پیدا ہوتا ہے ---- اور ہر قسم کی غذا زمین سے حاصل ہوتی ہے ---- تو ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے ---- یعنی زمین سے پیدا کیا ہے۔

جو اللہ اتنا قادر اور قدیر ہے کہ مٹی سے اتنا خوبصورت اور حسین انسان بنا دیتا ہے تو پھر عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔

وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا ---- اس اللہ نے تمھیں زمین سے پیدا کر کے اسی زمین میں آباد کیا اور بسایا ---- انسان کو زندگی گزارنے ---- اور زندہ رہنے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ سب مُہیا کر دیں ---- سورج کی آتشیں کرنیں عطا کیں، چاند کی روشنی بخشی، ستاروں کے جگمگانے سے راہنمائی دی ---- فصلوں کے لیے بارش برسائی ---- رہنے کے لیے مکان دیے، سائے کے لیے درخت اگائے ---- پانی کے لیے نہریں اور چشمے جاری کیے۔

کچھ علماء نے وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا کا معنی کیا ہے ----- اللہ
تمھاری عمریں لمبی اور طویل کیں ----- کہتے ہیں کہ قوم ثمود کی عمریں تین سو
سے لے کر ایک ہزار سال تک تھیں۔
سیدنا صالح علیہ السلام کی اس عقلی دلیل کا مقصد یہ تھا کہ ----- یہ سب
کام (مٹی سے انسان کو بنانا۔ پھر زمین میں آباد کرنا) تو اللہ نے کیے ہیں ----
تمھارے معبودوں اور مشکل کشاؤں نے ان میں سے کون سا کام کیا ہے ----
کہ تم ان کی پکار و عبادت میں مشغول ہو گئے ہو ----- غیر اللہ کی عبادت و پکار
چھوڑ دو اور صرف اللہ ہی کی عبادت کرو۔
پھر سیدنا صالح علیہ السلام نے فرمایا ----- فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا
اِلَيْهِ (۱۱ : ۶۱) ----- اگر زمین سے تمھیں پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے -----
اور اگر زمین میں تمھیں بسانے اور آباد کرنے کے تمام وسائل و اسباب مہیا
کرنے والا وہی ہے تو پھر ----- جو کچھ آج تک شرک کر چکے ہو، اس کی
بخشش طلب کرو اور آئندہ کے لیے اپنے کریم رب سے وعدہ اور عہد کرو کہ
ہمیشہ تیری ہی عبادت کریں گے ---- اور تیری عبادت و پکار میں کسی کو بھی
شریک اور ساجھی نہیں بنائیں گے۔

اِنَّ رَبِّىْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ۔ (۱۱ : ۶۱)

میرا رب قریب ہے۔ (ہر ایک کی دعا) قبول کرنے والا ہے۔
سیدنا صالح علیہ السلام اپنی دعوت و تبلیغ میں اپنی قوم کو یہ باور کروانا چاہتے
ہیں ----- اور انھیں یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کے لیے کسی واسطے،
وسیلے اور طفیل کی ضرورت نہیں ----- اللہ کے حضور اپنی درخواستیں پیش
کرنے کے لیے اللہ کے نیک بندوں کے وسیلے تلاش کرنے کی قطعاً حاجت
نہیں ہے -----

کیونکہ وہ ہر ایک کے نزدیک اور قریب ہے اور ہر ایک کی درخواست و گزارش کو ----- اور دعا کو براہ راست سنتا اور قبول کرتا ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ سیدنا صالح علیہ السلام نے اپنی تبلیغ ----- اور اپنی دعوت ----- اور اپنے پیغام میں یہ بھی فرمایا کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت اور مزدوری نہیں مانگتا ----- میرا اجر اور بدلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

تم کیا سمجھتے ہو کہ ہمیشہ اسی عیش و آرام میں رہو گے ----- یہ مکانات و باغات، یہ چشمے اور کھیتیاں ----- یہ کھجوریں اور پہاڑوں میں مضبوط محل ----- یہ ہمیشہ رہنے کے لیے ہیں۔ (دیکھیے سورۃ الشعراء آیت ۱۴۲ تا ۱۵۲)

ایک اہم بات

سورت نمل میں جب سیدنا صالح علیہ السلام کی دعوت و پیغام کا تذکرہ فرمایا تو ایک عجیب بات فرمائی ----- ذرا سُنیے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ (۲۷ : ۴۵)

ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا (انھوں نے پیغام دیا) کہ اللہ کی عبادت کرو تو وہ دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:

----- یعنی ایک ایمان والے اور ایک منکر جیسے مکہ کے لوگ پیغمبر کے آنے سے جھگڑنے لگے۔

اللہ رب العزت کے اس فرمان سے ----- اور سیدنا صالح علیہ السلام کی تبلیغ کے نتیجے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جب بھی توحید بیان ہوگی ----- اور جب بھی شرک کی مذمت و تردید ہوگی ----- چاہے بیان کرنے والا اللہ کا

پیغمبر ہی کیوں نہ ہو ----- تو قوم اور شہر کے لوگ مُتفق اور مُتحِد نہیں رہ سکتے ---
بلکہ قوم دو حصوں میں تقسیم ہوجائے گی۔ اور آپس میں جھگڑا اور اختلاف شروع
ہوجائے گا ----- اور ظاہر بات ہے اس اختلاف اور جھگڑے میں قصور وقت
کے پیغمبر کا نہیں ہوتا تھا ----- بلکہ انتشار و اختلاف ----- اور جھگڑے کی
تمام تر ذمہ داری مشرکین پر ہوتی تھی۔

آج بھی اگر توحید کے بیان کرنے سے ----- اور شرک کے خلاف
آواز اٹھانے سے ----- لوگوں کے مابین جھگڑا اور اختلاف ہونے لگے تو
قصوروار ----- توحید بیان کرنے والا مبلغ نہیں بلکہ تمام تر قصور ان کا ہوگا جو
قرآن و سنت کے خلاف شرکیہ عقیدہ اپنائے ہوئے ہیں۔

آج ایک اصطِلاح عام ہو گئی ہے ----- اور زبان زد عام ہو گئی ہے
----- فرقہ داریت ----- کہ مولوی فرقہ داریت پھیلا رہا ہے ----- مگر جس
طرح عالمی بدمعاش آج تک دہشت گردی، بنیاد پرستی اور انتہا پسندی ----- کی صحیح
تعریف اور صحیح مفہوم بیان نہیں کرسکے ----- اسی طرح فرقہ داریت، فرقہ
داریت کی رٹ لگانے والے بھی فرقہ داریت کا صحیح مفہوم واضح نہیں کرسکے کہ
فرقہ داریت کہتے کس کو ہیں؟

فرقہ داریت کیا ہے؟

یاد رکھیے توحید کو بیان کرنا، اللہ کی
معبودیت کو واضح کرنا، اور شرک کے
خلاف بھرپور آواز اٹھانے کا نام فرقہ داریت نہیں ہے ----- بلکہ یہ تو عین دین
ہے ----- قرآن و سنت کا منشاء ہے ----- ہاں شرک کی تبلیغ کرنا فرقہ داریت
ہوگا ----- کیونکہ یہ قرآن و سنت کے خلاف ہے۔

اسی طرح امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سیرت و سنت کو بیان کرنا فرقہ
داریت نہیں بنے گا ----- بلکہ بدعت کی ترویج اور بدعت کے افعال و اعمال

کو بجالانا فرقہ واریت ہوگا۔

اسی طرح ختم نبوت کو بیان کرنا ----- جھوٹے مدعیانِ نبوت کے خلاف آواز اٹھانا فرقہ واریت نہیں ہوگا ------ بلکہ نبوت کا دعویٰ کرنا ---- جھوٹے مدعی نبوت کو ماننا ---- فرقہ واریت کے زمرے میں آئے گا۔

اسی طرح عظمتِ اصحابِ رسُول کو بیان کرنا فرقہ واریت نہیں ہوگا ---- کیونکہ صحابۂ کرامؓ کی عظمت تو خود قرآن نے بیان فرمائی ہے اور نبی آخر الزمانؐ نے بیان فرمائی ہے ----- ہاں اصحابِ رسُول پر تنقید و تبرا فرقہ واریت سمجھا جائے گا۔

قوم کا جواب

سیدنا صالح علیہ السلام کی پُر خلوص دعوت ----- اور خیر خواہی کے جذبہ سے تبلیغ ---- اور پیغامِ توحید کے جواب میں قوم کے وڈیروں اور سرداروں نے کئی طرح کی باتیں کیں۔

کبھی کہتے -----

يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ (۱۱ : ۶۲)

اے صالح اس سے پہلے ہم تجھ سے بڑی امیدیں رکھتے تھے۔ پھر کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ ان معبودوں کی پوجا نہ کریں جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں۔

مرکزِ امید

قوم کہتی ہے ہم تو تجھے مرکزِ امید سمجھتے تھے ----- ہماری تو بڑی امیدیں تم سے وابستہ تھیں (مگر یہ اچانک تجھے کیا ہو گیا کہ باپ دادا کے مذہب و عقیدے سے بغاوت کر دی)

اللہ کا پیغمبر ماں کی گود سے لے کے لحد میں جانے تک معصوم عن الخطا والعصیان ہوتا ہے ----- اس سے کسی قسم کا گناہ سرزد نہیں ہوتا -----

سیدنا صالح علیہ السلام بھی بچپن سے انتہائی عقل مند، زیرک اور ذہین تھے ---- بہت سمجھ دار اور دانا، معاملہ فہم اور صاحب فراست تھے ---- بڑے فراخ دل اور حلیم تھے ------ بڑے مہمان نواز اور دیانت دار تھے ----- غریبوں کی خیر خواہی کرتے ---- مظلوموں کا سہارا بنتے ----- با اخلاق، مؤدب، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام کرنا ---- تکبر سے دوری، عاجزی و انکساری ----- یہ سب خوبیاں اور اوصاف حضرت صالح علیہ السلام میں موجود تھے ----- لوگ سمجھتے تھے کہ یہ نوجوان قوم کی بہتری اور ترقی میں اور باپ دادے کا نام روشن کرنے میں ------ ہماری امیدوں کا مرکز بنے گا۔

مگر اس نے اچانک یہ کیا کہنا شروع کر دیا کہ اللہ کے سوا الٰہ اور معبود اور کوئی نہیں ------ اللہ کے سوا سجدوں اور نذر و نیاز کے لائق اور کوئی نہیں ----- یہ تو ہمیں اپنے آباء و اجداد کے عقیدے و مذہب سے ہٹانا چاہتا ہے۔

(یاد رکھیے ! مشرکین کے پاس اپنے شرکیہ اعمال اور غیر شرعی افعال کے لیے ایک ہی دلیل ہوتی ہے کہ یہ کام ہم اس لیے کر رہے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے)

قوم کے لوگ کہنے لگے جس مسئلہ توحید کی دعوت تم دے رہے ہو اور جس مسئلے کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو ------ وہ ہمارے دل میں اتر نہیں رہا ہے ---- ہمارا دل اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

قوم کا دوسرا جواب

سیدنا صالح علیہ السلام کی سیدھی سادھی اور واضح دعوت کے مقابلے میں کبھی کہتے:

قَالُوٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

(۲۶ : ۱۵۳۔۱۵۴)

تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے ------ (یعنی مجنون ہے) تو بھی ہماری طرح ایک بشر ہے۔

قرآن نے ایک اور جگہ پر ان کے جواب کو اس طرح ذکر فرمایا:

أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ (۵۴ : ۲۴)

کیا ایک آدمی جو ہم میں سے ہے، کیا ہم اس کی پیروی اور اتباع کریں۔

(یاد رکھیے! ہمیشہ سے مشرکین اس غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں کہ نبوت اور بشریت متضاد چیزیں ہیں ----- بشر کو نبوت نہیں مل سکتی، یا نبی بشر نہیں ہو سکتا)

قوم کا تیسرا جواب

سیدنا صالح علیہ السلام کی دعوتِ توحید اور تبلیغ حق سے جب شہر کے لوگ مذہبی طور پر انتشار کا شکار ہو گئے ----- چند لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرلیا ---- اور کچھ نے قبول نہ کیا -------

فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ (۲۷ : ۴۵)

جھگڑے اور لڑائیاں شروع ہوئیں تو قوم کے شرارتی کہنے لگے:

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَن مَّعَكَ (۲۷ : ۴۷)

ہم نے تجھے اور تیرے ساتھیوں کو منحوس قدم دیکھا۔

یعنی قوم انتشار و اختلاف کا شکار ہو گئی ہے ----- یہ سب تمہاری نحوست و بدبختی ہے۔ (العیاذ باللہ)

معجزے کا مطالبہ

قوم کے سردار اور رؤسا ----- مختلف قسم کے ذرائع سے سیدنا صالح علیہ السلام کی تکذیب کرتے رہے ----- وہ ہر قسم کی خوشحالی، آرام اور خوش عیشی ----- پر بجائے شکر گزار بننے کے ----- کفران نعمت کرتے رہے ----- وہ سیدنا صالح علیہ السلام کے سمجھانے ----- اور نصیحت کرنے کے جواب میں کہتے ----

اگر ہم غلط راستے پر ہوتے ------ اگر ہم گمراہ ہوتے ------ اگر ہم اللہ کے پسندیدہ طریقے پر نہ ہوتے ----- تو آج ہمیں یہ خوشحالی نصیب نہ ہوتی ----- یہ دولت، یہ مال کی فراوانی، یہ سرسبز و شاداب باغات، یہ سونے اور چاندی کے خزانے، یہ بلند و بالا اور عالی شان مکان اور محل۔ یہ طرح طرح کے میوے اور گوں نہ گوں پھل اور ثمرات ہمیں نصیب نہ ہوتے ---- وہ کہتے تھے ---- اے صالح! ذرا تو اپنے آپ کو دیکھ ----- ذرا اپنی مالی حالت کو دیکھ ----- ذرا اپنے پیروکاروں کو دیکھ ---- اور ان کی تنگ حالی اور غربت و مسکینی دیکھ اور فیصلہ کر کہ اللہ کے محبوب، پیارے اور مقبول بندے کون ہیں؟ ہم عیش و عشرت میں رہنے والے یا تم غربت و مسکینی کے مارے ہوئے۔

سیدنا صالح علیہ السلام ان کے اس لچر اور بے ہودہ استدلال کے جواب میں فرماتے:

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ○ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ○ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ○ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ○ (۲۶ : ۱۴۶۔۱۵۰)

تم اپنی اس خوش حالی اور مالداری پر نہ اتراؤ ----- اور دولتِ دنیا پر مغرور ہو کر اللہ اور اس کے رسُول کا مذاق نہ اڑاؤ ------- یہ مال و دولت ---- یہ دنیا کا سامان ہمیشہ نہیں رہے گا ------ یہ باغات اور چشمے، یہ کھیتیاں اور کھجور کے درخت ---- کیا تم نے ان نعمتوں میں ہمیشہ رہنا ہے؟۔

دولتِ دنیا پر مغرور ہو کر حق اور سچ کا انکار نہ کرو۔

سیدنا صالح علیہ السلام کی سرکش اور عنادی قوم نے سیدنا صالح علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور ان کی دعوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ----- اور جواب میں کہنے لگے:

فَأْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (شعراء ۲۶ : ۱۵۴)
اگر تم (اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہو) تو کوئی نشانی پیش کرو۔
سیدنا صالح علیہ السلام نے دربارِ الٰہی میں دعا کی اور قبولیت کے بعد اپنی قوم سے فرمایا:

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (۷ : ۷۳)
یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمھارے لیے (ایک فیصلہ کن) نشانی ہے۔
نَاقَةُ اللّٰهِ ----- اللہ کی اونٹنی ----- اضافت تشریفی ہے۔ جیسے بیت اللہ ----- اللہ کا گھر ----- روح اللہ ----- اللہ کی روح ----- یا مراد یہ ہے کہ یہ اونٹنی اللہ کے نام پر چھوڑی ہوئی ہے ----- جہاں چاہے پھرتی رہے ----- چرتی رہے ----- پیتی رہے، اسے کچھ نہ کہو۔
تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ ----- نَاقَةُ اللّٰهِ ----- (اللہ کی اونٹنی) ----- اَرْضُ اللّٰهِ (اللہ کی زمین) سے کھاتی رہے۔
لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۔ (۲۶ : ۱۵۵)
اس اونٹنی کے لیے پانی پینے کی ایک باری ہے اور تمھارے پانی کے لیے ایک باری ہے (یعنی ایک دن کنویں سے اونٹنی پانی پیے گی ----- اس دن تمام لوگ اس اونٹنی کے دودھ سے سیراب ہوں گے اور ایک دن تم اور تمھارے چوپائے پانی پییں گے)
وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۷ : ۷۳)
اس اونٹنی کو بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا، ورنہ دردناک عذاب میں جکڑے جاؤ گے۔

سورۃ ہود میں فرمایا ----- بری نیت سے اس اونٹنی کو چھونا بھی نہیں ہے ----- ورنہ فوراً اور جلدی عذاب تمھیں آ پکڑے گا۔

سورۃ شعراء میں فرمایا ------

فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ (۲۶ : ۱۵۶)

------ ورنہ بڑے دن کا عذاب تمھیں پکڑ لے گا۔

ایک اہم بات

قرآن مجید نے اس اونٹنی کو نَاقَةُ اللهِ ------ اللہ کی اونٹنی کہا ہے۔ یوں تو ساری مخلوق اور کائنات کی ہر چیز اللہ ہی کی ہے مِلکِیَّت ہے ---- مگر اس اونٹنی کو خاص طور پر نَاقَةُ اللهِ ------ اس لیے کہا گیا کہ قوم ثمود نے اس کو ایک نشانی اور معجزے کے طور پر طلب کیا تھا۔

یاد رکھیے ---- جس قدر میں نے بیان کیا ہے ---- یہ قرآن کی مختلف آیات سے ثابت ہے --- اس سے زائد جو کچھ بھی مُفسّرین نے نقل فرمایا ہے ----- اس کا دار و مدار ---- ایسی احادیث سے ہے جو خبر واحد کا درجہ رکھتی ہیں ----- حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اعراف کی تفسیر میں بڑی تفصیل کے ساتھ نَاقَةُ اللهِ کے وجود میں آنے کی روایات کو تاریخی حَیثیت سے درج فرمایا ہے۔

سامعین گرامی ! میں ان روایات کو بھی آپ کے سامنے بیان کردیتا ہوں تا کہ واقعۂ قومِ ثمود تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آجائے۔

قوم نے سیدنا صالح علیہ السلام سے اپنی صداقت و سچائی کے لیے کوئی معجزہ اور نشان طلب کیا ---- سیدنا صالح علیہ السلام نے ان ہی سے دریافت فرمایا کہ وہ کس قسم کا معجزہ اور نشان چاہتے ہیں ---- قوم نے مطالبہ کیا کہ سامنے والے پہاڑ میں سے ایک ایسی اونٹنی ظاہر ہو جو گابھن ہو اور پہاڑ سے برآمد ہو کر بچہ جن دے۔

سیدنا صالح علیہ السلام نے اللہ کے دربار میں دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے

ان کی دعا کو قبول فرما کر ان کا مُنہ مانگا معجزہ ظاہر فرما دیا۔

سیدنا صالح علیہ السلام نے معجزہ کے اس طرح ظاہر ہونے کے بعد قوم کو بڑی سختی کے ساتھ تنبیہ کی کہ یہ معجزہ اور یہ نشانی تمھارے طلب کرنے اور مانگنے پر بھیجی گئی ہے ----- اب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ پانی پینے کی باری مقرر ہو ------ ایک دن اس اونٹنی کے لیے ہوگا اور ایک دن پوری قوم اور ان کے چوپاؤں کے لیے مخصوص ہوگا۔

ہاں یہ بھی یاد رکھنا کہ برے ارادے اور بری نیت سے اس اونٹنی کو ہاتھ بھی نہ لگانا ------ ورنہ اللہ کے شدید ترین عذاب کی گرفت میں آجاؤ گے۔

سیدنا صالح علیہ السلام کی قوم نے اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور دھڑے بندی کی وجہ سے اتنا بڑا اور مُنہ مانگا معجزہ دیکھ کر ایمان تو قبول نہ کیا ----- مگر پانی کی باری مقرر کرنے کے حکم کو بادلِ ناخواستہ مانتے رہے ---- اور اس طرح نَاقَۃُ اللّٰہِ ایک دن پانی پیتی اور اس دن تمام لوگ نَاقَۃُ اللّٰہِ (اونٹنی) کا دودھ پی کر سیراب ہوتے ----- اور دوسرے دن تمام لوگ اور ان کے چوپائے پانی پیتے۔

کچھ مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا ----- مگر پھر انھیں یہ باری کا سلسلہ اور چکر کھٹکنے لگا، اور پوشیدہ صلاح مشورے ہونے لگے کہ اس اونٹنی کا خاتمہ کر دیا جائے ---- اور اس طرح یہ باری والے سلسلہ کی مشکلات سے نجات مل جائے گی۔

مگر کسی شخص کو ہمت نہ پڑتی تھی کہ نَاقَۃُ اللّٰہِ کو قتل کر دے ----- آخر ایک دو بدبختوں نے نَاقَۃُ اللّٰہِ کو قتل کر دیا ----- اور پھر آپس میں قسمیں کھا کر عہد کرنے لگے کہ رات کو حملہ کر کے صالح اور اس کے اہل و عیال کو قتل کر دیں گے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک روایت بھی پیش کی ہے کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے سفر میں جب اس بستی کے قریب آئے تو فرمایا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ سے نشانیاں طلب نہ کیا کرو ------ دیکھو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ایک نشانی طلب کی تھی اور وہ اونٹنی پہاڑ سے نکلی تھی اور اپنی باری کے دن کھاپی کر وہیں واپس چلی جاتی تھی ----- اور اپنی باری کے دن قوم ثمود کو اپنے دودھ سے سیراب کرتی تھی ----- مگر ثمود نے آخر کار سرکشی کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر اس کو ہلاک کردیا' اور نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر چیخ کا عذاب مسلط کردیا' اور وہ اس عذاب سے گھروں کے اندر ہی مردہ ہو کر رہ گئے ----- اس قوم کا صرف ایک شخص بچا جو بیت اللہ میں گیا ہوا تھا۔ مگر وہ جونہی حدود حرم سے باہر آیا تو فوراً اسی عذاب کی گرفت میں آگیا۔

حضراتِ گرامی قدر! کہنا یہ چاہتا ہوں اور سمجھانا یہ چاہتا ہوں ------ کہ قرآن مجید کی کئی آیات سے ------ بڑی پختگی کے ساتھ ------ اور بڑے یقین کے ساتھ یہ تو ثابت ہے کہ ناقۃ اللہ (اونٹنی) اللہ کا نشان تھی ------ وہ اپنے اندر ضرور کوئی ایسی خصوصیت اور انفرادیت رکھتی تھی جس کی وجہ سے وہ ایسا نشان کہلا سکے جس کا ذکر قرآن مجید نے اتنی اہمیت کے ساتھ کیا ہے -----

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً ------ یہ اللہ کی اونٹنی تمھارے لیے نشان ہے۔

پھر پانی پینے کی باری ----- جس طرح اونٹنی اور قوم ثمود کے مابین تقسیم کی گئی وہ خود مستقل ایک دلیل ہے کہ یہ اونٹنی ضرور اپنے اندر ایسی حَیثیت' اور ایسی خصوصیت رکھتی تھی جو نشان الٰہی کہلا سکے۔

مگر یہ بات کہ اونٹنی کا وجود کس طرح ہوا ------- وہ دنیا میں کس طرح وجود میں آئی ------ اور کن وجوہ کی بنا پر وہ نشانِ الٰہی کہلائی ----- قرآن اس حَیثیت کو بیان کرنے سے خاموش ہے۔

البتہ مختلف احادیث سے جو خبر آحاد ہیں' اس واقعہ پر ضرور روشنی پڑتی

ہے ------ جس کی تفصیل ابن کثیر سے ------ میں آپ کے سامنے بیان کرچکا ہوں۔

قومِ ثمود پر عذاب کے مبادی

قوم ثمود نے سیدنا صالح علیہ السلام کی مسلسل تکذیب کی۔ وہ مسلسل مذاق اڑاتے رہے ----- مختلف قسم کے طعنے دیتے رہے ----- اونٹنی کا نشان دیکھ کر بجائے ماننے کے اونٹنی کو مار دیا اور کچھ لوگوں نے سیدنا صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو قتل کرنے کے مشورے کیے۔

قرآن کہتا ہے :

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ○ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ○ (نمل ۲۷ : ۴۸-۴۹)

شہر میں نو شخص تھے (پرلے درجے کے فسادی) جو زمین میں فساد کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے ----- آپس میں کہنے لگے کہ قسمیں کھاؤ اللہ کے نام کی ------ کہ ہم رات کو صالح اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے ------ پھر اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے ------ کہ ہم تو ان کی تباہی و ہلاکت کے موقع پر موجود ہی نہیں تھے ---- اور ہم سچ کہہ رہے ہیں۔

عذاب کا مطالبہ

ادھر انھوں نے اونٹنی کو قتل کیا ------ پھر سیدنا صالح علیہ السلام اور ان کے گھرانے پر شب خون مارنے کا پروگرام بنایا ---- اور ڈھیٹ پنے کی انتہا یہ تھی کہ سیدنا صالح علیہ السلام کو کہنے لگے :

يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (۷ : ۷۷)

اے صالح ----- اگر تو واقعی اللہ کا رسول ہے تو (جس عذاب سے)

تو ہم کو ڈراتا رہتا تھا وہ لے آ۔

عذابِ الٰہی کا نزول

جب انھوں نے اللہ کے نشان اونٹنی کو قتل کردیا، سیدنا صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو سازش کے تحت مار دینے کا پروگرام بنالیا، اور عذابِ الٰہی کا مطالبہ کرنے لگے تو قرآن کہتا ہے:

وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (۲۷ : ۵۰)

انھوں نے ایک خفیہ تدبیر سوچی (وہ ایک چال چلے) اور ہم نے بھی ایک خفیہ تدبیر بنائی اور ان کو کچھ خبر بھی نہیں ہوئی۔

سیدنا صالحؑ نے اللہ کا حکم پاکر ان کو اطلاع دی کہ تین دن کے بعد وہ یقینی عذاب آجائے گا جو تم کو جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ کے رکھ دے گا۔

سیدنا صالح علیہ السلام نے فرمایا:

تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ (۱۱ : ۶۵)

اپنے گھروں میں تین دن تک فائدہ اٹھالو۔ یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہوگا۔

صاحبِ رُوح المعانی کیا کہتے ہیں

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف تفسیر رُوح المعانی جلد ۸ صفحہ ۱۴۶ پر تحریر کرتے ہُوئے فرماتے ہیں کہ:

ثمود پر عذاب آنے کی علامتیں دُوسری صبح سے ہی شروع ہوگئیں ----- پہلے دن ان سب کے چہرے زرد ہوگئے ----- جیسا کہ خوف اور ڈر کی اِبتدائی حالت میں ہوتا ہے ----- دوسرے دن سب کے مُنہ سرخ ہوگئے ----- یہ خوف وڈر اور دہشت کا دوسرا درجہ تھا ----- تیسرے روز سب کے چہرے سیاہ اور کالے ہوگئے ----- چہروں پر تاریکی چھا گئی۔

تین دن کے بعد عذاب کا وقتِ مقرر آن پہنچا ----- رات کے وقت ایک خوفناک آواز اور ہیبت ناک چیخ نے ----- ہر شخص کو اسی حالت میں تباہ کر دیا جس حالت میں وہ تھا۔

قرآن مجید نے کسی مقام کو اس ہولناک آواز کو صاعقہ ------ (کڑک دار بجلی) ---- کسی جگہ پر رجفہ ------ (ہلا دینے والی چیز) ------ کسی جگہ پر طاغیہ ------ (دہشت ناک) ---- اور کسی جگہ پر صیحہ (چیخ) ------ سے تعبیر فرمایا۔

اللہ کے اس عذاب عظیم ------ اور عذاب الیم کی ہولناکی اور دہشت کیسی عجیب تھی ------ کڑکتی بجلی تھی ------ جس نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا ----- وہ چیخ چیخ کر زمین پر گر رہی تھی ------ زمین زلزلے سے لرز رہی تھی ----- اوپر سے جبریل کی چیخ کی دہشت زدہ آواز تھی۔

فَسَوّٰىهَا ------ اللہ نے ان کو برابر کر دیا۔

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (ہود)

جب صبح ہوئی تو سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ثمود پر گزر

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف کی تفسیر میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حجر (قوم ثمود کی بستی) پر ہوا ----- تو صحابہ نے ثمود کے کنویں سے پانی بھر لیا اور اس پانی سے آٹا گوندھ کر روٹیاں پکانے لگے ------ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو صحابہ کرام کو پانی کے گرا دینے اور ہانڈیاں خالی کر دینے اور آٹا پھینک دینے کا حکم فرمایا۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ وہ بستی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب

نازل ہوا تھا ----- یہاں قیام بھی نہ کرو اور یہاں کی چیزوں سے فائدہ بھی نہ اٹھاؤ ---- آگے بڑھ کر ------- اگلی بستی میں پڑاؤ ڈالو ----- ایسا نہ ہو کہ کہیں تم بھی کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ۔

ایک طرف قوم ثمود پر عذاب نازل ہوا ------ اور انھیں ہلاک و تباہی کے گھاٹ اتار دیا گیا ------ تو دوسری جانب سیدنا صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت کی چادر میں لے لیا اور اس طرح وہ عذاب سے محفوظ رہے۔

سیدنا صالح علیہ السلام کا قوم سے خطاب

سیدنا صالح علیہ السلام یہ جگہ چھوڑ کر جانے لگے تو حزن و ملال اور افسوس و تحسر کے ساتھ ان ہلاک شدگان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ (۷: ۷۹)

اے میری قوم بے شک میں نے اپنے پروردگار کا پیغام تم تک پہنچایا اور تم کو نصیحت کی مگر تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہو۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا

کچھ حضرات سیدنا صالح علیہ السلام کے اس خطاب کو اپنے مسلک اور اپنے عقیدے سماعِ موتیٰ (مُردوں کے سننے) پر بطور دلیل پیش کرتے ہیں ----- کہ اگر مُردے نہ سنتے ہوتے تو سیدنا صالح علیہ السلام ان کو خطاب نہ فرماتے!

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ کچھ مفسّرین نے کہا ہے کہ سیدنا صالح علیہ السلام نے یہ خطاب اس وقت فرمایا جب انھیں کہا کہ تین دن کے بعد تم پر یقیناً

عذاب نازل ہوگا ---- یہ اطلاع دے کر وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ فلسطین کی طرف جانے لگے تو جاتے جاتے قوم کو حسرت بھرے انداز میں یہ خطاب فرمایا ------ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالٰی نے تفسیر عثمانی میں یہ قول نقل فرمایا ہے۔

کچھ علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس قسم کا خطاب انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ہے ------ اسی لیے ان کے کلام کو اللہ تعالٰی بطور معجزہ مردوں کو سنا دیتا ہے ------ جس طرح امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں مشرکین کے لاشوں کو خطاب فرمایا ------ تو صحابہ کرام نے تعجب سے پوچھا کیا یہ سن رہے ہیں؟

تو آپ نے فرمایا:

اَلَا اِنَّھُمْ لَیَسْمَعُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَھُمْ (بخاری صفحہ)

صرف اب (ہر وقت نہیں) بے شک وہ (ہر مردہ نہیں) وہ بات جو میں کہہ رہا ہوں (ہر ایک کی بات نہیں) وہ سن رہے ہیں۔

مولانا عثمانی رحمۃ اللہ تعالٰی نے تفسیر عثمانی میں اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالٰی نے بیان القرآن میں تحریر فرمایا کہ:

> یہ خطاب محض بطور تحسر فرضی خطاب تھا جیسے شعراء دیار و اطلال (کھنڈرات) وغیرہ کو خطاب کرتے ہیں۔

اس طرح کا خطاب حزن و ملال کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔ (سنانا مقصود نہیں ہوتا) جیسے ایک لڑکا تیز رفتاری سے موٹر سائیکل چلاتا ہو ---- اس کا والد اسے بار بار منع کرتا ہو اور ہر طرح سے سمجھاتا ہو کہ اس طرح گر جانے کا خطرہ ہوتا ہے ---- زخمی ہو سکتے ہو ---- موت بھی واقع ہو سکتی ہے ------ بیٹا باز نہیں آتا ---- پھر ایک روز حادثہ میں وہ مرجاتا ہے ------ اس کی

میت چارپائی پر اٹھا کر لاتے ہیں ------- تو والد اسے حزن و ملال اور حسرت و افسوس کے ساتھ مخاطب کرتا ہے ------ بیٹا میں تجھے سمجھاتا تھا نا ؟ کہ تیز رفتاری خطرناک ہے ------ تو باز نہیں آیا نا؟ آج پھر میرا کہنا سچا ہو گیا نا؟ والد جو اپنے فوت شدہ بیٹے کے لاشے کو خطاب کر رہا ہے ------ کس خیال سے کہ بیٹا میری بات کو سن رہا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا یہ خطاب محض حزن و غم اور ملال کے اظہار کے لیے ہے ------ اس طرح سیدنا صالح علیہ السلام کا ہلاک شدہ قوم کو خطاب سنانے کے لیے نہیں تھا محض حزن و ملال اور افسوس کے اظہار کے لیے تھا۔

عذاب کے بعد سیدنا صالح علیہ السلام کہاں رہے

قوم ثمود کی ہلاکت اور بربادی کے بعد

سیدنا صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مُسلمان کہاں رہے؟
کچھ مفسّرین نے فرمایا کہ :
یہ لوگ فلسطین میں آکر آباد ہو گئے ------ تفسیر خازن والے نے اس قول کو پسند کیا ہے۔

کچھ مفسّرین کا خیال یہ ہے کہ وہ حضرموت میں آکر آباد ہوئے۔

ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا کہ قوم کی ہلاکت کے بعد اسی شہر اور بستی میں آباد رہے۔ اور یہ قول بھی مشہُور ہے کہ وہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ------ وہیں مُقیم رہے ------ وہیں انھوں نے انتقال فرمایا ------ اس آخری قول کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ سیدنا صالح علیہ السلام پر ایمان لا کر جو خوش نصیب عذاب سے محفوظ رہے اور جنھوں نے نجات پائی ------ ان کی کُل تعداد ایک سَو بیس تھی

------ اور ہلاک ہونے والے تقریباً ڈیڑھ ہزار گھرانے تھے۔

قصۂ صالحؑ کے کچھ نتائج وعبرتیں

اس واقعہ سے ایک بات یہ ثابت ہوئی کہ جو قوم اپنے پیغمبر سے مخصوص معجزے اور نشانی کا مطالبہ کرے اور اللہ تعالیٰ ان کا مُنہ مانگا معجزہ دکھا دے پھر وہ قوم ایمان نہ لائے تو ان کی ہلاکت و تباہی ضروری ہو جاتی ہے ------ جس طرح قوم صالحؑ کے ساتھ ہوا۔

نیز اس وقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ سیدنا صالح علیہ السلام کی قوم اللہ کی ذات کی مُنکر نہیں تھی ------ بلکہ وہ اللہ کے نام کی قسمیں بھی اٹھاتے تھے ------ یہ بات تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ ------ سے ثابت ہوئی۔

نیز اس قصہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ انسان کو اپنی ظاہری شان و شوکت، دنیوی جاہ و جلال اور مال و دولت پر اتراتے ہوئے حق کا انکار نہیں کرنا چاہیے اور یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ مال، یہ دولت، یہ زمینیں اور باغات اور خوشحالیاں ----- اللہ کی نعمت و رحمت ہے ----- کبھی کبھی یہی دولت اور یہی مال ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ
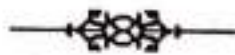
سیدنا ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام ۔ ۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ط وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ط اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ وَ اٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ط وَ اِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ) (نحل ۱۶ : ۱۲۰۔۱۲۳)

بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار بندے تھے۔ جو یکسو تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ اللہ کے انعامات کے شکر گزار تھے ---- اللہ نے ان کو چن لیا تھا سیدھے راستے کی ہدایت کی تھی۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی و بھلائی عطا کی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔ پھر (اے میرے پیغمبر) ہم نے آپ کی طرف وحی اتاری کہ ابراہیم کے دین کی پیروی اختیار کرو۔ جو یکسو تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

سامعین گرامی قدر! جو آیات کریمہ میں نے خطبہ میں تلاوت کی ہیں ان میں جد الانبیاء، امام الموحدین سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا بڑے خوبصورت

انداز میں ------ اللہ رب العزت نے تذکرہ فرمایا ہے۔

قرآن پاک کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے ------ تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آخری کتاب منور میں سیدنا ابراھیم علیہ السلام کا ذکرِ خیر ----- اور تذکرہ جگہ جگہ کیا ہے ------ بڑی تفصیل کے ساتھ ان کی سیرت طیبہ کو ------- ان کی زندگی کے اہم واقعات کو ------- ان کی دلیرانہ اور بہادرانہ زندگی کو ------- مختلف سورتوں میں بیان فرمایا ہے ------ قرآن پاک کی تقریباً پچیس سورتوں میں سیدنا ابراھیم علیہ السلام کا تذکرہ ----- کسی جگہ تفصیل سے بیان ہوا ----- اور کبھی ان کا ذکرِ خیر اجمالاً کیا گیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ مقدس کا پیغام ------ اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ رشد و ہدایت ------ یہ ملت ابراہیمی کا پیغام ہے۔

اور قرآن مجید میں سیدنا ابرھیم علیہ السلام کے تفصیلی تذکرہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھیں انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس جماعت میں ایک امتیازی اور انفرادی حیثیت حاصل ہے۔

وہ جد الانبیاء ہیں ------ کہ ان کے بعد ------ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء اور رسول ان کی ذریت اور اولاد ہی سے مبعوث ہوئے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے بہت شہرت پائی ------ ایک کا نام سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہے ------ اور دوسرے فرزند کا اسم گرامی سیدنا اسحاق علیہ السلام ہے۔

سیدنا اسحاق علیہ السلام کے نامور بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر تھے ------ آگے ان کے نامور بیٹے سیدنا یوسف علیہ السلام بھی اللہ کے نبیوں میں سے تھے۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ------ ان بارہ بیٹوں کی اولاد ----- بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے کہلائے۔

"اِسرائیل" عبرانی زبان کا لفظ ہے ------ جس کا معنی ہے عبداللہ ------ اللہ کا بندہ ----- اور یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے ------ بنی اسرائیل سے مراد ----- حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے۔

غرضیکہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے سیدنا اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ چل نکلا۔

مگر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ------ کسی کو بھی نبوت و رسالت سے سرفراز نہیں کیا گیا ----- ان کی اولاد اور ذریت میں صرف ایک موتی --- انمول ھیرا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں مبعوث کیا گیا ------- جو صرف نبی نہیں تھے بلکہ امام الانبیاءؑ تھے ------ جو صرف نبی نہیں تھے خاتم النبیین تھے ----- جو صرف رسول نہیں تھے سید المرسلین تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ زیادہ کیوں؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ قرآن مجید نے اس لیے بھی زیادہ کیا کہ دنیا کے تمام آسمانی مذاہب (مثلاً یہود اور نصاریٰ) اور مشرکین مکہ ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ وہ تمام لوگوں کے لیے متفق علیہ شخصیت کا درجہ رکھتے تھے۔

دیکھیے ----- یہود سیدنا موسیٰ کو تو مانتے ہیں ----- ان کا احترام بھی کرتے ہیں ----- مگر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے لیے ----- اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرنے کے لیے وہ ہرگز تیار نہیں۔

اسی طرح دنیا بھر کے عیسائی ----- سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں

مگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سید الانبیاء ﷺ کو ماننے کے لیے ہر گز تیار نہیں۔ (یہ شیوہ اور طریقہ ----- اور اعتدال پسندی کی راہ تو صرف اور صرف اسلام نے دکھائی ہے کہ کسی ایک نبی اور کسی ایک رسُول کو نہ ماننا تو درکنار ----- کسی رسُول کی ادنیٰ سی توہین بھی کفر ہے ----- جب تک اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان نہیں لاؤ گے اس وقت تک مومن اور مُسلمان نہیں کہلا سکتے ہو)

مگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت ایسی ہمہ گیر شخصیت ہے ----- اور ایسی متفق علیہ شخصیت ہے کہ یہود بھی ان کو مانتے ہیں، عیسائی بھی ان کا احترام کرتے ہیں ----- اور مشرکین مکہ بھی ان کو مانتے تھے۔

صرف مانتے نہیں تھے ----- بلکہ یہ تمام فرقے اور لوگ اپنے آپ کو ان سے منسوب کرتے ----- اور خود کو ابراہیمی کہلاتے تھے۔

یہودی کہتے تھے ----- ہم ابراہیمی ہیں ----- ہم ابراہیم کے مُحِب ہیں ------ عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ ابراہیمی صرف ہم ہیں ------ اور ہم ہی ابراہیم کے عاشق ہیں ------ مشرکین مکہ کہتے تھے -------- ابراہیمی کہلانے کا مستحق ہمارے سوا کوئی نہیں ----- ابراہیم کی اولاد اور جانثار صرف ہم ہیں۔

(سامعین گرامی قدر! مشرکین اور کمزور عقیدے رکھنے والے لوگوں کا یہ پرانا وطیرہ اور عوام الناس کو پھنسانے کا پرانا جال ہے کہ وہ اپنے آپ کو بزرگوں اور اولیاء اللہ سے منسوب کرتے ہیں ----- وہ اپنے شرکیہ عقائد اور بدعت سے ملوث اعمال کو عوام میں مقبول بنانے کے لیے نیک لوگوں سے نِسبت کو سہارا بناتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کے اس باطل دعویٰ کی کتنے خوبصورت انداز میں تردید فرمائی۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۳ : ۶۷)

ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی تھے لیکن وہ تھے ایک اللہ کی جانب جھکنے والے مُسلمان اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہیں تھے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ زیادہ کیوں؟

حضراتِ گرامی! میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ قرآن مقدس نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کا ذکرِ خیر بہت زیادہ کیوں فرمایا؟۔ اس کی کئی وجوہات آپ سن چکے ہیں ------ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ پیغامِ رسالت کے پہنچانے میں ---- دعوتِ توحید کے طریقۂ کار میں اور دعوت و تبلیغ کے راستے میں دکھ اور مصائب کے برداشت کرنے میں وہ ایک خاص امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک اور ذرہ برابر شبہ نہیں ہے کہ اللہ کا ہر نبی اور اللہ کا ہر رسُول توحید کا داعی اور شرک کے خلاف دو دھاری تلوار بن کر آیا ------ ہر پیغمبر کی تعلیم میں یہ دو باتیں قدر مشترک رہیں ---- بلکہ انبیاء کرامؑ کی دعوت میں ان دو باتوں کو اولیت حاصل رہی ----- یہی دو باتیں ان کی دعوت کی اساس اور بنیاد رہیں ---- یعنی توحید کی دعوت اور شرک کی تردید و مذمت۔

سیدنا ابراہیمؑ کی انفرادی خصوصیتؑ

مگر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تبلیغ کا انداز سب انبیاء کرام کی تبلیغ سے نرالا، عجیب اور انوکھا نظر آتا ہے۔ (میں ابھی بیان کروں گا تو آپ سن کر حیران ہوں گے)

پھر دعوت و تبلیغ کے اس راستے میں انھیں سخت سے سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انھیں مُشکل سے مُشکل دکھ اٹھانے پڑے۔ انھیں کڑی سے کڑی

مصیبتوں کو جھیلنا پڑا ------ مصائب کے پہاڑ تھے جو ان پر توڑے گئے ----
غموں کی تیز آندھیاں تھیں جو مسلسل چلتی رہیں ----- مگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام
استقامت کے پہاڑ بن کر کھڑے رہے۔ پھر ہمیں نظر آتا ہے کہ سیدنا ابراہیم
علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں ----- جنھیں قوم ستاتی ہے ----- مارتی ہے ----- آگ
میں ڈالتی ہے ----- وطن سے بے وطن کرتی ہے ----- اور پھر اللہ تعالیٰ بھی
انھیں آزمائش کے راستوں سے گزارتے ہیں ----- امتحانات میں مبتلا کرتے
ہیں ------ مختلف طریقوں سے پرکھتے ہیں ---- اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہر
آزمائش میں سرخرو ہوتے ہیں اور ہر مشکل امتحان میں سو میں سے سو نمبر
لے کر کامیاب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان امتحانات اور ان آزمائشوں کا ذکر فرمایا۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَٰهِيمَ رَبُّهُۥ بِكَلِمَٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا۔ (۲ : ۱۲۴)

اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیمؑ کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔ اللہ نے کہا میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔

پیشوا بنانے سے مراد کیا ہے

اس آیت کریمہ سے اہل تشیّع نے ایک مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے ----- کہ امامت کا مرتبہ ---- نبوت سے بلند اور بالاتر ہے
---- اس لیے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نبی اور رسول تو پہلے تھے ----- اب
ان کو امامت کا درجہ مل رہا ہے ----- معلوم ہوا ہے کہ درجۂ امامت -----
درجۂ نبوت سے بلند ہے۔ (اہل تشیّع کا مسلک اور عقیدہ ہے کہ: "درجۂ امامت
بالاتر از درجۂ نبوت است"۔ (ملا باقر مجلسی مجتہد نے اپنی کتاب حیات القلوب اور
حق الیقین میں اس کو بیان کیا ہے)

یاد رکھیے اور ذہن میں بٹھا لیجیے کہ یہاں اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ (۲ : ۱۲۴) میں امام سے مراد معروف معنوں والا امام مراد نہیں ---- اور یہاں امامت سے مراد وہ امامت بھی نہیں جس کا تصور اہل تشیّع کے ذہن میں ہے۔ بلکہ مراد وہی ہے جس کو میں پہلے بیان کر آیا ہوں کہ اللہ رَبُّ العزت نے سیدنا ابراھیم علیہ السلام کی امتحانوں میں کامیابی و کامرانی پر بطور انعام فرمایا کہ میں تجھے لوگوں کا پیشوا بناؤں گا ---- یعنی آپ کے بعد جتنے پیغمبر اور رسُول آئیں گے ----- وہ سب کے سب تیری ذریت اور تیری اولاد میں سے آئیں گے۔

سیدنا ابراھیمؑ کے گھر اور اِردگرد کا ماحول

سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے عراق میں ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جو صرف بت پرست ہی نہیں بت گر اور بت فروش بھی تھا ---- بلکہ وہ پورے کا پورا معاشرہ، اور سارے کا سارا ماحول ہی شرک کے تعفن اور بدبو سے زہریلا ہو گیا تھا ----- وقت کا بادشاہ نمرود، حکومتی ارکان و نمائندے، تاجر و مزدور اور عوام و خواص بت پرستی، شمس پرستی، قمر پرستی اور کواکب پرستی کے شرک میں مبتلا تھے۔

ان کا والد نجاری کا کام کرتا تھا۔ اور اپنی قوم کے مختلف قبیلوں اور برادریوں کے لیے لکڑی کے بت بنا کر فروخت کیا کرتا تھا۔

پیغمبر چونکہ بچپن ہی سے معصوم عن الخطاء و العصیان ہوتا ہے ----- پیغمبر کو بچپن ہی سے رشد و ہدایت، سمجھ اور حکمت عطا ہوتی ہے ---- اس لیے حضرت ابراھیم علیہ السلام بچپن ہی سے دیکھتے آرہے تھے کہ میرا باپ ---- لکڑیوں اور پتھروں کے بت اور مجسمے بناتا ہے ---- انھیں تیسے سے تراشتا اور آریوں سے چیرتا ہے ---- اگر کسی بت کی تصویر صحیح نہیں بنتی تو اسے پھینک کر دوسری تصویر بنانے لگتا ہے ---- اگر کسی بت کی آنکھ، ناک، کان --- یا ہاتھ پاؤں

درست اور صحیح نہیں بنتے ----- تو اسے پھینک کر دوسرا معبود بنانے لگتا ہے ----- وہ دیکھتے اور سوچتے تھے کہ یہ عجیب معبود اور مشکل کشا ہیں جو اپنے وجود کے بننے میں دوسروں کے محتاج ہیں ----- یہ عجیب حاجب روا ہیں جو اپنے چہرے سے مکھی اڑانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

یہ عجیب معبود ہیں جو سننے کی قوت اور دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ------ جو کسی چیز کو پکڑ نہیں سکتے اور جن میں چلنے کی سکت نہیں ہے۔

یہ عجیب معبود ہیں کہ نہ نفع پہنچانے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نقصان دور کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

اتنے عاجز ----- اتنے معذور ----- اور اتنے بے بس اور بے اختیار ----- عبادت و پکار کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں؟ ----- ایسے مجبوروں اور معذوروں کے نام پر نذر و نیاز کیوں دی جائے؟ ---- ایسے بے اختیار و بے بس کے سامنے سجدہ ریزیاں کس لیے؟ ---- سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہ یقین رکھتے تھے کہ یہ بت اور میرے والد کے تراشے ہوئے یہ معبود اِلٰہ نہیں ہو سکتے ---- یہ اللہ تعالیٰ کے مثیل اور ہم سر اور شریک ہرگز نہیں ہو سکتے۔

اپنے گھر سے تبلیغ کی ابتداء

ایسے ماحول اور شرک زدہ معاشرے میں اللہ رب العزت نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز فرمایا اور ان کے ذمہ یہ ڈیوٹی لگائی ---- کہ اللہ کی خالص توحید ---- اللہ تعالیٰ کی اکیلی الوہیت و معبودیت کی دعوت پیش کرو ----- اور شرک اور بت پرستی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرو۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تبلیغ کا آغاز ----- اور دعوتِ توحید کی ابتداء اپنے گھر سے اور گھر کے سربراہ ---- بت گر، بت فروش اور

بت پرست والد سے کی۔

اس لیے کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ شرک کا سب سے بڑا مرکز۔۔۔۔
خود ان کے گھر میں قائم ہے۔۔۔۔۔ اور وہ بھی اس طرح کہ والد کی بت سازی
بت فروشی اور بت پرستی۔۔۔۔۔ عوام الناس کے لیے محور اور مرکز کی حیثیت
اختیار کر چکی ہے۔۔۔۔۔ اس لیے فطرت کا تقاضا۔۔۔۔۔ اور حکمت وفہم کا مطالبہ
یہی ہے کہ دعوتِ توحید اور تبلیغ حق کا آغاز اور ابتداء اپنے گھر سے۔۔۔۔۔ بلکہ
بت پرست والد سے کی جائے۔

والد کو تبلیغ، عجیب انداز

چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو خطاب کرنے لگے ہیں۔

ذرا تصور کیجیے۔۔۔۔۔ گہرائی میں اتر کر دیکھیے اور محسوس کیجیے کہ پورے کا پورا
معاشرہ شرک کی دلدل میں غرق ہے۔۔۔۔۔ وقت کا حکمران خدائی کا دعوے دار،
ڈکٹیٹر، آمر، مُطلق العنان بادشاہ۔۔۔۔۔ خاندان اور برادری کے تمام افراد بت
پرست ہیں۔۔۔۔۔۔ دوست واحباب، پڑوسی اور محلے داروں میں کوئی ایک بھی
توحید پرست نہیں۔۔۔۔۔ پورے شہر اور پورے علاقہ میں۔۔۔۔۔۔ ایک شخص
بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مؤقف اور ان کی دعوت اور پیغام کا حامی نہیں
۔۔۔۔۔ کوئی جماعت نہیں کچھ جتھا نہیں، کوئی پارٹی اور گروہ نہیں۔۔۔۔۔ پورے
ملک میں کوئی ٹھکانا نہیں اور آسرا نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بھی نظر آرہا تھا کہ اگر باپ بگڑ گیا
۔۔۔۔۔ اور ناراض ہو کر اس نے گھر سے نکال دیا۔۔۔۔۔ تو اس بھری دنیا میں
میرا حامی اور حمایتی۔۔۔۔۔ اور میرے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھنے والا کوئی ایک
شخص بھی نہیں ہے۔

مگر ان تمام تر نازک حالات اور خطرات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے کتنے کھلے انداز میں ----- اور نکھرے ہوئے الفاظ میں اپنے والد کو دعوت دی ------ ذرا سنیے اور سیدنا ابراہیم کے تبلیغ کے نرالے انداز اور انوکھے اسلوب کی داد دیجیے۔

قرآن کہتا ہے :

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْــٴًـا (مریم ۱۹ : ۴۲)

جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ تو ایسی چیزوں کو کیوں پوجتا ہے جو سن بھی نہیں سکتیں اور دیکھ بھی نہیں سکتیں اور وہ تیرے کچھ کام بھی نہیں آسکتیں۔

تبلیغ کا رنگ مثبت یا منفی

دیکھا آپ نے ----- کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پہلے دن ----- ہاں تبلیغ کے پہلے روز ----- اپنے بت پرست والد کو تبلیغ کرتے ہوئے اور دعوت دیتے ہوئے ----- کس انداز سے دعوت دی ----- بابا ! اللہ کی عبادت کر ----- نہیں کہا؟ ----- بابا ! معبود و مسجود اللہ ہے ----- نہیں کہا؟ ----- بابا ! نذر و نیاز کے لائق اللہ ہے ---- خالق و مالک اور ہر شئے کا رازق اللہ ہے ----- نہیں کہا؟ ----- بابا ! مشکل کشا اور حاجت روا اللہ ہے ----- حضرت ابراہیم نے نہیں کہا؟

پہلی تبلیغ ----- اور دعوت کے پہلے الفاظ میں اللہ کی الوہیت کا ذکر تک نہیں فرمایا۔ بلکہ فرمایا :

یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْــٴًـا۔ (۱۹ : ۴۲)

بابا ! ----- یہ بعد میں بتاؤں گا کہ اِلٰہ اور معبود کون ہے؟

بابا ! ----- یہ بعد میں بتاؤں گا کہ مسجود حقیقی اور مقصود حقیقی کون ہے؟
بابا ! ----- یہ بعد میں بتاؤں گا کہ خالق، مالک اور رازق کون ہے؟
نذر و نیاز کے لائق کون ہے؟ غائبانہ پکاریں سننے والا کون ہے؟
بابا ! ----- یہ بعد میں بتاؤں گا کہ نافع و ضار کون ہے؟ ----- معطی و مانع کون ہے؟ ---- داتا گنج بخش کون ہے؟ ------ دستگیر اور غوث اعظم کون ہے؟
لجپال اور غریب نواز کون ہے؟۔
بابا ! ---- پہلے تو بتا ------ کہ تو ان کی پوجا پاٹ کیوں کرتا ہے جو تیری پکار اور التجا کو سن نہیں سکتے ------ ہاں ہاں پہلے تو بتا ------ کہ تو ان کو کیوں پکارتا ہے ---- جو تجھے دیکھ نہیں سکتے۔
بابا ! ---- پہلے تو بتا ------ کہ تو ان کی عبادت کیوں کرتا ہے جو تیرے کچھ بھی کام آ نہیں سکتے۔
سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعوت و تبلیغ کے پہلے دن ----- اور دعوت کی ابتداء اور آغاز میں ----- منفی رنگ اختیار کیا ----- اور باپ کے معبودوں پر کاری ضرب لگائی۔

سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی بچ جائے

کہاں ہیں وہ لوگ جو تبلیغ کے مثبت انداز پر زور دیتے ہوئے ---- خوبصورت فقرے اور کہاوتیں اور ضرب الامثال پیش فرماتے ہیں۔
کبھی کہتے ہیں ----- جے گڑ دیندیاں بندا مردا ہوئے تے زہر کیوں دیوے۔ (اگر بندہ گڑ دینے سے مرتا ہو تو زہر ضرور دینا ہے)
اور کبھی کہتے ہیں ----- حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے ---- اور وہ

اس طرح کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی بچ جائے۔

پھر اپنی اس مداہنت پر ---- اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (۱۶ : ۱۱۵) سے استدلال کرتے ہیں۔

کیا حکمت اور موعظۃ الحسنہ کِتمانِ حق کا نام ہے؟

کیا حکمت اور موعظۃ الحسنہ توحید اور قرآن پر پردے ڈالنے کا نام ہے؟

کیا حکمت اور موعظۃ الحسنہ اسی کا نام ہے کہ ایک گاؤں میں ایک قبرپوجی جارہی ہو ---- اس کے سجدے ہو رہے ہوں ------ طواف جاری ہوں ----- نذر و نیاز کے جانور آ رہے ہوں ---- عرس و قوالی کا بازار گرم ہو ----- اور ایک مولانا صاحب وہاں تقریر اور خطاب کرتے ہوئے ----- علماء کے فضائل یا پردہ کے احکام یا سود خوری کی ممانعت پر دلائل کے انبار لگائیں اور اسے حِکمت سے تعبیر کریں اور الموعظۃ الحسنہ کا سہارا لیں ----- میرے بھائی اس کا نام حکمت اور الموعظۃ الحسنہ نہیں ہے ----- بلکہ اسے احمق پن اور بے وقوفی کہیں گے ---- بالکل اس ڈاکٹر اور حکیم کی طرح ---- کہ اس کے پاس مریض آئے جس کے پیٹ میں درد ہو اور وہ دوائی اس کے ناک میں ڈالے ----- اس کے پاس سرطان اور کینسر کا مریض آئے اور وہ دوائی ملیریا اور کھانسی کی پلائے ---- ایسے حکیم ---- اور ایسے ڈاکٹر کو ----- کون ماہر طبیب اور قابل ڈاکٹر کہے گا؟۔

حِکمت سے مراد ہے ----- کہ دعوت و تبلیغ کو قرآن و حدیث کے دلائل سے پیش کرو ---- بلا دلیل بات نہ کرو ---- اور موعظۃ الحسنہ کا مفہوم یہ ہے ----- کہ خیر خواہی کے جذبہ سے تبلیغ کی جائے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا انوکھا انداز

قرآن مجید نے دوسرے انبیاء کرام ؑ کی دعوت و تبلیغ کو بھی بیان فرمایا ہے ----- ان کا انداز تھا: اُعْبُدُوا اللّٰہَ ----- لوگو! اللہ کی عبادت کرو ----- مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ----- اس اللہ کے علاوہ تمھارے لیے الٰہ اور معبود اور کوئی نہیں۔

یعنی ہر نبی نے پہلے اللہ کی الوہیت و معبودیت کو بیان فرمایا --- اللہ کی عبادت و پکار کی دعوت دی ----- اور ساتھ ہی غیر اللہ سے الوہیت و معبودیت کی نفی کر دی ----- مگر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا انداز سب انبیاء سے نرالا اور انوکھا ہے کہ انھوں نے پہلے ----- غیر اللہ کی معبودیت کی نفی کی ----- انھوں نے پہلے مشرکین کے جھوٹے معبودوں پر ضرب لگائی --- انھوں نے آغاز ہی اس جملے سے فرمایا: يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا۔ (مریم ۱۹ : ۴۲)

بابا! تو انکی عبادت و پکار (یہاں لِمَ تَعْبُدُ سے مراد پکار ہی ہوگی۔ اس لیے کہ آگے لَا يَسْمَعُ فرمایا ہے) کیوں کرتا ہے جو تیری پکاروں کو سن نہیں سکتے ----- تجھے دیکھ نہیں سکتے اور تیرے ذرہ برابر کام نہیں آسکتے۔

تحدیثِ نعمت

آج کے اس دور میں ---- کہ ہر سُو شرک و بدعات کی گھٹا ٹوپ آندھیاں چل رہی ہیں ------ قبر پرستی کا زور ہے ---- بدعات کا چرچا ہے ----- غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز ہر فرض سے اہم فرض بنی ہوئی ہے ----- اس معاشرے میں توحید کے بیان کرنے کا ابراہیمی انداز ----- جمعیت اشاعت التوحید والسنت کے علماء اور مقررین نے اپنایا ہوا ہے ----- اس جماعت کے مبلغین بھی اسی انداز میں یہ کہتے ہیں کہ جو سننے اور دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ----- اور جو نفع و نقصان کا اختیار نہیں

رکھتے، وہ اس لائق نہیں کہ انھیں مصائب اور تکالیف میں پکارا جائے ----
اشاعت التوحید کے علماء کرام نے قرآن و حدیث سے اور فقہ حنفی کے معتبر ترین حوالہ جات سے یہ ثابت کیا اور عوام الناس کو سمجھایا کہ کوئی مرنے والا ----- موت کے بعد دنیا والوں کا کوئی کلام ----- یا سلام یا پکار یا التجا نہیں سنتا ----- اور جو سن نہیں سکتا وہ عبادت و پکار کے لائق نہیں ہو سکتا۔

سیدنا ابراہیمؑ بات کو آگے بڑھاتے ہیں

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ جاری ہے

----- انھوں نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:

يَٰٓأَبَتِ لَا تَعْبُدِ ٱلشَّيْطَٰنَ (۱۹ : ۴۴)

بابا ----- شیطان کی عبادت نہ کر۔

ایک لمحہ کے لیے ٹھہریے اور میرے ایک سوال کا جواب دیجیے ----- کیا سیدنا ابراہیم کا والد ----- واقعی شیطان کی عبادت کرتا تھا؟ کہ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں ----- يَٰٓأَبَتِ لَا تَعْبُدِ ٱلشَّيْطَٰنَ ----- ہرگز نہیں ----- وہ تو نیک بندوں اور بزرگوں سے منسوب مجسمے اور مورتیوں کی عبادت و پکار کرتا تھا ----- دیکھا آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیسا انداز اپنالیا ----- اور بڑی جرأت و بہادری سے والد کے معبودوں اور ٹھاکروں کو شیطان کہہ دیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس فرمان سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اس دنیا میں عبادتیں صرف دو ہیں ---- یا تو اللہ کی عبادت ہوتی ہے یا شیطان کی عبادت ہوتی ہے ----- اللہ کے سوا جس شخصیت کی عبادت ہوتی ہے وہ دراصل اس شخصیت کی عبادت نہیں ہوتی (کیونکہ وہ اللہ کے نیک بندے اور بزرگ قیامت کے دن اپنی بے خبری اور بے زاری کا اعلان فرمائیں گے۔

مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ (۱۰ : ۲۸)
بزرگ قیامت کے دن کہیں گے تم نے ہماری عبادت نہیں کی۔
فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ، بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ (یونس ۱۰ : ۲۹)
بزرگ کہیں گے اللہ ہمارے اور تمھارے درمیان گواہ کافی ہے کہ ہم یقیناً تمھاری پوجا پاٹ سے بے خبر تھے۔
سورۃ احقاف میں ہے:
وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (۴۶ : ۶)
اور قیامت کے دن جب سب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ نیک بندے ان پکارنے والوں کے دشمن ہوجائیں گے اور ان کی پوجا پاٹ سے انکار کردیں گے۔
تو ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا جس جس شخصیت کو مشرکین نے معبود بنایا ---- وہ عبادت دراصل اس شخصیت کی نہیں ہوتی ---- بلکہ شیطان کی ہوتی ہے۔ کیونکہ شیطان کی اتباع میں ہوتی ہے۔
سورۃ یاسین میں ارشاد باری ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہیں گے:
اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ج اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (۳۶ : ۶۰)
کیا میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا اے اولادِ آدم کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے اور یہ کہ صرف میری عبادت کرو ---- یہی راستہ ہے سیدھا۔
ایک اور جگہ پر ارشاد باری ہے:
وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا

الطَّاغُوتَ۔ (نحل ۱۶ : ۳۶)

اور ہم نے ہر امت (قوم) میں ایک رسُول بھیجا (یہ پیغام دے کر) کہ عبادت کرو اللہ کی اور بچو طاغوت سے (یعنی طاغوت کی عبادت نہ کرو)

طاغوت سے مُراد شیطان ہے

میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس دنیا میں عبادتیں صرف دو ہیں یا عبادت ہوتی ہے اللہ کی یا عبادت ہوتی ہے شیطان کی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بات کو مزید آگے بڑھایا اور فرمایا :

يَٰٓأَبَتِ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ ٱلرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَٰنِ وَلِيًّا (مریم ۱۹ : ۴۵)

بابا ! ---- میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے رحمان کی طرف سے کوئی عذاب اور آفت نہ چمٹ جائے (اور اس آفت میں پھنس کر) تو شیطان کا ساتھی ہو جائے۔

باپ کا جواب

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مخلصانہ دعوت ---- نکھری ہوئی توحید اور واضح انداز ---- کو سن کر بت پرست والد جوش اور غضب میں آگیا۔ اور اس کے بجائے کہ دلائل کا جواب دلائل سے دیتا ---- یا اپنی بت پرستی پر کوئی دلیل دیتا ---- الٹا دھمکیوں پر اتر آیا اور کہنے لگا :

لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَٱهْجُرْنِي مَلِيًّا (۱۹ : ۴۶)

لگتا ہے تو میرے معبودوں سے مُنہ موڑے ہوئے ہے ---- اس لیے مجھے بھی ان کی پوجا پاٹ سے منع کر رہے ہو ---- اگر تو اپنی اس تبلیغ سے باز نہ آیا ---- میرے معبودوں کی توہین سے نہ رکا ---- تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا ---- میری نظروں سے اوجھل ہو جا ---- دور ہو جا ---- میں تیری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا ---- میرے گھر سے نکل جاؤ۔

گھر چھوڑنا آسان نہیں ہے

تھوڑی دیر کے لیے رک کر سوچیے اور غور کیجیے ----- گھر چھوڑنا آسان نہیں ہوتا --- آج کے دور میں بھی اگر کوئی والد اپنے بیٹے کے موحد ہوجانے پر ناراض ہوجائے اور غصے میں اور غضب میں آکر کہے کہ یا اپنا نیا عقیدہ چھوڑ دے یا میرا گھر چھوڑ دے ----- تو بیٹے کے لیے والد کا گھر چھوڑنا ----- والدہ کی شفقت سے محروم ہونا اور بہن بھائیوں کے پیار کو قربان کرنا ----- آسان نہیں ہے ---- آج ایک والد اپنے بیٹے کو ----- توحید کے ماننے پر گھر سے نکلنے کی دھمکی دے ----- تو بیٹے کے لیے کئی راستے کھلے ہیں ----- چچا کے گھر چلا جائے گا ---- پھوپھی یا ماموں یا خالہ کے گھر چلا جائے گا ---- اور اگر سب کے سب غلط عقائد کے حامل ہوں تو پھر ملک بھر میں موحدین کی جماعتیں، مساجد اور مدرسے موجود ہیں ----- قربانی دینے والے توحیدی موجود ہیں ----- وہ اسے ہتھیلی پر اٹھائیں گے اور پلکوں پر بٹھائیں گے۔

ان تمام ظاہری سہاروں ----- اور راستوں کے باوجود ایک بیٹے کے لیے گھر چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔ مگر دوسری طرف تو دیکھیے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو صاف اور واضح طور پر نظر آرہا ہے کہ اگر باپ نے گھر سے نکال دیا تو پورے شہر اور پورے ملک میں میرے لیے کوئی ٹھکانا نہیں ہے ---- میری برادری ساری کی ساری مشرک ہے ----- محلے دار سارے کے سارے بت پرست ہیں ----- دوست و احباب سب غیر اللہ کے پجاری ہیں ----- پورے شہر میں میرے عقیدے اور میرے مؤقف کا ایک شخص بھی حامی نہیں ہے ----- باپ نے گھر سے نکال دیا تو جاؤں گا کہاں؟ ----- کھاؤں گا کہاں سے؟ ----- میرے پاس تو سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں ہے، رہوں گا کہاں؟

مگر قربان جاؤں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عزیمت پر ---- ان کی جرأت

واستقلال پر ---- ان کی بہادری واستقامت پر ---- کہ باپ کی اتنی سخت اور شدید دھمکی کو سن کر ذرا بھی گھبرائے نہیں ---- ہچکچائے نہیں ---- اپنے مؤقف سے ایک انچ پیچھے ہٹے نہیں ---- بلکہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر فرمایا :

سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (۱۹ : ۴۷)

بابا ! میرا آخری سلام قبول کر (تو گھر چھوڑنے کی دھمکی سے ڈراتا ہے ---- میں ایک گھر کیا ---- ساری کائنات کو چھوڑ سکتا ہوں۔ مگر اس مسئلہ توحید والے مؤقف میں لچک پیدا نہیں کر سکتا) میں تیرے لیے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا۔ یقیناً وہ مجھ پر مہربان ہے۔

سَلَامٌ عَلَيْكَ کا مفہوم

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ مشرکین و کفار کو سلام کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد آذر کو کیوں سلام کیا ---- جب کہ وہ بت پرست تھا ---- مشرک تھا ---- اور ابراہیم علیہ السلام کو سنگسار کرنے کی اور گھر سے نکل جانے کی دھمکی دے رہا تھا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ تعظیم و سلامتی کی دعا والا سلام نہیں تھا بلکہ متارکت کا سلام تھا، یا رخصت کا سلام تھا۔ (یعنی کسی کو چھوڑنے اور اس سے قطع تعلق کرنے کا سلام تھا) اللہ ربُّ العزت نے اپنے مومن اور صالح بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ان کی ایک صفت کا تذکرہ اس طرح فرمایا :

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (فرقان ۲۵ : ۶۳)

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں (یعنی ان کی چال میں تکبر اور غرور کا شائبہ بھی نہیں ہوتا) اور جب جاہل ان سے بحث کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں بس تمہیں سلام ہو۔ (یہ سلام متارکت ہے)

قرآن مجید نے مومنین اہل کتاب کی صفات کا تذکرہ فرمایا تو انکی ایک صفت کا ذکر اس طرح فرمایا:

وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ز لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (القصص ۲۸ : ۵۵)

اور جب وہ کوئی فضول اور بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہین ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمھارے اعمال تمھارے لیے ہیں۔ بس تمھیں سلام ہو ہم جاہلوں سے بحث کرنا نہیں چاہتے۔

میرے عرض کرنے کا مقصد اور مدعا یہ ہے کہ سلام کا حقیقی اور اصلی معنی تو دعا کا ہے ---- یعنی اللہ تم کو سلامت رکھے ---- ہر آفت اور مُصیبت اور ہر تکلیف اور ہر غم سے محفوظ رکھے۔ یا جس حال مین تم ہو اور جس عقیدے پر تم ہو اللہ تمھیں اس میں سلامت رکھے ---- اس معنی کے اِعتبار سے کفار و مشرکین کو سلام کرنا جائز نہیں۔

سلام کا مجازی معنی ہے کسی کو رخصت کرنا ---- کیونکہ رخصت ہوتے وقت سلام کیا جاتا ہے ---- اس معنی کے لحاظ سے کفار و مشرکین کو سلام کرنا جائز ہے ---- یعنی مشرکین سے بحث کو ترک کرنا اور ان سے تعلق کو ختم کرنا ---- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سَلَامٌ عَلَيْكَ فرمانا اس دوسرے معنی کے اعتبار سے تھا۔

مشرکین کے لیے دُعاءِ مغفرت

مشرکین اور کفار کے لیے مغفرت مانگنے سے اور ان کے لیے استغفار کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔ اور سختی کے ساتھ روکا ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى (توبہ ۹ : ۱۱۳)

کسی نبی کو اور مومنوں کو لائق نہیں کہ بخشش مانگیں مشرکین کے لیے اگرچہ وہ قریبی رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں۔

پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے یہ کیوں کہا سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ----- اور ایک موقع پر رب سے درخواست کی: وَاغْفِرْ لِاَبِيْ ------- مولا میرے بابا کو معاف فرمادے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو توقع اور امید تھی کہ میرا والد ایمان قبول کرلے گا۔ اور اسے ہدایت نصیب ہوجائے گی۔ جو مغفرت اور بخشش کا سبب ہے۔

میں تیرے لیے بخشش طلب کروں گا ----- اس سے مراد یہ ہے کہ تیری ہدایت کے لیے دعا کروں گا ---- اللہ تجھے ہدایت دے کر سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دے ---- یہ توجیہ اور تفسیر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے مشرک والد کے لیے استغفار کرتے رہنا ---- ہدایت و بخشش کی دعا کرتے رہنا اسی وعدے کی وجہ سے تھا جو انھوں نے اپنے بابا سے جدا ہوتے ہوئے فرمایا تھا ------ آپ توقع اور امید رکھے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ اسے راہِ ہدایت دکھا کر ----- اور ایمان کی دولت عطا کرکے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردے گا ----- جب اللہ نے ان پر واضح کردیا کہ ان کا والد ایمان قبول کرنے والوں میں سے نہیں ہے تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی اس دعاء مغفرت سے بری اور بیزار ہوگئے اور پھر کبھی اس کے لیے دعا نہیں کی۔

قرآن مجید میں اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ

فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ
(سورۃ توبہ ۹ : ۱۱۴)

اور ابراہیمؑ کا اپنے والد کے لیے دعاء مغفرت کرنا صرف اس وعدے کی وجہ سے تھا جو انھوں نے اپنے والد سے کرلیا تھا (سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ) جب ان پر یہ حقیقت کھل گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو ابراہیم اس سے بیزار ہوگئے بے شک ابراہیمؑ بہت نرم دل اور بردبار تھے۔

ایک مغالطہ کا جواب

کچھ لوگ جو دشمنانِ اصحابِ رسول کے عقائد و نظریات سے متاثر ہیں ----

ان کا خیال ہے کہ آذر ---- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی والد نہیں تھا، بلکہ چچا تھا ---- جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش کی تھی ---- ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ قرآن نے یہاں والد کا نام آذر بتایا ہے ---- مگر تورات اور انساب کے علماء اس کا نام تارخ بتایا ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ قرآن نے لِاَبِیْهِ کہہ کر صراحت کی ہے کہ آذر ان کا والد تھا ---- پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام اسے خطاب کرتے ہوئے بار بار یٰۤاَبَتِ ---- یٰۤاَبَتِ اے میرے ابا اے میرے ابا کہہ کر خطاب فرما رہے ہیں ---- اَبِیْهِ، اَبَتِ ---- اَبٌ کا حقیقی معنی والد ہی کا ہے ---- اور علم معانی کا اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ کسی لفظ کا مجازی معنی وہاں کیا جائے گا ---- جہاں حقیقی اور اصلی معنی کرنا مشکل ہو ---- اور اگر حقیقی معنی مراد لینے میں کوئی مشکل نہ ہو تو پھر مجازی معنی مراد لینا صحیح نہیں ہوگا۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تارخ ان کا نام ہو اور آذر لقب ہو۔ (جس طرح شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تحریر فرمایا ہے)

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آذر بت کا نام ہو۔ جیسے علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالی

نے تحریر فرمایا ہے ------ ہو سکتا ہے اور آذر نامی بت کی خدمت میں زیادہ رہنے اور اس سے محبت کرنے کی وجہ سے خود ان کا لقب آذر پڑ گیا ہو۔

آج کے خطبہ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں ---- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ کا بقیہ حصہ ان شاء اللہ العزیز آئندہ جمعۃ المبارک کے خطبہ میں بیان کروں گا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ
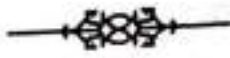
سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ۔ ۲

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰٓی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝ وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۝ (صدق اللہ العظیم) (الانبیاء ۲۱ : ۵۱۔۵۴)

سامعین گرامی قدر ! جد الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سیرت طیبہ اور ان کی زندگی کے سچے واقعات میں سے ---- کچھ حصہ گزشتہ جمعۃ المبارک کے خطبہ میں بیان کرچکا ہوں کہ انھوں نے کس ماحول میں آنکھ کھولی ---- کیسے معاشرے میں پروان چڑھے ---- کیسے گھرانے میں سن شعور کو پہنچے ----- ایک بت گر اور بت فروش گھرانے میں جنم لے کے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا ----- ان کا اپنا گھرانہ شرک کا اڈا تھا ---- باپ بت پرست تھا ----- اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ---- تو جب پیغام الٰہی سنانے کا وقت آیا ---- تو انھوں نے اس پیغام سنانے اور تبلیغ و دعوت کی ابتداء اپنے مشرک والد سے فرمائی اور اتنی نکھری ہوئی توحید بیان کی ---- اور والد کے معبودوں پر ایسی کاری ضرب لگائی ---- کہ رہے نام اللہ کا۔

والد غصّے اور غضب میں پاگل ہو گیا ---- اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کو گھر سے نکال دیا ------ اب سیدنا ابراھیم علیہ السلام گھر سے باہر آئے ----- دیکھا کہ پوری قوم بت پرست ہے ----- بے جان بتوں کے آگے سر جھکائے بیٹھی ہے ---- پتھر کی مورتیوں کے سامنے سجدہ ریز ہے ----- ان کے آگے نذر و نیاز کی شیرینیاں رکھتی ہے۔

قوم کو خطاب

سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے بت پرست قوم کے سامنے پیغامِ الٰہی اور دعوتِ توحید کو کتنے خوبصورت اور نکھرے ہوئے "جابرانہ" انداز میں پیش فرمایا ---- انداز یہاں بھی مُثبت نہیں بلکہ منفی رکھا ----- یہ نہیں فرمایا ----- کہ اللہ اِلٰہ ہے ----- ہاں ابتداء میں یہ نہیں فرمایا ----- کہ اللہ کو معبود مانو ---- اللہ کو مسجود مانو ----- وہ تمھارا خالق اور رازق ہے ----- مالک اور مختار ہے ----- ساری کائنات کا رب ----- پالنہار ----- اور روزی رساں ہے۔

سیدنا ابراھیم علیہ السلام کے دعوت کے انداز کو دیکھیے ----- خدا گواہ ہے بندہ حیران ہو جاتا ہے ---- ذرا اس حالت اور وقت کو بھی پیش نظر رکھ کر دیکھیے ----- حالات یہ ہیں کہ والد نے گھر سے نکال دیا ہے ----- سر چھپانے کے لیے ان کے پاس کوئی جگہ نہیں ہے ----- کوئی ظاہری سہارا نہیں ہے ----- ایسے موقع پر اور ایسے نازک اور دگرگوں حالات میں بندہ سوچتا ہے کہ اب مجھے معمولی سی نرمی اختیار کرلینی چاہیے ----- تھوڑی سی مصلحت سے کام لینا چاہیے ----- بندہ اس فارمولے پر غور کرتا ہے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی بچ جائے -----

مگر سیدنا ابراھیم علیہ السلام کے تبلیغ کے انداز میں ----- اور مشرکین کے معبودانِ باطلہ پر کاری ضرب لگانے میں رائی کے دانے کے برابر بھی لچک

پیدا نہیں ہوئی ----- بلکہ بڑے جارحانہ انداز میں اپنی دعوت کو اور پیغام رسالت کو وسیع کرتے ہوئے فرمایا:

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (الانبیاء ۲۱ : ۵۲)

یہ مورتیاں (تصویریں اور مجسّمے) کیا ہیں (ان کی حقیقت کیا ہے کیا یہ نفع و نقصان پہنچانے پر قادر ہیں ----- تمھیں دیکھتے ہیں، تمھارے حالات سے واقف ہیں) جن (کی پرستش) پر تم جمے بیٹھے ہو۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ------ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ----- کا ترجمہ بڑا خوبصورت فرمایا ہے ----- کہ یہ مورتیاں کیا ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو (جس طرح آج بزرگوں کی قبروں پر لوگ مجاورت کرتے ہیں اسی طرح وہ لوگ بتوں کے مجاور بنتے تھے ---- سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا)

ایک اور مقام پر قرآن مجید نے سیدنا ابراھیم علیہ السلام کی دعوت اور پیغام کو ایک اور انداز سے پیش فرمایا ----- جب حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے والد اور قوم کے لوگوں سے پوچھا ----- مَا تَعْبُدُوْنَ ------- تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ (یعنی یہ معبود اور اِلٰہ بننے کے لائق نہیں ہیں) قوم نے جواب میں کہا ----- نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ (۲۶ : ۷۱) ------- ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں ----- پھر سارا دن ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ----- ان کے آگے مجاورت کرتے ہیں۔

سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے ان کا جواب سن کے فرمایا:

هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝ (شعراء ۲۶ : ۷۳)

جب تم ان کو (مصائب اور دکھوں میں) پکارتے ہو تو کیا وہ تمھاری

پکار کو سنتے ہیں؟ ---- یا (پکارنے کی صورت میں) تھیں نفع پہنچا سکتے ہیں --- یا (نہ پکارنے کی صورت میں) تھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

دیکھا آپ نے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو غیر اللہ کی عبادت اور پکار سے روک رہے تھے تو انھوں نے اسی دلیل کا سہارا لیا کہ وہ سنتے نہیں ----- اور جو سنے نہیں اسے پکارنے کا فائدہ؟

اور آج قوم کو خطاب کر رہے ہیں ---- تو تب بھی اسی دلیل کو پیش فرمایا کہ جب تم مصائب اور دکھوں میں ------ تکالیف اور غموں مین ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمھاری پکار کو سنتے ہیں؟

آج جمعیت اِشاعت التوحید و السُّنّت کے مبلغین اور خطباء اور علماء بھی سُنّتِ ابراہیمؑ پر عمل کرتے ہوئے اسی دلیل کو پیش کرتے ہیں ----- کہ جن فوت شدہ بزرگوں کو تم مصائب اور دکھوں میں پکارتے ہو وہ تمھاری پکاریں نہیں سنتے ------ اور جو پکار کو سرے سے سنے ہی نہیں ----- اس کو پکارنے کا فائدہ؟

قرآن کہتا ہے -------

❶ اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی (نمل ۲۷ : ۸۰)

(اے میرے محبوب پیغمبر) بے شک تم بھی مردوں کو سنا نہیں سکتے۔

❷ وَمَآ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ (فاطر ۳۵ : ۲۲)

میرے پیغمبر آپ ان کو جو قبروں میں مدفون ہیں نہیں سنا سکتے۔

قرآن مجید ایک مقام پر کہتا ہے :

❸ اِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡا دُعَآءَکُمۡ (فاطر ۳۵ : ۱۴)

اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سنتے۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے :

۲ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ (احقاف ۴۶ : ۵)

اور وہ (جن کو پکارا گیا) ان پکارنے والوں کی پکار سے بے خبر ہیں۔

کوئی ایک آیت تو نہیں ہے ----- کئی آیتیں اس حقیقت پر اور اس دعوے پر پیش کی جاسکتی ہیں کہ وفات کے بعد چاہے کوئی ہو ------ وہ دنیا والوں کا کوئی کلام سن نہیں سکتا۔

قوم کا جواب

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور پیغام کے جواب میں ----- اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کے جواب میں کہ:

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (الانبیاء ۲۱ : ۵۲)

------- قوم نے کیا کہا ----- ذرا دیکھیے قرآن ان کے جواب کو کس طرح نقل کرتا ہے:

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ (انبیاء ۲۱ : ۵۳)

کہنے لگے (ہم نے تو اپنے باپ دادا کو ان ہی کی پوجا کرتے پایا ہے۔

یہ مشرکین کی اپنے شرک پر سب سے بڑی دلیل ہوتی ہے کہ ہم یہ کام اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارے بڑے اور ہمارے آباء و اجداد (باپ دادا) اسی طرح کیا کرتے تھے۔

آج بھی کچھ لوگوں سے ان کے شرکیہ افعال اور بدعت والے اعمال کے مُتعلق پوچھا جائے تو ان کا جواب بھی یہی ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگ، ہمارے آباء و اجداد ----- ہمارے وڈیرے یہ کام کرتے تھے۔ لہٰذا ہم بھی یہ کام کر رہے ہیں۔

سیّدنا اِبراہیمؑ کا جواب

قوم کے اس فضول اور لچر جواب پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خاموشی اِختیار نہیں

فرمائی ------ بلکہ بڑی جرأت و بہادری سے فرمایا:

لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الانبیاء ۲۱ : ۵۴)

بلاشک و شبہ تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی اور واضح گمراہی میں ہیں۔

لوگو! یہ کہنا ----- اتنا سخت اور تند و تیز جملہ کہنا ------ کھلی گمراہی کا فتویٰ لگانا ------ اور فتویٰ صرف اس وقت کے موجود لوگوں پر نہیں ------ بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ان کے آباء و اجداد پر بھی ------- ان کے وڈیروں پر بھی -------- ان کے باپ دادا پر بھی ------ کہ اگر وہ بھی غیر اللہ کے پجاری تھے ------ تو وہ بھی کھلے گمراہ تھے۔ ----- آسان نہیں تھا یہ جرأت خلیل اللہؑ ہی کی ہو سکتی ہے۔

ایک اور مقام

قرآن مجید نے دوسری جگہ پر قوم کے جواب کو اس طرح ذکر فرمایا:

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (شعراء ۲۶ : ۷۴)

کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح (یعنی بت پرستی) کرتے ہوئے پایا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ (شعراء ۲۶ : ۷۵-۷۶)

بھلا تم دیکھتے ہو کہ جن کی پوجا پاٹ کرتے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا (یعنی ان کا پوجنا، ان کی پرستش کرنا، ان کی عبادت و پکار کرنا ایک پرانی حماقت اور بے وقوفی ہے ------ جو تمہاری پکار سن نہ سکتے ہوں۔ جو تمہاری پکار کا جواب نہ دے سکتے ہوں، جو تمہارے نفع و نقصان کا اختیار نہ رکھتے ہوں۔

جو اپنے چہرے پر بیٹھی ہوئی مکھی نہ اڑا سکتے ہوں۔ جو بے بس اور بے اختیار ہوں۔ جو مجبور اور لاچار ہوں۔ جو دیکھ اور سن نہ سکتے ہوں۔

ایسوں کو پکارنا ------ اور ایسوں کی پوجا پاٹ کرنا حماقت اور بے وقوفی ہے ------ تم اتنے احمق اور نادان ہو کہ اتنی واضح اور ظاہر بات کو نہیں سمجھ سکتے ہو ----- اتنی کھلی حقیقت کو پہچان نہیں سکتے ہو۔

قوم اور والد کی طرف سے جب کوئی جواب سامنے نہ آیا ----- قوم اور والد ----- نے ہٹ دھرمی اور ضد کی بنا پر ------ ایک ہی راگ الاپا ----- ایک ہی جواب دیا کہ یہ ہمارا آبائی دین ہے ------ یہ ہمارے آباء و اجداد کی ریت اور طریقہ ہے۔ تو۔

سیدنا ابراہیمؑ کے سمجھانے کا خوبصورت انداز

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک خاص انداز ----- اور خوبصورت طریقے سے اللہ رب العزت کی ہستی اور ذات کی طرف اس طرح توجہ دلائی:

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ (شعراء ۲۶ : ۷۷)

میں تمہارے معبودوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔

اس کا ایک مفہوم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ:

ان کی عبادت اور پوجا پاٹ میں تمہارے لیے ذرہ برابر بھی نفع تو نہیں ----- ہاں ان کی عبادت و پکار باعثِ ضرر ہے ------ تمہارے لیے باعثِ نقصان ہے ------ کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کا ایندھن بنو گے ------ اور اللہ کی ناراضی، غصہ اور غضب کے سزاوار ٹھہرو گے ------

تفسیر عثمانی میں بھی یہی لکھا گیا ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کی تفسیر میں ایک اور قول بھی نقل فرماتے ہیں۔

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ ------ تمھارے معبود میرے دشمن ہیں -----

اور جس طرح دشمنوں سے لڑائی ہوتی ہے اب میری بھی ان سے لڑائی اور جنگ ہے ------ اور جس طرح جنگ اور لڑائی میں دشمنوں کو نقصان پہنچایا جاتا ہے میں بھی ان کی صحیح مرمت کروں گا ----- اور ان کی ایسی گت بناؤں گا کہ رہے نام اللہ کا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس بات کو ایک اور مقام پر یوں بیان فرمایا:

وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ۔

(سورۃ الانبیاء ۲۱ : ۵۷)

"اور قسم اللہ کی میں تمھارے معبودوں کا علاج کروں گا جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے"۔

ایک مقام پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسے اِس انداز میں بیان فرمایا:

وَ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا۔

(سورۃ الانعام ۶ : ۸۰)

میں تمھارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو نہیں ڈرتا (وہ میرا کچھ بھی نہیں لگاڑ سکتے) مگر یہ کہ میرا رب ہی مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ ------ تمھار معبود میرے دشمن ہیں ------ میں بے خوف و خطر ہو کر ان سے اعلان جنگ کرتا ہوں

اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ○

ہاں میں اس ہستی کو اپنا معبود، مسجود، اور محبوب سمجھتا ہوں ------ اسے اپنا مالک، مختار، اور اِلٰہ مانتا ہوں جو تمام کائنات اور تمام جہانوں کا رب ہے۔

ربّ کی صفات

اس کے کمالات اور اس کی صفات یہ ہیں:

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ----- (۲۶: ۷۸)

جس نے مجھے پیدا کیا ------ عدم سے وجود میں لایا ------- نیست سے ہست کردیا ------ نابود سے بود کردیا ----- جس نے گندے پانی کے قطرے پر ماں کے رحم میں ----- تین اندھیروں میں نقشہ جمایا اور اتنا خوبصورت اور حسین انسان بنادیا۔

پھر وہی مجھے راستہ دکھاتا ہے۔

یعنی فلاحِ دارین کی راہ ----- صراطِ مستقیم کی راہنمائی فرمائی۔

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ (۲۶: ۷۹)

میرا معبود وہ ہے جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

یعنی جس کے ہاتھ میں میری روزی اور رزق ہے ------ اور وہ خوبصورت طریقہ سے ہر شخص کو روزی فراہم کرتا ہے ----- اور پینے کے لیے پانی اتارتا ہے۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (۲۶: ۸۰)

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا بخشتا ہے۔

یعنی میرا نفع اور نقصان ------ میری بیماری اور صحت اسی کے ہاتھ میں ہے ----- شفا کا خزانہ بھی اسی کے پاس ہے۔

وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ (۲۶: ۸۱)

میرا معبود و مسجود وہ ہے جو مجھ کو مارے گا پھر زندہ کرے گا۔

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (۲۶ : ۸۲)

میرا معبود وہ ہے کہ میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرمادے گا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور پیغام ------ اور اعلان اور دلائل کا نچوڑ اور خلاصہ یہ ہے کہ ------ معبود اور مسجود ------ اور اِلٰہ صرف وہی ہوتا ہے جو خالق ہو ------ ہدایت کی راہیں آسان کرنے والا ہو ----- جو رازق ہو ----- پانی کا اتارنا ------ زمین میں محفوظ رکھنا ------ اس کے اختیار میں ہو ------- بیماری سے شفائیں بخشنا ----- دکھ دور کرنا مشکلیں آسان کرنا ----- اس کے اختیار میں ہو ----- زندگی اور موت جس کے اختیار اور قبضۂ قدرت میں ہو ------ گناہوں، خطاؤں، تقصیرات اور بھول چوک کو معاف کرنا اور بخش دینا جس کے اختیار میں ہو۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حسین سے حسین انداز میں والد اور قوم کو سمجھایا ----- ان کے معبودوں کی بے بسی اور بے چارگی بیان فرمائی ----- اپنے حقیقی معبود و مسجود کی خوبصورت صفات کا تذکرہ فرمایا ----- مگر والد اور قوم کے دل کسی طرح بھی نرم نہ ہوئے ----- ان کا ذہن ماننے کے لیے ذرہ بھی آمادہ نہ ہوا ------ بلکہ ان کا انکار حد سے گزرتا گیا ------ اور ضد دن بہ دن بڑھتی گئی ---- اور ہٹ دھرمی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور وہ لوگ حق بات کو ماننے پر آمادہ نہ ہوئے۔

قومِ ابراہیمؑ کواکب پرست بھی

سامعینِ گرامی قدر! سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم جس طرح بت پرستی کے شرک میں مبتلا تھی ---- اسی طرح وہ کواکب پرستی کی مریض بھی تھی -----

ان کا عقیدہ تھا ----- کہ انسانوں کے رزق کا انتظام ----- انسانوں کا نفع و نقصان ----- ستاروں کی حرکات اور تاثیرات پر چل رہا ہے۔

ان کا خیال یہ تھا کہ انسانوں کی موت و حیات ----- زمانے میں خشک سالی ----- بارشوں کا اترنا اور رک جانا ----- لوگوں کی کامیابی، فتح اور شکست ----- بیماری اور تندرستی ----- خوشحالی اور بدحالی ----- غرضیکہ تمام کارخانۂ عالم کا نظام اور انتظام ----- کواکب کی رفتار اور حرکات کے مطابق چل رہا ہے ----- اور ستاروں کی یہ حرکات اور یہ تاثیرات ان ستاروں کے ذاتی اوصاف اور کمالات میں سے ہے ----- اس لیے کواکب کی رضامندی ----- اور خوشنودی بہت ضروری ہے ----- اور ستاروں کی رضا ----- حاصل کرنے کے لیے ان کی پرستش ----- عبادت ----- پوجا پاٹ لازمی ہے ----- ہم ستاروں کو سجدہ کریں گے تو وہ خوش ہوں گے ----- ہم ان کی پکار کریں گے تو وہ خوش ہوں گے ----- ہم ان کے نام کی نذر و نیاز دیں گے تو وہ خوش ہوں گے اور وہ خوش ہوں گے تو ہم پر خوشحالی آئے گی ----- دکھ دور ہوں گے ----- مالی ترقی ہوگی ----- بیماریوں میں صحت نصیب ہوگی۔

(آج کل ترقی کے اس دور ----- اور تعلیم یافتہ زمانہ میں بھی آپ دیکھتے ہیں اخبارات اور رسائل میں ستاروں کے ذریعے معلوم کیا جاتا ہے کہ آپ کا یہ ہفتہ کیسا رہے گا)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ

اس لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح قوم کو سفلی معبودانِ باطل (بت پرستی) کی حقیقت بتلائی اور ان کی بے بسی اور لاچارگی ظاہر کی ----- اور بت پرستی سے روکا ----- اسی طرح انھوں نے ان کے علوی معبودانِ باطل (کواکب پرستی) کی بے ثباتی، عاجزی، بے بسی اور فنا کے مناظر کو پیش کرکے اس

حقیقت کو ظاہر اور واضح کیا ----- کہ تمھارا یہ خیال سراسر غلط اور جہالت پر مبنی ہے کہ ان چمکتے ہوئے ستاروں، سورج اور چاند کو معبودیت اور الوہیت کے اختیار حاصل ہیں ------ اور یہ تمھارے مسجُود ہیں اور تمھارا نفع اور نقصان ان کے ہاتھ میں ہے ----- اور یہ کارخانۂ عالم ان کی حرکات اور تاثیرات کے مطابق چل رہا ہے۔

چاند، سورج، ستارے اِلٰہ نہیں

سیدنا ابراہیم علیہ السّلام نے اپنی قوم کو کواکب پرستی سے روکنے کے لیے ----- کواکب کی بے بسی، لاچارگی، معذوری، اور مجبوری کو کتنے خوبصورت اور دل نشین انداز میں بیان فرمایا۔

تاروں بھری رات تھی ------ آسمان دنیا پر بے شمار ستارے جگمگا رہے تھے ----- ان میں سے ایک ستارہ خوب روشن تھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السّلام نے اس روشن تارے کو دیکھ کر فرمایا:

هٰذَا رَبِّیْ ------ یہ ہے میرا رب؟

سمجھانے کا انداز دیکھیے ------ کہ اگر تارے معبُود اور رب ہو سکتے ہیں ----- تو پھر اس تارے کو معبُود اور رب ہونا چاہیے کیونکہ یہ سب سے زیادہ روشن اور چمک دار ہے ----- اور سب ستاروں میں ممتاز اور مُنفرد ہے۔

ایک اشکال کا جواب

بعض حضرات کے دل و دماغ میں خواہ مخواہ یہ اشکال اور شبہ پیدا ہوا کہ ----- العیاذ باللہ نبی اور پیغمبر نبوت اور پیغمبری عطا ہونے سے پہلے گناہ تو گناہ رہے شرک تک کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں ----- وہ حضرات دلیل میں سیدنا ابراہیم علیہ السّلام کے اس قول اور اِستدلال کو پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے

روشن ستارے کو دیکھ کر کہا تھا:

هٰذَا رَبِّيْ ----- یہ روشن ستارہ میرا رب ہے ----- سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے العیاذ باللہ ستارے کو رب کہا ---- وہ نبوت سے پہلے ستارہ پرستی میں مبتلا رہے ہیں۔

اس بودے اور لچر اشکال کا ایک جواب جو متقدمین اور متاخرین علماءِ کرام اور مفسرینِ عظام نے دیا ہے ---- وہ یہ ہے کہ یہاں ہمزۂ اِستفہام محذوف ہے ---- یعنی اصل عبارت یوں ہے ----- آ هٰذَا رَبِّيْ ----- کیا یہ تارہ میرا رب ہے؟

کچھ مفسرین نے فرمایا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے هٰذَا رَبِّيْ ----- ستارہ پرست قوم کو تارہ دکھا کر ----- اور اپنی بات سنا کر الزامی حجت قائم کرنے کے لیے کہا ----- مناظرے اور مباحثے میں اپنے مخالف پر اور تبلیغ و دعوت میں سامعین پر الزامی حجت ---- الزامی جواب ----- الزامی استدلال قائم کرنا ----- کبھی کبھی زیادہ مفید اور نفع مند ہوتا ہے ----- اس طرح مقابل لاجواب ہوجاتا ہے ----- ایسی دلیل کو رد کرنا اس کے لیے ناممکن ہوجاتا ہے۔

خود قرآن مجید میں ایک جگہ پر موجود ہے کہ اللہ ربُّ العزت قیامت کے دن مشرکین سے فرمائیں گے:

اَیْنَ شُرَکَآئِیَ

آج میرے شریک کہاں ہیں؟

یہاں کوئی کور باطن بھی نہیں کہہ سکتا ----- کوئی احمق سے احمق بھی اس کا یہ مطلب مراد نہیں لیتا کہ اللہ تعالیٰ اَیْنَ شُرَکَآئِیَ ----- کہہ کر اپنے شریکوں کا وجود تسلیم کر کے انھیں بلا رہا ہے۔

بلکہ مراد بالکل واضح ہے کہ حجت الزامی کے طور پر اللہ کہنا چاہتا ہے کہ

وہ شریک کہاں ہیں جو تمہارے خیال اور گمان اور زعم میں میرے شریک تھے۔
اَیْنَ شُرَکَائِیَ ای عَلٰی زَعْمِکُمْ (بحر محیط) ---- اَیْنَ شُرَکَائِیَ ای عَلٰی قَوْلِکُمْ (قرطبی)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا هٰذَا رَبِّیْ فرمانا ---- اس کا مفہوم اور مطلب بھی یہی ہے کہ
هٰذَا رَبِّیْ ای فِیْ زَعْمِکُمْ وَاعْتِقَادِکُمْ
یعنی تمہارے عقیدے اور گمان کے مطابق یہ تارا میرا رب ہے۔
آگے امام رازیؒ نے اس کی ایک نظیر اور مثال قرآن سے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ:

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:
وَانْظُرْ اِلٰۤی اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا (طٰہٰ ۲۰: ۹۷)
اب اپنے اِلٰہ کی طرف دیکھ جس پر تمام دن تو مجاور بن کر بیٹھا رہتا ہے۔
یہاں بھی مراد یہ ہے کہ جس کو تو اپنے گمان اور اپنے خیال میں اِلٰہ سمجھتا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تقریر

اصل میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بیان اور تقریر کا ذکر ہو رہا تھا اور هٰذَا رَبِّیْ کہنے پر ایک اشکال کا جواب میں نے دینا مناسب سمجھا۔
آئیے اپنے اصل موضوع کی طرف پلٹتے ہیں۔
سیدنا ابراہیم علیہ السلام کواکب پرستی سے قوم کو روکنا چاہتے ہیں ---- تو سمجھانے کا انداز کتنا دل نشین اور خوبصورت اختیار فرمایا۔
چمکتے ہوئے تارے کو دیکھا ---- فرمایا تمہارے گمان اور عقیدے کے مطابق یہ ستارہ میرا رب ہے؟۔

فَلَمَّآ اَفَلَ ------ پھر جب وہ تارا غائب ہو گیا ----- سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا:

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ (انعام ۶ : ۷۶)

میں چھپ جانے والوں (منظر سے غائب ہوجانے والوں) کو پسند نہیں کرتا۔

یعنی جو چیز کبھی سامنے آئے اور کبھی غائب ہوجائے ----- وہ خود انسان کی طرح کسی قانون میں جکڑی ہوئی اور پابند ہو ----- جو اپنے پرستاروں کے لیے ---- پوجنے والوں کے لیے اپنے وقت سے ایک گھڑی زیادہ ٹھہر نہ سکتا ہو ----- جس چیز پر انسان سے زیادہ تغیرات کا اثر ہوتا ہو ----- جو اتنا مجبور اور بے بس ہو وہ میرا معبود اور الٰہ نہیں ہو سکتا۔

چاند کو دیکھا

پھر نگاہ اٹھائی تو چاند اپنی تابانی ----- اور پورے آب و تاب کے ساتھ ---- چمک رہا ہے ----- ضیاء پاشیاں کر رہا ہے ----- اس کی ٹھنڈی ٹھنڈی اور میٹھی میٹھی روشنی سے زمین روشن ہے۔

سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے چاند کے حسن اور چمک کو دیکھ کر فرمایا:

هٰذَا رَبِّيْ ---- کیا یہ میرا رب ہے؟ ----- یا تمھارے گمان اور عقیدے کے مطابق یہ چاند میرا رب ہے؟

پھر سحر کا وقت قریب ہونے لگا تو چاند کی روشنی مدھم پڑنے لگی ---- جوں جوں آفتاب کے طلوع کا وقت قریب ہوتا گیا ----- پھر ہوتے ہوتے چاند منظر سے غائب ہو گیا ----- تو سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا:

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ

(انعام ۶ : ۷۷)

اگر میرا رب میری صحیح راہنمائی نہ کرتا میں بھی ضرور گمراہ قوم ہی میں سے ایک ہوتا۔ (یہاں سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے چاند کے رب ہونے کی نفی کے ساتھ ساتھ ----- اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و الوہیت کا بھی تذکرہ فرما دیا)

اس قدر سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا اور خاموش ہو گئے --------

اس لیے کہ ابھی دلائل کے اس سلسلہ کی ایک کڑی باقی تھی ------- اور قوم کے پاس ابھی مقابلہ کے لیے ایک ہتھیار باقی تھا ----- جسے وہ استعمال کر سکتے تھے ----- اس لیے آپ نے فی الحال اس سے زیادہ کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔

کیا سورج رب ہے؟

تاروں بھری رات ختم ہو گئی ----- جگمگ، جگمگ کرتے ستارے نظروں سے اوجھل ہو گئے ----- ضیا پاشیاں کرتا ہوا چاند چھپ گیا ---- کیونکہ اب آفتاب عالمتاب ----- اور روشن سورج کے نکلنے کا وقت قریب آ گیا تھا ---- سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمکنے اور دمکنے لگا۔

سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا:

هٰذَا رَبِّي هٰذَآ أَكْبَرُ

یہ میرا رب ہے (تمہارے گمان اور خیال کے مطابق) کیونکہ کواکب میں یہ سب سے بڑا ہے۔ اور نظام فلکی میں اس سے بڑا ستارہ ہمارے سامنے کوئی اور نہیں ہے۔

مگر دن بھر روشن رہنے کے بعد اور چمکنے کے بعد ----- اپنے مقررہ وقت پر مدھم ہونے لگا ----- اس کا رنگ زردی میں بدلنے لگا ---- رات کی سیاہی دھیرے دھیرے چھانے لگی ---- آخر کار سورج نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اب اصل اور حقیقی وقت آن پہنچا تھا کہ سیدنا ابراھیم علیہ السلام ----- صحیح حقیقت بیان فرمائیں ---- عقلی دلیل کی قوت سے باطل کا سر پاش پاش کر دیں

---- مضبوط دلیل سے دشمن کو لا جواب اور مبہوت کر دیں ---- اور انھیں سوچنے پر مجبور کر دیں کہ اِلٰہ، رب اور معبود ---- یہ تغیر پذیر، قانون کے پابند اور وقت کے مطیع تارے نہیں ہیں بلکہ حقیقی معبود و مسجود وہ ہے جو ان تاروں کا خالق بھی ہے اور مدبر بھی ہے ---- جس کے حکم کے یہ غلام ہیں ---- اور جس کے قانون کے یہ پابند ہیں۔

قوم کو بتانے کا وقت آگیا تھا ---- کہ سورج، چاند، اور ستارے اِلٰہ اور معبود نہیں ہیں ---- اگر وہ معبود ہوتے تو ان میں تغیرات اور تبدیلیاں واقع نہ ہوتیں۔

اگر وہ معبود ہوتے تو چمکتے چمکتے یوں ڈوب نہ جاتے ---- تاروں کی روشنی کو چاند کی روشنی نے ماند کر دیا ---- اور چاند سورج کے طلوع ہوتے ہی چھپ گیا ---- منظر سے غائب ہونے والا ---- چھپ جانے والا ---- منظر سے ہٹ جانے والا اِلٰہ اور معبود نہیں ہو سکتا۔

(بندیالوی کہتا ہے جو منظر سے ہٹ جائے اور چھپ جائے --- جس پر موت آجائے اور قبر میں چھپ جائے وہ اِلٰہ اور معبود بننے کے لائق نہیں ہے)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اب دھڑلے کے ساتھ فرماتے ہیں :

اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (الانعام ۶ : ۷۸)

میں اس شرک سے بیزار اور بری ہوں جو تم کرتے ہو۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (۶ : ۷۹)

یقیناً میں نے اپنے چہرہ اور رُخ (ذات) صرف اس اللہ کی طرف کر لیا ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا ہے۔ سب لوگوں سے یکسو ہو کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اب قوم کے لوگوں کو ----- بڑوں کو اور چھوٹوں کو ----- مردوں کو اور عورتوں کو سمجھ آئی کہ یہ سب کچھ کیا ہے؟ اب ان کی آنکھیں کھلیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کتنی عمدگی سے ----- اور کتنے احسن انداز سے ----- اور کتنے خوبصورت دلائل سے ----- اور حسن بیان سے ہمارے تمام ہتھیار بیکار کردیے ----- اور ہمارے تمام دلائل پامال کردیے۔

مشرکین کی بے بسی اور عاجزی

وہ سوچتے رہ گئے اور ہکا بکا رہ گئے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے محکم اور مضبوط دلائل کا رد کیسے کریں ---- ان دلائل کو کیسے توڑیں۔

قوم کے لوگ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مضبوط دلائل اور عقلی استدلال کا کوئی جواب نہ دے سکے ----- وہ ہر طرح سے لاجواب ہوگئے، عاجز آگئے، بے بس ہوگئے، مبہوت رہ گئے ------ تو بجائے ماننے کے اور حق بات کو تسلیم کرنے کے ------ حضرت ابراہیمؑ سے جھگڑنے لگے ----- جدال پر اتر آئے ---- وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے معبودوں سے ڈرانے لگے کہ ہمارے معبود اپنی توہین کا تجھ سے ضرور بدلہ اور انتقام لیں گے اور تجھے اس مخالفت اور توہین کا خمیازہ ضرور بھگتنا ہوگا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بڑے حوصلے کے ساتھ قوم کو جواب دیا۔

اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰہِ وَقَدْ ھَدٰىنِ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِہٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ (انعام ۶ : ۸۰)

کیا تم مجھ سے جھگڑا کرتے ہو اللہ کے بارے میں (یعنی اللہ کی وحدانیت و معبودیت و الوہیت کے بارے میں) حالانکہ اس اللہ نے مجھے حق کی راہ دکھائی ہے۔

(تم مجھے اپنے بے جان، بے بس، مجبور اور معذور بتوں ----

معبودوں سے ڈراتے ہو) جنھیں تم اللہ کے شریک ٹھہراتے ہو۔ میں ان سے نہیں ڈرتا۔ (میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمھارے معبود مجھے ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا سکتے) مگر یہ کہ میرا اللہ مجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ کی یہ عظیم حجت اور زبردست دلیل تھی ----- اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا انداز تھا جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بت پرستی کے خلاف تبلیغ و نصیحت کرنے کے بعد ---- کواکب پرستی کے رد اور تردید میں عطا فرمایا تھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا جارحانہ انداز

اتنے روشن اور واضح دلائل اور کھلی نشانیوں اور براہین کے باوجود ---- جب قوم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور پیغام کو قبول نہ کیا ----- وہ بت پرستی جیسے شرک اور کواکب پرستی جیسی لعنت میں مبتلا رہے ---- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آذر پر ----- اور ہٹ دھرم قوم پر اس ناصحانہ تبلیغ کا کچھ بھی اثر نہ ہوا ----- وہ اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہے ---- مجاور بن کر ان کے آگے بیٹھے رہے ----- بتوں کی پرستش پر قائم رہے۔

بلکہ ان کے مذہبی راہنماؤں نے ----- اور دینی پیشواؤں نے ---- ان کے پنڈتوں اور سرداروں نے ان کو غیر اللہ کی عبادت، پرستش پر اور زیادہ پختہ اور مضبوط کر دیا ----- انھوں نے قوم کے لوگوں کو سختی کے ساتھ منع کر دیا کہ ابراہیمؑ کی دعوت و بیان اور پیغام پر کان نہ دھریں۔ اور ان کی کوئی بات بھی نہ سنیں۔

اب جب قوم کی حالت ضد و عناد، ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے یہاں تک پہنچی تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ اب مجھ کو سمجھانے کا اور بات

منوانے کا ایسا طریقہ اور پہلو اختیار کرنا چاہیے جس سے ---- عوام و خواص کو ---- اور قوم کے بچے بچے کو معلوم ہوجائے ----- اور یہ حقیقت ہر ایک پر کھل جائے کہ ہمارے دیوتا ---- اور ہمارے معبود ------ صرف پتھروں کے مجسمے اور لکڑیوں کی مورتیاں ہیں ------ یہ سب بے جان تصویریں ہیں ---- یہ کلی طور پر بے بس اور لاچار ہیں۔

یہ مورتیاں اور بے جان تصویریں ----- نری گونگی ہیں جو بول نہیں سکتیں ----- نری بہری ہیں جو پکارنے والوں کی پکار کو سن نہیں سکتیں ----- وہ نری اندھی ہیں ----- جو پکارنے والوں کو دیکھ نہیں سکتیں۔

انھیں سمجھانے کا ایسا طریقہ اختیار کیا جائے ----- کہ ان پر یہ بات واضح ہوجائے کہ جو معبود اتنے کمزور اور بے بس ہوں کہ اپنی حفاظت اور بچاؤ نہ کرسکیں وہ عبادت کرنے والوں کی حفاظت کیسے کرسکتے ہیں۔

قوم کو مشاہدہ ہوجائے اور وہ کھلی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ان کے معبود اور ان کے اِلٰہ ---- عبادت کرنے والوں سے بھی بڑھ کر عاجز اور لاچار ہیں۔

ایسا انداز اختیار کیا جائے کہ لوگوں کے ذہن ----- دماغ اور ان کے دل یہ گواہی دینے پر مجبور ہوجائیں کہ: "ان کے پنڈت، کاہن اور مذہبی راہنما جو کچھ ان بتوں کے متعلق کہتے تھے وہ سراسر غلط، باطل اور بے سروپا بات تھی ---- اور ابراہیمؑ جو کچھ کہتے تھے ---- وہ یقیناً حق پر مبنی اور سچی بات تھی"۔

انھوں نے سوچا کہ اگر ایسی کوئی صورت بن آئی ------ اور میں اپنی تدبیر میں کامیاب ہوگیا ---- تو پھر میرے لیے دعوتِ توحید اور پیغامِ حق سنانے کے لیے راستے آسان ہوجائیں گے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خفیہ تدبیر

اس مقصد کے لیے ---- اور اپنی دعوت کی کامیابی کے لیے ایک زبردست تدبیر ان کے ذہن میں آئی ---- جسے انھوں نے کسی پر ظاہر نہیں فرمایا۔

اور اس کا آغاز اور اس کی ابتداء اس طرح فرمائی کہ ایک دن باتوں باتوں میں قوم کے کچھ لوگوں کے سامنے یہ کہہ دیا:

وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ

(سورۃ الانبیاء ۲۱ : ۵۷)

اللہ کی قسم میں تمھاری عدم موجودگی میں لازماً تمھارے بتوں اور تمھارے معبودوں کے خلاف ایک خفیہ چال چلوں گا ----- ان کی ایسی گت بناؤں گا کہ تم یاد رکھوگے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس طرح قوم کو مُتنبّہ کرنا چاہتے تھے ----- وہ اس طرح قوم کو بتانا چاہتے تھے کہ تمھارے معبود بے بس اور مجبور ہیں ----- اگر ان میں طاقت و قوت ہے ----- یا انھیں کچھ اختیارات ہیں ----- تو میری تدبیر اور میری چال کو ناکام بنادیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو ----- اور یہ بات اتنی واضح نہیں تھی ----- اس لیے قوم کے ذمہ دار لوگوں نے اس جانب کوئی توجہ نہیں دی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام موقع کی تلاش میں تھے ----- کہ کوئی موقع ملے اور میں اپنی تدبیر کو عملی جامہ پہناؤں۔

حسنِ اتفاق سے ----- قوم کا قومی میلہ اور مذہبی تہوار آگیا ----- سب لوگ تیار ہو کر میلے میں شرکت کے لیے ---- جانے لگے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی کہا کہ تم بھی اس تہوار اور میلے میں شامل ہونے کے لیے

ہمارے ساتھ چلو ----- انھوں نے انکار فرمایا ---- ادھر سے اصرار بڑھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّیْ سَقِیْمٌ (الصافات ۳۷ : ۹۰)

میں کچھ علیل اور بیمار ہوں۔

ایک اِشکال کا جواب

یہاں ایک اشکال اور ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب بیمار نہیں تھے ---- تو پھر انھوں نے اِنِّیْ سَقِیْمٌ میں بیمار ہوں، کیوں فرمایا؟۔

اس اشکال کے کئی جواب علماء کرام اور مفسرین عظام نے دیئے ہیں۔

ایک جواب یہ دیا گیا کہ:

"سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مریض اور بیمار نہ ہونا کہاں سے اور کس طرح سے ---- اور کس دلیل سے فرض کر لیا گیا ----- قرآن میں تو اس کی صراحت کیا ---- اِشارہ تک موجود نہیں ہے ---- کسی معتبر روایت میں اس کا ذکر تک نہیں ہے"۔

(تفسیر ماجدی سورۃ صافات)

مولانا عبد الماجد دریا آبادی (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے امام راغب کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ:

"بیماری کا تعلق ماضی، حال اور مستقبل سے بھی ہو سکتا ہے اور صحت کامل تو کسی کی بھی نہیں ہوتی۔ کچھ نہ کچھ بیمار تو ہر شخص رہتا ہی ہے"۔

خود حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح تحریر فرمایا ہے کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ کا تعلق مستقبل سے ہے اور انھوں نے اس کا معنی فرمایا ہے ----- میں بیمار ہونے کو ہوں۔

مولانا حسین علی رحمہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ معنی

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی شہرۂ آفاق اور مایۂ ناز تفسیر جواہر القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

سَقِیْمٌ کا لفظ اپنے اندر دو معنی رکھتا ہے ---- ایک معنی سقیم کا مریض اور بیمار کا ہے ---- اور دوسرا معنی سقیم کا ----- سَقِیْمُ النَّفْسِ لِکُفْرِکُمْ (مدارک جلد ۴ صفحہ ۱۹)

تمہارے کفر اور شرک اور بت پرستی کی وجہ سے میری طبیعت اور میرا مزاج ٹھیک نہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب کو توریہ اور تعریض کہتے ہیں مشرکین اور کفار سمجھے کہ ابراہیم بیمار ہیں ---- اور ابراہیم علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے کفر و شرک کو دیکھ دیکھ کر میری طبیعت خراب ہو گئی ہے۔

کیا آپ کا مشاہدہ اور تجربہ نہیں ہے کہ ایک موحد آدمی کے سامنے ----- جو آدمی فنا فی التوحید ہو ---- شرک سے متنفر ہو ----- ایسے آدمی کے سامنے شرک ہو رہا ہو ----- وہ دیکھے کہ قبریں پوجی جا رہی ہیں ------ بے جان بتوں کے سامنے سجدہ ریزیاں ہو رہی ہیں ------ غیر اللہ کے وظیفے پڑھے جا رہے ہیں ------ غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز دی جا رہی ہے ----- تو ایسے موحد اور مومن آدمی کا مزاج اور طبیعت یہ سب کچھ دیکھ کر خراب ہو جاتی ہے ----- دل پر بوجھ محسوس ہوتا ہے ----- ذہن پریشان ہو جاتا ہے۔ جب عام موحد آدمی کی حالت یہ ہے ------ تو پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام ----- تو امام الموحدین تھے ----- ان کے سامنے بت پرستی ہو رہی تھی ----- یہ سب کچھ دیکھ کر ان کی طبیعت پر اثرات تھے ---- جس کی بنا پر انھوں نے فرمایا:

اِنِّی سَقِیۡمٌ ----- میں بیمار ہوں۔

خیر جی ! جب قوم کے سب لوگ، وقت کا بادشاہ نمرود بھی، مذہبی راہنما بھی، پنڈت اور کاہن بھی ----- سردار اور چودھری بھی ---- غرضیکہ خواص و عوام سب اپنی عید منانے ---- اور تہوار و میلے میں شریک تھے ---- شراب و کباب میں سب مشغول تھے ----- عیش پرستی میں منہمک تھے ----- تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے محسوس کیا اور سوچا کہ وقت آگیا ہے کہ میں اپنی تدبیر پر عمل کروں اور مشاہدے کی صورت میں قوم پر واضح کردوں کہ ان کے بتوں ---- اور ان کے معبودوں کی حقیقت کیا ہے ؟ ------ وہ کتنے بے بس اور لاچار ہیں ------ وہ کتنے کمزور اور مجبور ہیں۔

معبودانِ باطلہ کی مرمت

فَرَاغَ اِلٰۤی اٰلِهَتِهِمۡ ----- پھر ابراہیم علیہ السلام ان کے معبودوں پر جا گھسے، جہاں ان کے بت رکھے تھے ---- ان کا معبد خانہ ---- وہاں پہنچے ---- دیکھا وہاں ڈھیر سارے بت رکھے ہوئے ہیں ---- ان کے سامنے طرح طرح کے کھانے رکھے ہوئے ہیں ---- قسموں قسم کے پھل ہیں ----- شیرینیاں ہیں ---- حلوے مانڈے ہیں ---- یہ سب کچھ انھوں نے اپنے معبودوں کے سامنے بطور نذر نیاز اور بطور چڑھاوے کے رکھا ہوا تھا۔

(غیراللہ کے نام کی نذر و نیاز اور چڑھاوے اور منتیں چاہے اس کا کوئی سا نام رکھ دیا جائے ------ گیارھویں پیرانِ پیر کی ----- کونڈے امام جعفرؒ کے ---- صحنک بی بی فاطمہؓ کی ----- یہ سب کچھ غیراللہ کے لیے بطور نذر و نیاز دیا جاتا ہے۔ اور قرآن نے ایک سے زائد مقام پر غیراللہ کے نام کی نذر و نیاز کو حرام قرار دیا ہے۔)

(البقرہ ۲ : ۱۷۳۔المائدہ ۵ : ۳۔النحل ۱۶ : ۱۱۵)

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ :

"انھوں نے مختلف قسم کے کھانے اپنے بتوں کے سامنے اس لیے رکھے تھے کہ اس طرح کھانے بابرکت ہو جائیں گے۔ اور عید سے واپسی پر انھیں کھائیں گے"۔ (جواہر القرآن سورۃ صافات)

سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے جب یہ مضحکہ خیز منظر دیکھا تو طنزاً ۔۔۔۔ ان بتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۔۔۔۔۔۔ یہ شیرینیاں اور کھانے تمھارے سامنے رکھے ہوئے ہیں کھاتے کیوں نہیں ہو؟۔

(مگر ہوتا ہمیشہ اس طرح ہے کہ نذریں اور نذرانے رکھے قبروں پر اور بتوں کے سامنے جاتے ہیں، مگر انھیں کھاتے مجاور اور قبروں اور بتوں کے پجاری ہیں) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بتوں نے کیا کھانا تھا؟۔

سیدنا ابراھیم علیہ السلام طنزاً ان کو خطاب کر کے فرماتے ہیں :

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ

تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ مجھ سے ناراض ہو؟ میری بات کا جواب نہیں دے رہے ہو ۔۔۔۔۔ بولتے کیوں نہیں ہو؟

پھر کیا ہوا؟ سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے پوری قوت اور طاقت سے کلہاڑا چلانا شروع فرمایا ۔۔۔۔ اور مشرکین کے بے بس اور لاچار معبودوں کو توڑ پھوڑ ڈالا ۔۔۔۔۔ کوئی معبود اِدھر جا پڑا اور دوسرا اُدھر جا لگا ۔۔۔۔۔۔۔ کسی کا کان کاٹ ڈالا اور کسی کا ناک توڑ دیا ۔۔۔۔ کسی معبود کی آنکھ پھوڑ دی ۔۔۔۔ اور کوئی معبود سر کے بل جا گرا ۔۔۔۔ کسی کی ٹانگ توڑ دی ۔۔۔۔ اور کسی معبود کا ہاتھ کاٹ ڈالا ۔۔۔۔۔ کوئی بت مُنہ کے بل گرا اور کوئی معبود سرینوں کے بل ۔۔۔ سب کو توڑ کر ۔۔۔۔ کلہاڑا بڑے بت کے کاندھے پر رکھ دیا۔ اس بت کو کچھ

بھی نہیں کہا ------ کیوں ----- لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ --------
تا کہ وہ لوگ تحقیق حال کے لیے (اپنے عقیدہ کے مطابق) اس بڑے کی طرف رجوع کریں کہ یہ سب کچھ کیسے اور کیوں ہو گیا ہے؟۔
(مشرکین نے اپنے لیے بہت سے معبود بنا رکھے ہوتے ہیں ------ کچھ چھوٹے اور کچھ بڑے ----- کوئی کسی تکلیف کا دور کرنے والا اور کوئی کسی دکھ کو ٹالنے والا اور کوئی کسی حاجت کو پورا کرنے والا ------ کوئی گردے اور مثانے سے پتھری نکالنے والا ----- کوئی اولاد دینے والا ---- کوئی رہائیاں بخشنے والا ---- اور موحد و مومن بندے کا ایک ہی معبود اور ایک ہی مسجود اور ایک ہی اِلٰہ ہوتا ہے ----- موحد و مومن کا ایک ہی داتا، ایک ہی دستگیر، ایک ہی غوث اعظم، ایک ہی لجپال اور ایک ہی گنج بخش ہوتا ہے۔

قوم کی میلے سے واپسی

جب لوگ اپنے تہوار اور میلے سے واپس آئے ---- تو اپنے معبودوں کو سلام کرنے کے لیے مندر پہنچے ----- تو مندر کے اندر کا منظر دیکھ کر حیران رہ گئے اور پریشان ہو گئے ----- دیکھا کہ جن کو سلام کرنے آئے ہیں وہ خود گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہیں ---- کوئی معبود لنگڑا ہو گیا ہے اور کوئی کانا اور کوئی اندھا ----- کسی کا ناک کوئی نہیں تو کسی کے کان ندارد ----- انھوں نے دیکھا کہ بت خانہ ----- بت خانہ اور معبد خانہ ----- نہ رہا۔ کباڑ خانے کا منظر پیش کر رہا ہے۔
یہ منظر دیکھتے ہی سخت برہم ہوئے ----- غصے سے پاگل ہونے لگے ---- خون آنکھوں میں اتر آیا ----- اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے:

مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۲۱ : ۵۹)

یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ کس نے کیا ہے یقیناً وہ ظالم ہے۔

بڑا وہابی اور بڑا گستاخ ہے جس نے ہمارے معبودوں اور مسجودوں کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک کیا ہے۔

لوگوں میں ------ وہ بھی موجود تھے جن کے سامنے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا: تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ (۲۱ : ۵۷) اللہ کی قسم میں تمہارے معبودوں کے خلاف ایک خفیہ تدبیر ضرور چلوں گا۔

وہ لوگ فوراً بول اٹھے:

سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ (۲۱ : ۶۰)

ہم نے ایک جوان کی زبان سے ان بتوں کا ذکر (برائی کے ساتھ) سنا ہے ----- اس نوجوان کا نام ابراہیم ہے ----- وہ ان کے خلاف بڑی تقریریں کرتا رہتا ہے ---- یہ کام اسی کا ہوسکتا ہے۔

قوم کے لیڈروں نے ---- پنڈتوں اور سرداروں نے ---- جب یہ سنا تو غصے سے بے قابو ہوکر کہنے لگے:

فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ (۲۱ : ۶۱)

اسے لوگوں کے سامنے لاؤ۔ (یعنی کھلی جگہ پر مجمع عام میں اس سے پوچھا جائے) تاکہ لوگ دیکھیں (یعنی اس کی باتیں سن کر گواہ رہیں کہ جو سزا ایسے گستاخ کی ہم تجویز کریں گے وہ مجرم کے جرم کے مطابق ہے ---- بے شک وہ اسی سزا کا مستحق تھا)

اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو گرفتار کرکے کھلی کچہری میں پیش کیا گیا ---- تاکہ لوگ پوری کارروائی دیکھ سکیں۔

سرداروں اور پنڈتوں نے بڑے رعب سے اور دبدبے سے پوچھا:

ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ (۲۱ : ۶۲)

اے ابراہیم ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سب کچھ کیا تو نے کیا ہے؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا اور محسوس کیا ----- کہ اب وہ بہترین موقع آگیا ہے ---- جس کے لیے میں نے یہ تمام تر تدبیر کی تھی ---- اور جس کے لیے میں نے یہ خفیہ چال چلی تھی ---- عوام موجود ہیں ---- سردار جمع ہیں ---- پنڈت اور مذہبی رہنما بھی کھڑے ہیں ---- اور یہ اپنے معبودوں کا حشر بھی دیکھ چکے ہیں ---- آج وقت آگیا ہے کہ انھیں اپنے شرکیہ عقیدے پر نادم اور پریشان کردیا جائے ---- آج عوم الناس کو یقین دلا دیا جائے کہ آج تک تمھارے مذہبی راہنماؤں نے ---- ان ٹھاکروں اور بتوں کے متعلق تمھیں جو کچھ بتایا ہے وہ سب ان کا فریب ہے ---- وہ سب ان کا مکر ہے اور دجل ہے۔

مجھے ان سے کہنا چاہیے کہ یہ سب بڑے بت کی کارروائی معلوم ہوتی ہے ---- اپنے معبودوں سے ہی پوچھ لو ---- یقیناً قوم کے لوگ ---- خواص و عوام یہی کہیں گے کہ بت بھی کہیں بولتے اور بات کرتے ہیں ---- تب میرا مقصد حاصل ہوجائے گا اور پھر میں ان کے شرکیہ عقیدے ---- اور بودے خیالات کا پول سرعام ---- عوام و خواص کے روبرو کھول دوں گا۔ اور انھیں اللہ کی معبودیت و الوہیت کی دعوت دوں گا ---- میں ان کے فاسد عقیدے کی گمراہی ان پر واضح کردوں گا ---- اور ان کے مذہبی راہنماؤں کے پاس ندامت و شرمندگی کے سوا کچھ بھی نہیں بچے گا۔

اس لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ (۲۱ : ۶۳)

بلکہ ان میں سے بڑے بت نے یہ کیا ہے۔ پس اگر یہ (تمھارے معبود) بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔

سبحان اللہ ! آج بھی قرآن مشرکین کو ---- اور غیر اللہ کے پکارنے

والوں کو یہی چیلنج کرتا ہے ------ کہ جن جن کو اللہ کے سوا تم ------ مصائب اور مشکلات میں پکارتے ہو وہ تمہاری پکار کا جواب نہیں دے سکتے۔

ایک جگہ پر ارشاد ہوا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ فَادۡعُوۡھُمۡ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ (اعراف ۷ : ۱۹۴)

بے شک جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا وہ بندے ہیں تم جیسے بھلا ان کو پکارو تو۔ پس چاہیے کہ وہ قبول کریں تمہارے پکارنے کو۔

ایک اور جگہ پر فرمایا:

وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ یَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَنۡ لَّا یَسۡتَجِیۡبُ لَہٗۤ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ وَھُمۡ عَنۡ دُعَآئِھِمۡ غٰفِلُوۡنَ (احقاف ۴۶ : ۵)

اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے سوا ان کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنۡ تَدۡعُوۡھُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡا دُعَآءَکُمۡ ج وَلَوۡ سَمِعُوۡا مَا اسۡتَجَابُوۡا لَکُمۡ

اگر تم ان کو پکارو تو تمہاری پکار کو سن نہ سکیں اور اگر بالفرض و المحال سن بھی لیں تو تمہاری پکار کا جواب نہ دے سکیں۔ (فاطر ۳۵ : ۱۴)

علامہ عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت پر کتنے خوبصورت اور دل نشین انداز میں تحریر فرمایا ہے:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ فرض کرلیا جائے کہ اس بڑے گرد گھنٹال

نے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور توڑنے کا آلہ (کلہاڑا) بھی اس کے پاس موجود ہے' یہ کام اسی نے کیا ہوگا ----- لیجیے بحث و تحقیق کے وقت بطور الزام میں یہ دعویٰ کیے دیتا ہوں کہ اس بڑے بت نے سب چھوٹوں کو توڑ ڈالا ----- تمھارے پاس کیا دلیل ہے کہ ایسا نہیں ہوا ----- کیا دنیا میں ایسا نہیں ہوتا کہ بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو ----- بڑی مچھلی چھوٹی مچھلیوں کو نگل جاتی ہے اور بڑے بادشاہ چھوٹی سلطنتوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں ----- اس لیے بہترین صورت میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ کی یہ ہے کہ تم خود اپنے معبودوں ہی سے دریافت کرلو کہ یہ ماجرا کس طرح ہوا ----- اگر یہ تمھارے معبود کچھ بول سکتے ہیں تو ایسے اہم معاملہ میں بول کر کیا میرے جھوٹ سچ کا فیصلہ نہ کردیں گے۔

ایک اشکال کا جواب

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تمام تر کارروائی تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خود فرمائی تھی پھر بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا ----- کیوں کہا؟ کہ یہ سب کچھ ان کے بڑے نے کیا ہے ----- کیا العیاذ باللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ اور کذب بیانی سے کام لیا؟

اس سے پہلے آپ سن چکے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں نے میلے میں شرکت کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا تھا ----- اِنِّیْ سَقِیْمٌ ----- میں بیمار ہوں ----- وہاں بھی انھوں نے توریۃً انی سقیم فرمایا تھا اور یہاں بھی انھوں نے توریۃً فرمایا۔ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا

توریہ کا مطلب ہوتا ہے ----- بات اس طرح کہنا کہ جھوٹ بھی

نہ بنے اور سننے والا بھی صحیح حقیقت کو نہ سمجھ سکے۔

ایک مثال

جس طرح ہجرت کے سفر میں ------ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چھپ کر مکہ مکرمہ سے جا رہے تھے تو راستے میں کسی نے پوچھا ---- مَنْ اَنْتَ تم کون ہو ------ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ------ اَنَا اَبُوْ بَکْرٍ ---- میں ابوبکر ہوں ------ پوچھنے والے نے کہا ---- مَنْ مَعَكَ ---- تمھارے ساتھ کون ہے؟

اب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے بڑا کٹھن وقت اور سخت امتحان کی گھڑی تھی ---- اگر سچ بولتے ہیں تو نبوت کی جان کو خطرہ ہے ---- اور اگر جھوٹ بولتے ہیں تو پھر ابوبکر ---- صدیق نہیں رہتے ------ اس نازک وقت اور عجیب صورتِ حال میں گھر کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھنے والے کو جواب دیا:

ھٰذَا رَجُلٌ یَّھْدِیْنِی السَّبِیْلَ ------ یہ شخص مجھے راستہ دکھاتا ہے۔

پوچھنے والے نے سمجھا ---- شاید ابوبکر نے راستہ بتانے کے لیے رہبر ساتھ رکھا ہوا ہے ---- اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ میں راہ راست اور جنت کا راستہ بھولا ہوا تھا، اس شخص نے مجھے ہدایت کا سیدھا راستہ دکھا دیا۔

جھوٹ بھی نہ بنا اور مقصد بھی حاصل ہو گیا ---- اسے عربی میں توریہ کہتے ہیں۔

اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے جواب پر غور کیجیے ---- مخالفین پوچھ رہے تھے ابراہیم یہ سب کچھ تم نے کیا ہے؟

جواب میں سیدنا ابراہیم فرماتے ہیں ---- بَلْ فَعَلَهٗ مَنْ فَعَلَهٗ

------- یہ سب کچھ کیا ہے جس نے بھی کیا ہے۔ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا ----- بڑا ان کا یہ موجود ہے ----- اپنے معبودوں سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں کہ ان کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک کس نے کیا ہے؟

یہ توجیح امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں بیان فرمائی ہے اور رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے اس مفہوم کو پسند فرمایا ہے۔

ایک اور توجیح اور کلام کا مفہوم ---- جسے امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں بیان فرمایا، جسے اُستاذ العُلماء، استاذی مکرم مولانا محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے پسند فرمایا۔

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا ----- کبیرھم سے مراد سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو لیا۔ يُرِيْدُ بِهٖ نَفْسَهٗ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَبِيْرٌ مِنْ كُلِّ مِنْهُمْ ------ اس لیے کہ انسان ان سب میں سے بڑا ہے۔

قوم ڈر گئی --- ابراھیم جیت گئے

سیدنا ابراھیم علیہ السلام کی اس یقینی حجت کا ----- اس مسکت دلیل کا ---- خوبصورت طریقۂ استدلال کا ---- مذہبی راہنماؤں ---- لیڈروں اور پنڈتوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا ----- وہ سب نادم و پریشان تھے۔ بلکہ ندامت میں غرق تھے ---- شرم کے مارے پانی پانی ہو رہے تھے ---- ذلت و رسوائی ان کے چہروں سے عیاں تھی ---- سوچتے تھے کہ ابراھیم کی اس قطعی حجت کا کیا جواب دیں؟

عوام الناس بھی آج سب کچھ سمجھ گئے تھے ----- ان کی آنکھوں سے فریب کے پردے کھسک رہے تھے ----- ان کی آنکھوں نے آج وہ منظر دیکھ لیا تھا جس کے لیے وہ تیار نہیں تھے ---- آج لوگوں پر یہ حقیقت کھل گئی کہ ہمارے بت اور ٹھاکر ---- جن کو ہم نے اِلٰہ اور معبود بنا رکھا ہے ---- جن کو

ہم اپنا نافع و ضار سمجھ رہے ہیں ----- وہ اتنے بے بس، لاچار اور کمزور ہیں کہ اپنی حفاظت بھی نہیں کرسکتے۔

بالآخر چھوٹوں اور بڑوں سب کو اپنے اپنے دل میں اِقـرار کرنا پڑا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو جو ہم نے ظالم کہا ہے ----- اصل میں وہ ظالم نہیں ہیں بلکہ ظالم ہم خود ہیں ----- جو ایسے بے دلیل اور باطل عقیـدے پر یقین رکھتے ہیں ----- اور مٹی، پتھـر اور لکڑی کے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ رہے ہیں۔

تب نہایت شرمساری کے ساتھ سرنگوں ہو کر کہنے لگے :

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ (الانبیاء ۲۱ : ۶۵)

ابراہیمؑ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ بول نہیں سکتے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں اور ٹھاکروں کو توڑنے کی تدبیر اسی وقت کے لیے کی تھی ---- یہی جملے ----- اپنے معبودوں کی بے بسی اور لاچاری کے ----- وہ لوگوں کی زبانوں سے کہلوانا چاہتے تھے۔

سیدنا ابراھیم علیہ السلام کی قوم کے سامنے تقریر

اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مختصر مگر جامع اور دل نشین الفاظ میں قوم کو نصیحت بھی فرمائی۔ اور سخت الفاظ مین ان کے شرکیہ اعمال و افعال پر ان کو ملامت بھی فرمائی ----- کہ جو تمھارے دیوتا ---- اور تمھارے معبود ----- بولنے کی طاقت اور سکت بھی نہیں رکھتے ----- اپنے آپ سے مصیبت کو ہٹانا تو دور کی بات ہے وہ تو یہ تک نہیں بتا سکتے کہ انھیں یہ نقصان کس نے پہنچایا ہے؟

تو پھر ایسے کمزور اور لاچار اِلٰہ اور معبود کس طرح ہوسکتے ہیں؟ افسوس تمھیں اتنی واضح، صاف اور نکھری ہوئی حقیقت کی بھی سمجھ نہیں آسکی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس دلپذیر تقریر کو قرآن نے بیان فرمایا:

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (الانبیاء ۲۱: ۶۶-۶۷)

کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں ---- تف ہے تم پر بھی اور تمھارے معبودوں پر بھی تف ہے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟۔

قوم کی ہٹ دھرمی

پھر کیا ہوا؟ ---- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کی دعوت کو قبول کرلیا؟ --- کیا وہ لوگ دلائل کے مقابلے میں عاجز ہو کر ایمان لے آئے؟ ---- چاہیے تو یہ تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس نصیحت ---- اور ان کی تدبیر کی کامیابی کے بعد ---- اور اپنے معبودوں کی سرِعام بے بسی اور لاچاری کو دیکھ کر ان کی قوم اپنے شرکیہ عقیدے سے ---- اور غلط نظریات سے اور باطل خیالات سے تائب ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور پیغام کو قبول کر لیتی اور کج روی چھوڑ کر سیدھے راستے پر گامزن ہو جاتی۔

مگر قلوب کی سختی، نفوس کی سرکشی اور متکبرانہ رویہ اور ہٹ دھرمی نے انھیں اس طرف نہ آنے دیا ---- بلکہ عوام و خواص سب نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عداوت و دشمنی اور مخالفت پر کمر کس لی ---- وہ اپنی ضد اور دھڑے بندی پر قائم رہے ---- اور سب نے اس بات اور اس نکتے پر اتفاق کرلیا کہ ---- اگر اپنے معبودوں کی خوشنودی اور رضا چاہتے ہو ---- تو ان معبودوں کی مدد کرو۔ (جو معبود اپنی مدد نہیں کر سکتے ---- ہماری مدد کرنے پر قادر نہیں) اب تم سب ان کی مدد کرو ---- اور ان کے گستاخ ابراہیمؑ کو ان کی

توہین کرنے پر شدید ترین سزا دو اور دہکتی آگ میں جلا ڈالو ---- تاکہ اس کی دعوت و تبلیغ ---- اور روز روز کا یہ جھگڑا ---- یہ قصہ ہی ختم ہو جائے۔

بادشاہِ وقت سے مناظرہ

سیدنا ابراھیم علیہ السلام کو سخت ترین سزا دینے کی ---- انھیں آگ میں جلا دینے کی باتیں اور مشورے ہو رہے تھے کہ اڑتے اڑتے بات وقت کے بادشاہ تک جا پہنچی ---- اس زمانے میں عراق کے بادشاہ کا لقب، نمرود ہوتا تھا ---- عوام الناس نمرود کو بھی دوسرے معبودوں کی طرح اپنا معبود اور رب مانتے تھے ---- وقت کے بادشاہ کی بھی پرستش اور پوجا پاٹ ہوتی تھی۔

وقت کے بادشاہ کو جب معلوم ہوا کہ سیدنا ابراہیمؑ کی سرگرمیاں منفی ہیں ---- اسے پتا چلا کہ ابراہیم نے اپنے باپ دادا کے مذہب سے بغاوت کر دی ہے ---- اور وہ انتہا پسند ہو گیا ہے ---- بنیاد پرست بن گیا ہے ---- تو وہ غصے میں آپے سے باہر ہو گیا۔

اسے خیال آیا کہ ابراہیمؑ کی تبلیغ کا یہ انداز ---- ابراہیمؑ کی یہ دعوت اور اس کا یہ پیغام ---- آباء و اجداد کے مذہب و عقیدے سے بغاوت ---- ابراہیمؑ کی یہ سرگرمیاں اسی طرح رہیں ---- تو میری سلطنت اور میری حکومت کے لیے خطرہ بن جائے گا۔ اس لیے اسے ابھی اور اسی وقت قابو کرنا اور اس کی تحریک کو کچلنا ضروری ہے۔ نمرود نے حکم جاری کیا ---- ابراہیم کو ہمارے دربار میں حاضر کرو۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نمرود کے دربار میں

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نمرود کے دربار میں پہنچے ---- تو نمرود کہنے لگا۔ ابراہیم! تم باپ دادا کے دین و مذہب سے کنارہ کش کیوں ہو؟ آباء و اجداد کے راستے کو کیوں چھوڑ رہے ہو؟ میں نے سنا ہے کہ تم

مجھے بھی رب ماننے کے لیے تیار نہیں ہو۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے دربار میں توحید کا نعرہ بلند فرمایا ---- اللہ کی وحدانیت اور معبودیت اور ربوبیت کو کھلے لفظوں مین بیان فرمایا ---- کہا تم رب کیسے اور کس طرح ہو سکتے ہو؟ جس طرح عام انسان محتاج اور عاجز ہیں تم بھی اسی طرح عاجز اور محتاج ہو ------ اور ایک عاجز اور محتاج ---- رب کیونکر ہو سکتا ہے ---- اب نمرود کہنے لگا:

ابراہیم! اگر میرے سوا تیرا رب کوئی اور ہے ------ تو پھر اس کا کوئی ایسا وصف اور اس کی کوئی ایسی صفت بیان کر ------ جس کی قدرت مجھ میں نہ ہو اور جس کی طاقت مجھے حاصل نہ ہو۔

تب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ (البقرة ۲ : ۲۵۸)

میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

نمرود سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے استدلال کے جواب میں کہنے لگا:

اَنَا اُحْيِيْ وَ اُمِيْتُ۔

میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔

یہ وصف اور یہ صفت اور یہ طاقت اور یہ قدرت تو مجھے بھی حاصل ہے ---- یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ ایک بے قصور شخص کی گردن اڑا دی جائے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

اور ایک قتل کے سزا یافتہ مجرم کو جیل سے بلا کر حکم دیا کہ جاؤ ہم نے تمھاری جان بخشی کر دی ---- پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر فخر سے کہنے لگا:

ابراہیمؑ ---- دیکھا تم نے ---- میں بھی کس طرح زندگی بخشتا ہوں اور

کس طرح موت دیتا ہوں ------ پھر تیرے رب کی کیا خصوصیت ہے؟۔
نمرود کی مضحکہ خیز دلیل سن کر ----- سیدنا ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یا تو یہ شخص پاگل ہے اور موت و حیات کی اصل حقیقت سے آشنا اور واقف نہیں ہے۔
یا عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتا ہے اور بات کو فلسفے اور منطق کی بھول بھلیوں میں الجھانا چاہتا ہے۔
کیا نمرود نہیں جانتا تھا کہ زندگی بخشنا اس کا نام نہیں ------ کہ سزائے موت کے قیدی کو رہا کر دیا جائے ------ بلکہ نیست سے ہست کر دینے کا نام زندگی ہے ----- عدم سے وجود میں لانے کا نام زندگی ہے ------ نابود سے بود کر دینے کا نام زندگی ہے -----
اور اسی طرح کسی کو قتل کر دینا یا پھانسی کے پھندے سے بچا لینا ----- موت کا مالک ہونا نہیں ہے ------ بلکہ موت کا مالک صرف اور صرف وہی ہے جو انسان کی روح کو اس کے جسم سے نکال کر اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے۔
اگر موت و حیات ----- نمرود جیسے مطلق العنان بادشاہوں کے ہاتھ میں ہوتی ------ تو آج نمرود بادشاہ نہ ہوتا بلکہ اس کے خاندان کا پہلا شخص ہی آج تک تاج و تخت کا مالک ہوتا ---- مگر خدا معلوم کہ عراق کی سلطنت اور تاج و تخت کے کتنے مدعی سپرد خاک ہو چکے اور ابھی کتنوں کی باری ہے۔
سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ اس نازک موقع پر ----- اور بحث و تمحیص کے وقت ----- میں نے موت و حیات کے مفہوم اور فلسفہ پر گفتگو شروع کر دی ---- تو اس بے ایمان کا مقصد پورا ہو جائے گا، عوام مغالطے کا شکار ہو جائیں گے اور میرا مدعا نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔
بحث و مناظرہ تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مقصد نہیں تھا ----- ان کا

مقصد تو صرف یہ تھا کہ لوگوں کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کا یقین پیدا ہو جائے۔

اس لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ----- سمجھانے کا ایک دوسرا انداز اختیار فرمایا، اور ایسی دلیل نمرود کے سامنے پیش کی ----- جس کا مشاہدہ صبح اور شام ہر شخص اپنی آنکھوں سے کرتا ہے۔ فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ

(البقرۃ ۲ : ۲۵۸)

میں اس ذات کو اپنا رب مانتا ہوں جو روزانہ سورج کو مشرق سے لاتا اور مغرب کی جانب لیجاتا ہے۔

پس اگر تو بھی رب اور معبود ہونے کا دعویدار ہے تو اس کے خلاف سورج کو مغرب سے نکال اور مشرق کی طرف لے جا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ زبردست دلیل ----- ایسی دلیل تھی ---- جس نے نمرود کو لاجواب اور مبہوت کر دیا۔

سامعین گرامی قدر! سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے مشرک ---- بت پرست باپ کو دعوت توحید دی ----- اسے سمجھایا کہ عبادت پکار کے لائق ---- یہ بے بس اور مجبور بت نہیں، بلکہ رب العالمین ہے ----- والد کو راہ راست دکھائی ---- مگر اس نے مسلسل انکار کیا ----- بلکہ گھر سے نکال دیا۔

اس کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے سامنے ---- اپنی دعوت اور اپنا پیغام پہنچایا ----- اور فطرت کے بہترین اصول اور قواعد ------ اور خوبصورت دلائل اور وزنی براہین کے ساتھ اپنا مقصد پیش فرمایا ------ حق بات ان کے سامنے پیش کی ------ مگر ضدی اور ہٹ دھرم

قوم نے مان کر نہ دیا۔

سب سے آخر میں وقت کے بادشاہ نمرود سے گفتگو ------ مناظرانہ رنگ میں فرمائی ----- اور مسکت دلائل سے اس پر یہ حقیقت واضح کی کہ الوہیت و معبودیت اور ربوبیت صرف اور صرف اللہ ہی کو سزا وار ہے ----- اور بڑے سے بڑے بادشاہ اور سردار کو بھی یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنی الوہیت اور اپنی ربوبیت کا دعویٰ کرے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا والد آزر ----- ان کی قوم ----- اور وقت کا بادشاہ ----- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کے سامنے لاجواب ہو گئے ----- ان کے دل ابراہیمی دعوت کو مانتے تھے مگر سرداری اور چوہدراہٹ ماننے نہ دیتی۔

ماننا تو دور کی بات ہے ----- ان سب نے اپنی اپنی شرمندگی اور خفت چھپانے کے لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کیا ----- مخالفت کے طوفان کھڑے کیے ----- اور وقت کے بادشاہ سے لے کر رعایا تک ----- اور والد سے لے کر بیگانوں تک سب نے متفقہ فیصلہ کرلیا کہ ابراہیم ہمارے دیوتاؤں کا دشمن ہے ----- ابراہیم ہمارے معبودوں کا گستاخ ہے ----- چونکہ ابراہیمؑ ہمارے آباء و اجداد کے مذہب کا باغی ہے ----- چونکہ ابراہیمؑ نے ہمارے معبودوں کی توڑ پھوڑ کی ہے ----- اس لیے اسے دہکتی آگ میں زندہ جلا دیا جائے۔

ذرا تصور تو کیجیے ----- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کا جواب دلائل سے دینے کی بجائے مادی قوت و طاقت سے اس آوازِ حق کو دبانے اور مٹانے کی کوششیں شروع ہو رہی ہیں ----- سیدنا ابراہیم علیہ السلام اکیلے اور تنہا ہیں ----- دوسری طرف والد ----- سگا والد آپ کا دشمن ہے ----- شہر کے اور

ملک کے تمام لوگ مخالف ہیں ----- وقت کا بادشاہ جان کا ویری بن گیا ہے ----- مخالفت کی تیز آندھیاں چلنے لگیں ----- دشمنی کے طوفان چھانے لگے ----- بغض کی بجلیاں گرنے لگیں ----- خوف زدہ کرنے والے کفر کے بادل گرجنے لگے۔

ایک ابراہیم ----- خلیل اللہ اور چاروں سمت سے مخالفت کی بھیانک آوازیں ----- عداوت کے نعرے ----- دشمنی کے بول ----- نفرت کا اظہار ----- طرح طرح کے فتوے ----- تضحیک آمیز پھبتیاں ----- مذاق و تمسخر کا بازار گرم ہے اور ساتھ سخت انتقام کے ارادے اور خوفناک سزا کے عزائم۔

مگر اللہ کا خلیل ----- کانٹوں میں چاروں طرف سے گھر کر ----- گلاب کے پھول کی طرح مسکرا رہا تھا۔ اسے مخالفت کی رائی برابر پرواہ نہیں تھی ----- اسے مکالفین کی دھمکیوں کا ذرہ برابر خوف نہیں تھا ----- وہ ہر مخالف آواز سے بے پرواہ اور بے نیاز ہو کر اعلان حق کر رہا تھا اور توحید کی دعوت دے رہا تھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا واحد سہارا

ایسی مشکل اور کٹھن گھڑی میں ----- اور ایسے نازک اور خطرناک حالات میں ----- جب تمام ظاہری سہارے ساتھ چھوڑ گئے تھے ----- اور دنیوی اسباب مفقود ہو گئے تھے ----- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت بھی ایک ایسا زبردست اور مضبوط سہارا اور پناہ حاصل تھی ----- جو تمام سہاروں کا سہارا تھا ----- جو ہر ایک کو پناہ دینے والا تھا ----- وہ سہارا اللہ رب العزت کی ذات کا سہارا تھا۔

غرضیکہ نمرود اور قوم نے سیدنا ابراہیم کو سزا دینے کے لیے ----- اور آگ میں جلانے کے لیے ایک مخصوص جگہ بنوائی ----- جس کی لمبائی اسی گز اور

چوڑائی چالیس گز تھی ----- اس میں چالیس دن تک ایندھن جمع ہوتا رہا ---- لوگ منتیں مانا کرتے تھے کہ میں اتنے من ایندھن اس جگہ پر ڈالوں گا ---- اس میں کئی روز تک مسلسل آگ دہکائی گئی ----- پوری کی پوری قوم تیاریوں میں مصروف اور آگ کو تیز سے تیز تر کرنے میں مگن ہے ----- ہر شخص اپنی بساط اور اپنی استطاعت کے مطابق اس میں حصہ ڈال رہا ہے ---- جب آگ آسمان سے باتیں کرنے لگی ----- اور آگ کی تپش اور اس کے بلند ہونے والے شعلوں سے قرب و جوار کی چیزیں بھی جلنے اور جھلسنے لگیں۔

نمرود کو اور قوم کو یقین ہو گیا کہ اس آگ سے ابراہیم بچ نہیں سکے گا۔ اور یہ آگ اسے جلا کر راکھ بنا دے گی ----- تو انھیں ایک منجنیق میں بٹھا کر آگ میں ڈالنے کے لیے جھولے دیے جانے لگے ایسے موقع پر نمرود مسرور تھا کہ آج میرا دشمن اور میری سلطنت کا دیری ختم ہو جائے گا ----- آج ابلیس کے گھر جشن تھا کہ اللہ کا نمائندہ ----- اور میرے راستے کا کانٹا ہمیشہ کے لیے نکل جائے گا ----- آج مشرکین اور بت پرستوں کے چہروں پر خوشی و مسرت کے آثار جھلک رہے تھے کہ ہمارے مذہب کا مخالف ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ خوفناک اور عجیب منظر فرشتوں کو دکھایا ------ کہ تم اسی مخلوق کے لیے کہتے تھے ------

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (بقرہ ۲ : ۳۰)

کہ یہ فساد کریں گے اور زمین میں خونریزیاں کریں گے ---- وہ دیکھو میرا خلیل کتنے حوصلے اور جذبے کے ساتھ آگ میں کودنے کے لیے تیار ہے ------ اس کے چہرے سے عیاں تبسم اور مسکراہٹ دیکھ ----- اس کے معصوم چہرے پر رائی کے دانے کے برابر بھی اضطراب اور پریشانی دیکھ رہے

ہو؟ ----- وہ میری محبت میں ----- میری الوہیت و معبودیت کے بیان کے صلے میں آج اپنے آپ کو آگ کے سپرد کر رہا ہے۔
جبریل امین علیہ السلام اور دوسرے فرشتوں نے کہا ----- مولا! اس کی مدد فرما اور اسے اس مصیبت سے بچالے۔
اللہ نے فرمایا ----- تم جاؤ اور ابراہیمؑ سے پوچھو ----- جبریل امینؑ آئے اور عرض کیا

هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ ----- آپ کی کوئی حاجت ----- درخواست اور ضرورت ہو تو فرمائیے ----- میں حاضر ہوں۔

سبحان اللہ! ذرا دیکھیے مشکل کی اس گھڑی میں ----- دکھ کے اس وقت میں ----- جب آگ آنکھوں کے سامنے آسمان سے باتیں کر رہی ہے ----- دشمن خوشی و مسرت سے اچھل رہے ہیں ----- آگ میں جلا دینے کی پوری تدبیر مکمل ہو چکی ہے ----- عین ان لمحات میں مدد و نصرت جبریل امین جیسے فرشتے کی صورت میں حاصل ہو رہی ہے ----- مگر قربان جاؤں خلیل اللہ کے ایسے نازک وقت میں بھی بڑی بے نیازی سے فرمایا:
----- اما الیك فلا ----- جبریل حاجت تو ہے ----- پر تیرے ساتھ نہیں ----- کسی اور کے ساتھ ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اسی توکل ----- اسی بھروسے ----- اور اللہ کے ساتھ مضبوط تعلق اور مخلوق سے یکسر بے نیازی کی وجہ سے اللہ نے انھیں حنیف اور مسلم فرمایا۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ
(نحل ۱۶ : ۱۲۰)

”بے شک ابراہیم تھا مقتدا، اللہ کا فرمانبردار، سب سے

ایک طرف ہو کر"۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا:

مَاكَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَانَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آلِ عمران ۳ : ۶۷)

ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی تھے لیکن وہ حنیف تھے۔ (یعنی سب سے کٹ کر اللہ سے جڑنے والے) اور میرے فرمانبردار تھے۔

سیدنا ابراہیمؑ کی دُعاء

ایسے وقت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جو دعاء مانگی اسے کئی مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ذکر کیا ----- ایسی مشکل گھڑی ------ پہاڑ سے بڑھ کر مصیبت کے وقت اپنے رب کو ان الفاظ میں پکارا:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْوَاحِدُ فِي السَّمَآءِ وَاَنَا وَاحِدٌ فِي الْاَرْضِ لَيْسَ اَحَدٌ يَعْبُدُكَ غَيْرِي حَسْبِيَ اللّٰهُ نِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

اے میرے مولا! ----- تو آسمانوں پر اکیلا معبود اور اِلٰہ ہے ----- اور اس وقت زمین پر تیری خالص عبادت کرنے والا میں ابراہیم بھی اکیلا ہوں ---- اس وقت دھرتی پر تیری عبادت کرنے والا میرے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے۔ میرے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

ایک اور دعا کا تذکرہ بھی بعض کتابوں میں ملتا ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الْمُلْكُ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

مولا! تیرے سوا معبود اور کوئی نہیں۔ تیری ذات شریکوں سے پاک ہے تو رب العالمین ہے۔ تمام تر حمدیں اور ثنائیں

تیرے لیے ہیں ----- بادشاہی اور راج بھی صرف تیرے لیے ہے ---- تیرا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

(روح المعانی، بحر محیط، زاد المسیر، تفسیر کبیر)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو ان کا آخری قول ----- اور آخری الفاظ یہ تھے:

حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

میرے لیے میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

(بخاری و مسلم)

سیدنا ابراہیمؑ نے مصیبت میں کس کو پکارا

سامعین گرامی قدر ---- آپ نے سنا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مصیبت کی اس گھڑی میں ---- دکھ کے اس وقت میں گھر کر ---- بغیر کسی کے واسطے، وسیلے اور طفیل کے براہِ راست صرف اپنے اللہ کو پکارا ---- صرف اسے آواز دی ---- صرف اسی کے نام کے وظیفے پڑھے ---- غیر اللہ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

اس بات میں ہم سب کے لیے یہ سبق موجود ہے کہ مصائب و تکالیف میں مبتلا ہو کر ---- مشکلات و پریشانیوں میں گھر کر ---- اللہ کے سوا کسی کو پکارنا نہیں چاہیے ---- بلکہ بغیر واسطہ اور وسیلہ کے براہِ راست اللہ کو پکارنا چاہیے۔

قرآن و حدیث نے اور شریعت محمدیہ نے ہمیں یہی سبق دیا ہے۔

قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مومن ۴۰ : ۶۰)

لوگو! تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں تمہاری پکاروں کو

قبول کرتا ہوں۔

ایک اور جگہ پر فرمایا:

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲ : ۱۸۶)

میں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے۔

آگ کا سرد ہونا

دشمنوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے حوالے کر دیا ---- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے رب سے مضبوط تعلق تھا ---- انھوں نے اپنے رب پر توکل اور بھروسے کی انتہا کر دی ---- اللہ کی محبت میں سب کو بھلا دیا ---- تو پھر اللہ ربُ العزت نے بھی اپنے محبوب بندے پر نگاہِ کرم فرمائی ----- اپنے پیارے کو بے یار و مددگار نہ رہنے دیا ---- اسے اکیلا نہیں چھوڑا ----- اپنے پیارے بندے کو بچا لیا اور دشمنوں کے تمام منصوبوں ----- سازشوں کو ناکام و نامراد کر دیا۔

ایسے وقت میں آگ میں جلانے کی تاثیر بخشنے والے نے آگ کو خطاب فرمایا:

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ (۲۱ : ۶۹)

اے آگ ------ تجھ میں جلانے کی تاثیر بھی تو میں نے عطا کی تھی ----- موثر حقیقی تو میں ہی ہوں ---- اب میں تجھ کو حکم دے رہا ہوں کہ اپنی تپش اور سوزش کا اثر ابراہیمؑ پر نہیں کرنا، اور ابراہیمؑ کے حق میں سلامتی و راحت بن جا ---- اور دیکھنا ٹھنڈی بھی پوری پوری ہونا ------ زیادہ ٹھنڈی نہ ہو جانا ----- کہیں میرے خلیل کو سردی نہ لگ جائے۔

آگ اسی وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں گل و گلزار بن گئی ----- آگ ان کے لیے باغ و بہار میں تبدیل ہو گئی ---- سیدنا ابراہیم علیہ السلام

فرمایا کرتے تھے ------ میری زندگی کے سب سے خوبصورت اور حسین ایام وہی تھے جو میں نے آگ میں گزارے تھے۔ (تفسیر کبیر)

اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے منصوبے خاک میں ملا دیے ------ ان کی تدبیریں فیل ہو گئیں ------ سازشیں ناکام ہو گئیں ---- ابراہیم سرخرو ہو گئے۔

قرآن کہتا ہے :

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ (۲۱ : ۷۰)

انھوں نے ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلی۔ پس ہم نے ان کو ناکام بنا دیا۔

کسی نے اس موقع کے لیے سچ کہا ہے : ع

دشمن اگر قویست نگہباں قوی ترست

دشمن اگر طاقت ور ہے تو بچانے والا اس سے بھی بڑھ کر طاقت ور ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے ذرہ برابر نقصان نہ پہنچایا ---- وہ اس سے سرخرو ہو کر باہر نکلے اور دوسری طرف وقت کے بادشاہ نمرود کو ایک حقیر مچھر کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا ---- مچھر اس کے ناک کے ذریعے دماغ میں گھس گیا ---- دماغ میں خارش شروع ہوئی ---- پہلے ہاتھ سے سر کو پیٹتا جاتا رہا ---- خارش تیز ہوتی گئی ----- پھر نمرود کے سر پر جوتیاں پڑنے لگیں ---- خدائی کا تمام تر غرور ----- ربوبیت کا تمام تر فخر ---- الوہیت کا تمام تر شوق ---- اور معبودیت کا تمام تر نشہ ہرن ہو گیا ----- جھوٹے معبود کے سر پر جوتیاں برسنے لگیں ---- اسی عذاب میں مبتلا رہ کر ذلت کی موت مر گیا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ مچھر پوری قوم پر مسلط کر دیے گئے ---- مچھروں نے ان کا خون نچوڑ لیا اور گوشت کھا گئے ----- دنیا میں صرف ان کی ہڈیاں اور ڈھانچے ہی رہ گئے۔ (البدایہ والنہایہ جلدا صفحہ ۲۲۴)

جو آگ نمرودیوں نے سیدنا ابراہیم کے لیے سلگائی تھی اور جلائی تھی اسے تو اللہ نے ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈا کر دیا ---- اس آگ کو اپنی رحمت و مہربانی سے اور اپنے فضل و کرم سے باغ و گلزار بنا دیا۔

مگر جو آگ اللہ نے کفار و مشرکین کے لیے ---- پتھر اور لوگوں کے ایندھن سے سلگائی ہے اور جلائی ہے ---- اس آگ سے ان کو کوئی بھی بچا نہیں سکے گا ---- انھوں نے دوزخ کی آگ میں ضرور جلنا ہے۔

اس طرح وہ لوگ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے ----- اور آخرت میں بھی رسوائی ان کا مقدر بنے گی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سیرت طیبہ اور حالاتِ زندگی کے باقی واقعات آئندہ جمعۃ المبارک کے خطبہ میں بیان کروں گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ۳

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ○ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ○ (صافات ۳۷ : ۹۹_۱۰۱)

اور (سیدنا ابراہیمؑ) کہنے لگے میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف وہ مجھ کو راستہ دکھائے گا۔ اے میرے رب بخش مجھ کو نیک بیٹا پھر خوشخبری دی ہم نے ابراہیمؑ کو ایک لڑکے کی جو حوصلے والا ہوگا۔

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ :

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ (عنکبوت ۲۹ : ۲۶_۲۷)

پھر ایمان لایا ابراہیم پر لوط اور ابراہیم کہنے لگا میں ہجرت کرتا ہوں اپنے رب کی طرف بے شک وہی ہے زبردست حکمت والا اور بخشا ہم نے ابراہیم کو بیٹا اسحاق اور پوتا یعقوب اور نبوت و کتاب اس کی اولاد میں رکھ دی اور ہم نے ابراہیمؑ کو دنیا میں بھی بدلہ دیا اور وہ آخرت میں البتہ نیکوں میں سے ہے۔

(صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ)

سامعین گرامی قدر ! گزشتہ جمعۃ المبارک کے خطبہ میں آپ سن چکے ہیں ----- اور میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر چکا ہوں کہ جد الانبیاء سیدنا ابراھیم علیہ السلام ---- اپنی قوم کے لوگوں کی ہدایت کے لیے کس قدر مضطرب اور بے چین تھے ----- دلائل و براہین کے ذریعہ انھوں نے حق بات کو واضح فرمایا ----- اور توحید الہٰی کی صداقت و حقانیت کو ثابت کیا ----- سمجھانے اور بیان کرنے کا وہ کون سا طریقہ ہوسکتا تھا جو انھوں نے اختیار نہ کیا ہو ----- ہر طرح سے اور ہر طریقے سے اور بڑے سلیقے سے سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے پیغام حق کو آشکارا کیا۔

سب سے پہلے اپنے بت گر، بت فروش اور بت پرست والد کو سمجھایا ---- ہر طرح سے والد کی خیر خواہی کی ------ مگر والد نے ایک نہ سنی اور حق کو قبول کرنے سے انکار کیا ----- بلکہ سیدنا ابراھیم علیہ السلام کو گھر سے نکال دیا۔

پھر انھوں نے عوام الناس کے سامنے اپنی دعوت کو پیش فرمایا ----- اور آخر میں انھوں نے وقت کے بادشاہ نمرود سے مناظرہ کر کے اللہ کی ربوبیت اور معبودیت منوائی ---- بڑے خوبصورت اور حسین دلائل کے ساتھ حق بات کو نمرود کے سامنے پیش فرمایا۔

انھوں نے ہر لمحہ اور ہر لحظہ سب کو ----- والد کو بھی ------ گھر والوں کو بھی ----- دوست و احباب کو بھی ------ عوام و خواص کو بھی اور وقت کے بادشاہ کو بھی ----- سب کو یہی تلقین کی ----- یہی بات سمجھائی کہ اللہ کے سوا اِلٰہ اور معبود اور کوئی نہیں ہے ----- اللہ کے علاوہ پرستش کے لائق اور کوئی نہیں ہے ----- تمھارا نفع اور تمھارا نقصان اللہ کے سوا کسی اور کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

بت پرستی ----- اصنام پرستی ----- کواکب پرستی کا نتیجہ اور ثمرہ سوائے

ذلت و خسران کے اور کچھ نہیں ہے ----- شرک اللہ سے بغاوت کا نام ہے۔ لہذا شرک سے باز آجاؤ ----- اور میری پیروی کرو ----- میں تمھیں صراط مستقیم پر گامزن کردوں گا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ کا قوم پر کچھ اثر ہوا؟ ---- آپ سن کر حیران ہوں گے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے سیدنا لوط (جو بعد میں خود بھی منصبِ نبوت سے سرفراز کیے گئے) اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا (جو آپ کی چچا زاد بہن تھیں) کے علاوہ کوئی ایک شخص بھی ایمان نہ لایا ---- بلکہ تمام لوگوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کرلیا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلا دیا جائے ----- اللہ ربُ العزت نے مشرکین اور مخالفین کے ارادوں اور تدبیروں کو ناکام کردیا اور آگ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے گلزار بنا دیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

اپنے شہر کے لوگوں کے ایمان قبول کرنے سے مایوس ہو کر ---- اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ کسی دوسری جگہ جا کر اللہ کا پیغام سنائیں، اور دعوتِ حق پہنچائیں ----- یہ سوچ کر اپنے ملک اور اپنے شہر سے ہجرت کا ارادہ فرمالیا اور کہا:

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (سورۃ صافات ۳۷ : ۹۹)

میں جانے والا ہوں اپنے پروردگار کی طرف وہ مجھ کو راستہ دکھائے گا۔

قرآن مجید نے دوسری جگہ اس کو اس طرح بیان فرمایا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ (عنکبوت ۲۹ : ۲۶)

میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔

سامعین گرامی قدر ! ایک لمحہ کے لیے رک کر ذرا میری بات کو سنیے
----- کیا خیال ہے آپ کا ----- کہ اپنا گھر --- اپنا شہر ---- اپنا ملک چھوڑنا ---- اور ہجرت کرنا آسان کام ہے؟ ---- نہیں --- یہ بڑا مشکل کام اور کٹھن مرحلہ ہے۔

ذرا پوچھیے ان بھائیوں سے جو تقسیم ملک کے وقت ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے ----- ذرا سوال کیجیے ان بھائیوں سے ---- جنھیں افغانستان سے ہجرت کرنا پڑی ---- ان میں سے کوئی پاکستان آگیا ---- اور کوئی ایران چلا گیا۔

پھر دیکھیے ---- جو ہجرت کرتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں جگہ جا رہا ہوں ----- وہاں کے لوگ میرا سہارا بنیں گے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہجرت کی ----- تو انھیں مدینہ نظر آرہا تھا ---- اور یہ سب کو معلوم تھا کہ مدینہ میں ہمارے مومن بھائی موجود ہیں جو ظاہری طور پر ہمارا سہارا بنیں گے۔ اسی طرح ہندوستان سے ہجرت کرنے والوں کو --- پاکستان نظر آرہا تھا --- اور انھیں اس بات کا بخوبی علم تھا کہ پاکستان میں ہمارے مُسلمان بھائی موجود ہیں جو ہمارا خیال کریں گے۔

اسی طرح افغانستان سے ہجرت کرنے والوں کو سامنے پاکستان نظر آرہا تھا ---- کہ مُسلمان ملک ہے ---- وہاں ہمارے مُسلمان بھائی رہتے ہیں --- وہ ہر لحاظ سے ہمارا خیال رکھیں گے۔

مگر سیدنا ابراھیم علیہ السّلام کی اپنے بھتیجے ---- اور اپنی بیوی کے ساتھ ہجرت ایسی نرالی اور انوکھی ہجرت ہے کہ معلوم نہیں کہاں جانا ہے ----- پھر جہاں بھی جانا ہے ---- وہاں مخالفت کا ہی سامنا کرنا ہے ---- اسی لیے فرما رہے ہیں اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ ---- میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں

---- یعنی جس طرف کا اور جس سمت کا حکم میرا اللہ مجھے دے گا---- میں ادھر ہی چلا جاؤں گا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ کا حکم پاکر اپنے ملک عراق سے ہجرت کر کے فلسطین (شام) کے علاقے میں پہنچ گئے ---- اس سفر میں ان کے ہمراہ ان کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا----- بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی تھیں۔

سورۃ عنکبوت میں ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ (عنکبوت ۲۹ : ۲۶)

پس لوط ابراہیم پر ایمان لے آیا اور کہا بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہؐ کے ہمراہ ہجرت کر کے، حبشہ گئے تو رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ عُثْمَانَ اَوَّلُ مُهَاجِرٍ بِاَهْلِهٖ بَعْدَ لُوْطٍ۔

بے شک لوط علیہ السلام کے بعد عثمانؓ پہلے مہاجر ہیں جنھوں نے اپنی بیوی سمیت ہجرت کی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام مصر میں

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے مختصر سے قافلے کے ساتھ---- مسلسل سفر میں ہیں۔ اور راستے میں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے جا رہے ہیں---- چلتے چلتے یہ قافلہ مصر جا پہنچا۔

مصر کا بادشاہ انتہائی عیاش شخص تھا---- بڑا ظالم اور جابر آدمی تھا ---- جس حسینہ اور جمیلہ عورت کو دیکھ لیتا---- یا اسے خبر ہوجاتی تو اس عورت کو زبردستی چھین لیتا---- اور اس عورت کے ساتھ والے مرد کو---- اگر

وہ مرد عورت کا شوہر ہوتا تو اسے قتل کر دیتا ---- اور اگر وہ مرد عورت کا شوہر نہ ہوتا ---- بلکہ دوسرا کوئی عزیز ہوتا تو اسے کچھ نہ کہتا۔

سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ---- کہ اگر بادشاہ تم سے پوچھے کہ تم کون ہو ---- اور تمھارے ساتھ یہ شخص کون ہے ---- تو تم کہہ دینا کہ یہ میرا بھائی ہے۔

(حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابراھیم علیہ السلام کی دینی بہن تھیں ---- اور بیوی کے رشتہ سے اسلامی اور مذہبی اخوت کا رشتہ ختم نہیں ہو جاتا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ---- اور دوسرے کئی مؤرخین نے کہا ہے کہ حضرت سارہؓ سیدنا ابراھیم علیہ السلام کی چچا زاد بہن بھی تھیں ---- اس وجہ سے کہا کہ تم کہہ دینا کہ میں اس شخص کی بہن ہوں ---- یہ کوئی جھوٹ نہیں ہے بلکہ توریہ ہے)

اس ظالم بادشاہ نے جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بدی کا ارادہ کیا تو اس کا ہاتھ ناکارہ ہو گیا ---- شل ہو گیا ---- اور وہ باوجود کوششِ بسیار کے حضرت سارہؓ کو ہاتھ بھی نہ لگا سکا۔

یہ کرامت دیکھ کر ---- اس نے حضرت سارہ سے درخواست کی کہ اپنے اللہ سے دعا کر ---- کہ میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے تو میں عزت و اکرام کے ساتھ تجھے رہا کر دوں گا۔

حضرت سارہؓ نے اللہ کے دربار میں درخواست کی ---- اللہ ربُّ العزت نے اس کے ہاتھ کو درست فرما دیا۔

اس ظالم بادشاہ نے دوبارہ بدی کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا ---- تو ایک مرتبہ پھر اس کا ہاتھ شل ہو گیا ---- پھر دعا کی درخواست کی ---- حضرت سارہؓ نے منت و سماجت کی ---- ہاتھ دوبارہ ٹھیک ہو گیا ---- اس نے

تیسری بار پھر یہی حرکت کی پھر وہی معاملہ پیش آیا --- دعا کی درخواست کرنے لگا ----- حضرت سارہؓ ہر دفعہ دعا کر دیتیں ----- یہ درست اور ٹھیک ہو جاتا۔

سیدہ سارہؓ کی یہ عظمتیں اور یہ کرامت دیکھ کر اس نے محسوس کیا --- بلکہ اس کو یقین ہو گیا کہ سارہؓ اور ابراہیم ----- یہ اللہ کے مقبول بندے ---- برگزیدہ انسان ----- اور اللہ کے محبوب اور دوست ہیں ----- یہ سب کچھ دیکھ کر اس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہؓ کا بڑا اکرام کیا ---- عزت دی ---- اور ان کو ہر قسم کے مال و منال اور تحائف سے نوازا ---- اور صرف تحائف ----- اور مال و اسباب نہیں دیئے بلکہ ان سے رشتہ جوڑنے کے لیے اپنی بیٹی ہاجرہؓ کو بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا ------ جو اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق ----- پہلی اور بڑی بیوی کی خادمہ اور خدمت گزار بنیں۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں ----اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دادی تھیں ---- وہ مصر کے بادشاہ کی بیٹی تھیں ---- لونڈی یا باندی نہیں تھیں ----- جس طرح بنی اسرائیل یہ طعنہ مارتے ہیں کہ بنو اسماعیل ہم سے اس لیے کم تر ہیں کہ وہ لونڈی کی اولاد ہیں اور ہم حضرت سارہؓ کی اولاد ہیں ---- یہ طعنہ سراسر غلط اور تاریخی اعتبار سے یکسر جھوٹ ہے۔

جن لوگوں کو دھوکہ ہوا کہ ہاجرہ لونڈی تھیں ---- انھیں یہ مغالطہ اور دھوکہ اس وجہ سے ہوا کہ جب مصر کے بادشاہ نے اپنی بیٹی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نکاح میں دی ---- تو یہ جملہ کہا ----- کہ ہاجرہ ---- سیدہ سارہ کی خدمت گزار رہے گی)

اولاد کے لیے دُعائیں

اللہ کا اولوالعزم پیغمبر ----- خلیل اللہ علیہ السلام ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم تھے ---- انھوں نے اللہ کے حضور اولاد کے لیے درخواست کی۔ قرآن مجید نے اس کو ذکر فرمایا۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (صافات ۳۷ : ۱۰۰)

اے میرے پالنہار عطا کر مجھ کو کوئی نیک بیٹا۔

اولاد کا خزانہ کس کے پاس؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر ----- سب سے کم عمر والی روایت پر یقین کرلوں تو چھیاسی (۸۶) سال تھی ---- مگر ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم تھے ---- حرم میں بیوی بھی ایک نہیں بلکہ دو تھیں ---- حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ ---- اس سے روز روشن کی طرح معلوم ہوا اور واضح ہوا کہ اولاد دینے کا خزانہ ----- نہ کسی نبی کے پاس ہے اور نہ کسی ولی کے پاس ہے ----- بلکہ یہ خزانہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ----- اگر اولاد دینے اور اولاد عطا کرنے کا اختیار اللہ کے سوا کسی اور کے پاس ہوتا ---- تو اللہ کا خلیل ---- اتنی عمر تک اولاد کے لیے نہ ترستا رہتا ---- وہ ایک نہیں کئی بیٹوں کے باپ بن جاتے۔

مگر قرآن کہتا ہے :

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (شوریٰ ۴۲ : ۴۹-۵۰)

اللہ ہی کا راج اور بادشاہی ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، عطا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں ہی بیٹیاں

اور بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹے ہی بیٹے ---- یا ان کو عطا کرتا ہے جوڑے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے اسے بانجھ کر دیتا ہے۔ بے شک وہی ہے سب کچھ جاننے والا اور قدرت والا۔

اگر اولاد دینے کا خزانہ ---- اور اولاد سے محروم کر دینے کا اختیار صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے تو پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرح اولاد لینے کے لیے ---- پکارنا بھی صرف اللہ کو چاہیے۔

بالکل اسی طرح ---- جس طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی آرزو اور خواہش میں صرف اور صرف اللہ کے آگے عاجزی اور زاری کی۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝

(آلِ عمران ۳ : ۳۸)

اے میرے پالنہار! عطا کر مجھے اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ بے شک تو سننے والا ہے دعا کا۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو اولاد دینے والا سمجھنا ---- یا اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اولاد کے لیے غائبانہ پکارنا شرک ہے --- اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان ۳۱ : ۱۳)

بے شک شرک بھاری بے انصافی ہے۔

دُعا قبول ہوگئی

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بڑی زاری، بڑی عاجزی اور خشوع کے ساتھ بیٹے کے لیے دعا مانگی ------ تو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اور اپنی رحمت سے ان کی درخواست اور دعا کو قبول کر کے بیٹے کی خوشخبری دی۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (صافات ۳۷ : ۱۰۱)

پس ہم نے ابراہیمؑ کو ایک بردبار اور حوصلے والے بیٹے کی خوش خبری دی۔

چنانچہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک بیٹا عطا فرمایا جس کا نام اسماعیل تجویز کیا گیا۔

اسماعیل نام رکھنے کی وجہ

اسماعیل ----- اِسْمَعْ اور اِیْلُ سے مرکب ہے۔ عبرانی زبان میں ایل ---- اللہ کے ہم معنی ہے۔ اور اِسْمَعْ کا معنی ہے --- سن۔ چونکہ اسماعیلؑ کی پیدائش کے بارے میں اللہ نے سیدنا ابراہیمؑ کی دعا سن لی تھی، اس مناسبت سے ان کا یہ نام تجویز ہوا۔

ابراہیمؑ اور آزمائشوں کے دریا

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذات اور شخصیت ----- انبیاء کی قدوسی جماعت میں ----- ایسی نرالی اور انوکھی شخصیت ہے کہ انھوں نے مشرکین اور مخالفین کی طرف سے بھی بہت دکھ اٹھائے ---- مصائب برداشت کیے ---- تکالیف اور رنج و غم میں مبتلا کیے گئے ------ اور پھر اللہ نے بھی انھیں بہت آزمایا ----- بڑا پرکھا ----- آزمائش کی بھٹیوں سے گزارا ----- سخت سے سخت ترین امتحانوں میں ڈالا ----- وہ آزمائش کے ایک دریا کو عبور کرتے تو دوسرا دریا سامنے ہوتا۔

اس کو قرآن نے یوں بیان فرمایا:

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ

(البقرۃ ۲: ۱۲۴)

اور جب آزمایا ابراہیمؑ کو اس کے رب نے کئی باتوں میں پھر ابراہیمؑ نے وہ باتیں پوری کیں۔

پہلی آزمائش

ذرا پیچھے مڑ کر دیکھیے ---- میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں ---- سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے ----- رب کی رضا کے لیے سب سے پہلے گھر چھوڑا ----- کنبہ قبیلہ چھوڑا ---- پھر اپنی جان کو خوش دلی کے ساتھ آگ کے حوالے کر دیا ---- پھر وطن کی قربانی دی اور اللہ کے راستے میں ہجرت کر گئے۔

آج بڑی آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد ---- آج بڑی التجاؤں اور دعاؤں کے بعد بیٹا عطا ہوا ----- اکلوتا بیٹا ---- بڑھاپے کی اولاد ------ ابھی اس بیٹے نے بولنا بھی شروع نہیں کیا ---- ابھی اس نے اپنے شفیق والد سے باتیں بھی نہیں کیں ----- ابھی تو وہ دودھ پیتا ہے شیر خوار ہے ---- کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے اس اکلوتے شیر خوار بیٹے کو ----- اور ساتھ اس کی والدہ کو بھی ---- ایک ایسی وادی اور ایسی جگہ پر چھوڑ کر آؤ ---- جہاں نہ پانی ہے اور نہ آبادی ----- جہاں نہ درخت ہیں اور نہ مکان ----- جہاں نہ چرند اور نہ پرند ----- جہاں نہ سبزہ نہ کھیتی ---- بے آب و گیاہ اور سنسان وادی ہے ---- جسے چاروں طرف سے پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے۔

خلیل اللہ علیہ السلام آزمائش میں سرخرو ہوئے

سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرنے میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں کی ---- اور اپنی رفیقۂ حیات سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا ---- اور اپنے اکلوتے شیر خوار بچے اسماعیل کو لے کر چلے اور جہاں آج کعبہ ہے اس جگہ چھوڑ دیا ----- یہاں دور دور تک آبادی کا نام و نشان تک نہیں تھا ---- نہ آدم نہ آدم زاد ----- نہ پانی اور نہ سر چھپانے کی کوئی جگہ ---- ایک مشکیزہ پانی کا ----- اور ایک تھیلی کھجوروں کی ان کے

حوالے کی ----- اور پھر مُنہ پھیر کر واپس پلٹ گئے۔

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں ----- کہ اے ابراہیم آپ مجھ صنف نازک کو ----- اور اکلوتے شیر خوار بیٹے ----- اسماعیل کو کہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں، جہاں نہ آبادی ہے نہ پانی ----- جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ کوئی مونس و غم خوار ہے ----- نہ سر چھپانے کی جگہ ہے ----- ہاجرہ مسلسل دریافت کر رہی ہے مگر سیدنا ابراہیمؑ بھی مسلسل خاموش ہیں ----- آخر ہاجرہ نے کہا ----- ابراہیم ایک باپ بڑھاپے کی اولاد کو ----- یوں تنہا اپنی مرضی سے چھوڑ کر نہیں جاتا ----- بتایئے گا تیرے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ ہمیں یہاں بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ دیا جائے۔

اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام بولے ----- ہاں یہ حکم میرے رب کا ہے اور اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے میں تمھیں یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں ----- جس رب نے بڑھاپے میں گود ہری کی ہے اسی کا حکم ہے کہ اولاد کو جنگل میں چھوڑ آ۔

اللہ کا نام آنا تھا کہ ہاجرہ فوراً واپس پلٹیں اور کہا ----- اگر یہ حکم ہمارے رب کا ہے تو وہ یقیناً ہمیں ضائع اور برباد نہیں کرے گا ----- جو رب ماں کے پیٹ میں ----- تین اندھیروں میں بچے کو روزی فراہم کرتا ہے ----- جو رب پتھر میں بند کیڑے کو سبز رنگ کے پتوں کی صورت میں رزق عطا کرتا ہے ----- جو ہستی آتشِ نمرود میں تیری حفاظت کر سکتی ہے وہ ذات اور وہ ہستی اس بیابان جنگل میں ہماری ضرور حفاظت کرے گی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا

سیدنا ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے جب ایک ٹیلہ پر ایسی جگہ پہنچے ----- کہ ان کی زوجۂ محترمہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور لختِ جگر اسماعیلؑ نگاہوں

سے اوجھل ہو گئے ---- تو اس جگہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ---- ان کی اس پر سوز اور رقت آمیز دعا کو قرآن مجید نے ذکر فرمایا:

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَ ارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ (ابراہیم ۱۴ : ۳۷)

اے ہمارے پالنہار مولا (تو دیکھ رہا ہے کہ میں نے تیرے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے) میں نے اپنی اولاد (اکلوتا بیٹا اور بڑھاپے کی اولاد) تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسائی ہے تا کہ وہ نماز قائم رکھیں۔

(سبحان اللہ! اللہ کے خلیل کو اس مشکل گھڑی میں ---- اور ایسی وادی میں جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی ---- ان کے لب پر روزی کی دعا بعد میں آئی ---- پہلی اور اولین دعا دین کے بارے اور نماز کے بارے میں آئی ---- رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ---- معلوم ہوا اللہ کے پیغمبر کی مقدس نگاہ میں سب سے قیمتی چیز دین ہے ---- اور اولاد کے لیے ان کی فکر مندی دین کے لیے ہے)

فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ ---- میرے پالنہار مولا! پس تو (اپنے فضل و کرم اور مہربانی و رحمت سے) ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کے لیے زمین کی پیداوار سے ---- پھلوں سے روزی کا سامان مہیا فرما ---- تا کہ یہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں۔

دُعا کی قبولیت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی درد میں ڈوبی ہوئی دعا ---- عرش کا سینہ چیر کر درجۂ قبولیت سے مالا مال ہوئی ---- اور اس وادی غیر ذی زرع کو ایسا رنگ لگا کہ اس کا نظارہ دنیا آج تک دیکھ رہی ہے ---- دنیا کے مختلف ملکوں سے لوگ اس وادی غیر ذی زرع کی

طرف اس طرح کھنچے چلے آرہے ہیں جس طرح شہد کی مکھیاں اپنے چھتے کی طرف چلی آتی ہیں ----- دن رات وہاں ایک چہل پہل ہے ---- رونق ہے ---- آبادی ہے۔

اور آج کئی صدیاں گزر جانے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو نئی سے نئی زندگی بخش رہا ہے۔

پوری دنیا میں زرخیز سے زرخیز ملکوں میں ----- وہی غیر ذی زرع خطہ ایسا ہے جہاں نہ پھلوں کی کمی ہے ----- نہ غلے کی کمی ہے ---- نہ خوردنی اشیاء کی کمی ہے ---- بلکہ پھلوں اور کھانے پینے کی اشیاء کی جتنی فراوانی اور کثرت آج مکہ مکرمہ میں ہے ----- اتنی فراوانی اور کثرت ان ملکوں میں بھی نہیں ہے جہاں کی وہ پیداوار ہیں ----- ہر پھل، ہر موسم میں ملتا ہے۔ کبھی پاکستان سے آرہا ہے تو کبھی ہندوستان سے ----- کبھی ایران سے آرہا ہے تو کبھی افغانستان سے ----- کبھی لبنان سے کبھی مصر سے ----- کبھی برطانیہ سے اور کبھی امریکہ سے ----- تعجب ہے کہ ہر پھل ہر موسم میں ---- ہر شخص کو مل رہا ہے ---- یہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

سیدہ ہاجرہؓ کا صبر

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اپنے شیر خوار بیٹے کو دودھ پلاتی رہیں ---- چند کھجوریں کھا کر اور پانی پی کر گزارا کرتی رہیں ----- مگر پھر وہ وقت بھی آگیا کہ نہ پانی رہا اور نہ کھجوریں بچیں ----- ہاجرہؓ بھی پیاسی تھیں اور معصوم اسماعیلؑ بھی پیاسا تھا ------ جب بیٹے کی حالت دگرگوں ہونے لگی ----- بے ہوشی کے آثار ظاہر ہونے لگے ----- اسماعیلؑ نے ایڑیاں رگڑنی شروع کیں ----- تو ماں کی مامتا بھی تڑپ اٹھی ---- ہاجرہؓ بے تاب ہوگئیں ----- ان کی پریشانی آخری

حدوں کو چھونے لگی ----- ہاجرہؓ میں تڑپتے بیٹے کو دیکھنے کی تاب نہ رہی -----
یہ کرب ناک منظر ان سے دیکھنا مشکل ہو گیا ----- اب سیدہ ہاجرہؓ اسماعیلؑ کو اسی جگہ چھوڑ کر قریب ہی صفا کی پہاڑی پر چڑھ گئیں ----- کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آئے ----- یا کہیں پانی کے آثار اور نشان نظر آئیں ----- مگر انھیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔

پھر وہ سامنے کی پہاڑی مروہ کی طرف لپکیں ----- دونوں پہاڑیوں کے درمیان ذرا نشیب میں آئیں تو ---- بیٹا نظروں سے اوجھل ہو گیا ----- حضرت ہاجرہؓ نے فرطِ محبت میں دوڑ لگادی ----- مروہ پہاڑی پر چڑھ کر دیکھا ----- تو وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا۔

ہاجرہؓ کی دوڑ حج کا رکن

اسی طرح سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے اور ہر مرتبہ جب نشیبی جگہ پر پہنچیں تو بیٹے کو کو دیکھنے کے لیے دوڑیں (آج بھی عمرہ ادا کرنے والے یا حج کر فریضہ بجا لانے والے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگاتے ہیں اور سبز نشانوں والے ستونوں کے درمیان دوڑتے ہیں ---- یہ سب حضرت ہاجرہؓ کے اس عمل کی نقالی ہے۔ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا یہی وہ سعی بین الصفا والمروہ ہے جو حج میں لوگ کرتے ہیں) ساتویں چکر میں جب وہ مروہ پر پہنچیں ----- تو کانوں سے ایک آواز ٹکرائی ----- آواز سن کر چونکیں اور دل میں کہنے لگیں کوئی پکار رہا ہے ----- کان لگایا تو پھر آواز آئی ----- حضرت ہاجرہؓ کہنے لگیں اگر تم کچھ مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ تمھاری آواز تو میں نے سن لی ہے۔

اچانک دیکھا تو اللہ کا فرشتہ جبرائیلؑ ہے ----- زمزم کے مقام پر جبریل نے اپنی ایڑی یا اپنا پیر مارا تو پانی کا چشمہ ابلنے لگا۔

سامعین گرامی قدر! انسان کو کبھی بھی اور کسی حالت میں بھی اللہ کی رحمت اور مدد سے ناامید نہیں ہونا چاہیے ---- اگر دنیا کے اسباب ختم ہو جائیں ---- ضابطے اور قاعدے مٹ جائیں ---- تب بھی انسان ناامید نہ ہو ---- اس لیے کہ اللہ قانون، اسباب اور ضابطوں کا پابند نہیں ہے ---- کبھی کبھی وہ قانون توڑ کے قدرتوں کے مظاہرے شروع کر دیتا ہے اور مایوس انسان کی آس پوری کر دیتا ہے ---- جس طرح مریم کو بغیر خاوند کے بیٹا عطا فرمادیا ---- حضرت زکریا علیہ السلام کی گود بانجھ بیوی کی کوکھ سے بھری کردی ---- ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو گلزار بنا دیا۔

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا ابلنے والے پانی کے گرداگرد بند بنانے لگیں ---- باڑ لگانے لگیں ---- امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ اسماعیل کی ماں پر رحم فرمائے اگر وہ زمزم کو باڑ بنا کر نہ روکتیں تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ بن جاتا۔

زمزم کے فضائل

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی زمزم کے پانی کو پیو تو شفا طلب کرنے کی غرض سے پیو تو اللہ تم کو شفا عطا فرمائے گا۔ اور اس کو سیر ہونے کی غرض سے پیو تو اللہ تم کو سیر کرے گا۔ اور اگر زمزم کو پیاس بجھانے کی نیت سے پیو تو تمہاری پیاس بجھا دے گا۔

(دارقطنی، بیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۰۲)

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما زمزم سے پانی پیتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ رِزْقًا وَّاسِعًا وَّ شِفَآءً مِّنْ كُلِّ دَآءٍ

اے اللہ میں تجھ سے علم نافع اور وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفا کا سوال کرتا ہوں۔ (سُنن دارقطنی)

سیدہ ہاجرہؓ اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو محمد حفیظ جالندھری نے کتنے خوبصورت انداز میں اشعار کی لڑی مین موتیوں کی طرح پرویا ہے: ؎

یہ وادی جو بظاہر ساری دنیا سے نرالی تھی
یہی اک روز دینِ حق کا مرکز بننے والی تھی

یہ وادی جس میں سبزہ تھا نہ پانی تھا نہ سایہ تھا
اسے آباد کردینے کو ابراہیمؑ آیا تھا

یہیں ننھے سے اسماعیلؑ کو لاکر بسانا تھا
یہیں اپنی جبینوں سے خدا کا گھر بسانا تھا

سیدہ ہاجرہ کے دوڑنے کو حفیظ جالندھری نے کس طرح بیان کیا ہے، ذرا سنیے: ؎

یہاں صحرا ہی صحرا تھا چٹانیں ہی چٹانیں تھیں
جنابِ ہاجرہ یا ایک بچہ دو ہی جانیں تھیں

نہ دانہ تھا نہ پانی تھا بھروسا تھا فقط رب پر
بڑھی جب دھوپ کی گرمی تو جاں آنے لگی لب پر

کبھی اس سمت جاتی تھیں کبھی اس سمت جاتی تھیں
خیال آتا تھا بچے کا تو فوراً لوٹ آتی تھیں

آبِ زمزم اور بنو جرہم

اسی طرح وقت گزرتا رہا ---- حضرت ہاجرہؑ اور شیر خوار اسماعیلؑ آبِ زمزم پر پلتے رہے ---- اب یہاں پانی تھا تو پرندے بھی موجود تھے ---- یہاں تک کہ بنو جرہم قبیلہ کے کچھ لوگ اس وادی کے قریب آکر ٹھہرے ---- پرندوں کی موجودگی سے اندازہ لگایا کہ قریب میں پانی موجود ہے ---- تلاش کرتے کرتے اس جگہ پر آن پہنچے۔

انھوں نے سیدہ ہاجرہؓ سے یہاں قیام کرنے اور رہنے کی اجازت طلب کی ---- سیدہ ہاجرہؓ بھی چاہتی تھیں کہ تنہائی ختم ہو ---- کوئی مونس اور غم خوار ہو ---- انھوں نے بہ خوشی اجازت دے دی ---- بنو جرہم نے اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو بھی یہیں بلا لیا۔

اب یہاں مکان بننے لگے ---- آبادی ہونے لگی ---- حضرت اسماعیلؑ کی شادی بھی بنو جرہم قبیلہ کی ایک لڑکی سے ہو گئی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے لختِ جگر اسماعیلؑ کو ---- اور اپنی زوجۂ محترمہ ہاجرہ کو دیکھنے آتے رہتے تھے ---- ایک مرتبہ تشریف لائے تو اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہیں تھے ---- اپنی بہو سے پوچھا ---- سناؤ گزر بسر کیسے ہوتی ہے ---- بہو کہنے لگی انتہائی ابتر حالات ہیں ---- سخت مُصیبت اور پریشانی کا سامنا ہے ---- دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہیں ---- ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ---- اسماعیل آئیں تو انھیں میرا سلام کہنا ---- اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر دیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو گھر میں نُورِ نبوت کے کچھ آثار محسوس کیے ---- کچھ خوشبو سی سارے گھر میں پھیلی ہوئی محسوس فرمائی ---- پوچھا کوئی آیا تھا؟ ---- بیوی نے ساری بات بتا دی ---- سن کر فرمایا وہ میرے والد

ابراہیم علیہ السلام تھے، اور وہ یہ مشورہ دے کر گئے ہیں کہ میں تجھ سے الگ ہوجاؤں اور تجھے طلاق دے دوں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ان ہی لوگوں میں دوسری شادی کرلی ----

سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایک مرتبہ پھر تشریف لائے ---- اتفاق سے آج پھر حضرت اسماعیل گھر پر نہیں تھے ----- اپنی بہو سے پوچھا:

سناؤ گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟

بہو نے کہا:

اللہ کا احسان اور کرم ہے۔ بہت اچھی طرح زندگی گزر رہی ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ---- اسماعیلؑ آئیں تو انھیں میرا سلام کہنا ---- اور ساتھ یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم اور محفوظ رکھے۔

ایک اور اِمتحان --- ذبحِ عظیم

سامعین گرامی قدر! پہلے اِمتحان میں ---- اور پہلی آزمائش میں --- سیدنا اِبراہیم علیہ السلام کامیاب و کامران ہوئے ---- سرخرو ہوئے ----- مگر یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے مقرب اور برگزیدہ بندوں کے ساتھ وہ نہیں ہوتا جو عام انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے --- بلکہ اپنے مقرب اور پیارے بندوں کو امتحان و آزمائش کی سخت سے سخت منزلوں سے گزارتا ہے ---- ایک کے بعد دوسری آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے ----- قدم قدم پر مشکل ترین پرچے لیتا ہے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہم انبیاء کی جماعت اپنے مراتب کے اعتبار اور لحاظ سے امتحان اور آزمائش کی صعوبتوں میں ڈالے جاتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام چونکہ جلیل القدر پیغمبر اور اولوالعزم رسول تھے

------- انھیں جد الانبیاء بننے کا شرف عطا ہونا تھا------ اس لیے ان کو کئی مختلف آزمائشوں سے گزارا گیا اور کئی امتحانوں سے دوچار کیا گیا۔

مزے اور لطف کی بات یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہر امتحان میں سو میں سے سو نمبر لے کر کامیاب ہوئے ---- اور ہر مشکل سے مشکل آزمائش میں سرخرو ہوئے۔

کتنی جرأت اور کتنے استقلال سے انھوں نے اپنا گھر چھوڑا--- کتنے صبر و رضا اور کتنے توکل و استغنا سے انھوں نے اپنے آپ کو آگ کے حوالے کیا ---- اور کتنی بہادری اور کتنی اِستقامت سے انھوں نے وطن سے ہجرت فرمائی۔

اس کے بعد اپنے بیٹے اسماعیل کو ---- اور رفیقۂ حیات ہاجرہؓ کو ایک بیابان وادی میں اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چھوڑ آنا ----- معمولی امتحان نہ تھا۔ بلکہ یہ آزمائش اور سخت ترین آزمائش کا وقت تھا ---- بڑھاپے کی تمناؤں کا مرکز ---- تمام زندگی کی دعاؤں کا ثمر ---- اکلوتی اولاد ---- گھر کا واحد چشم و چراغ اسماعیل کو صرف اللہ کے حکم کی تعمیل میں ایک بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑتے ہیں اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے کہ کہیں شفقتِ پدری جوش میں نہ آجائے اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں معمولی دیر یا لغزش ہو جائے۔

مگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے ------ تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پوری زندگی قربانی کا دوسرا نام ہے ---- آزمائش کا ایک دریا عبور کرتے ہیں تو سامنے آزمائش کا دوسرا دریا نظر آتا ہے۔

ہمارے ملک کے ایک شاعر منیر نیازی نے خدا معلوم کس لیے اور کس کے بارے میں کہا تھا ---- مگر جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی پر وہ شعر سو فیصد فٹ آتا ہے۔ ؎

اک اور دریا کا سامنا تھا خلیل مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب

ماضی کے امتحانوں میں سرخرو ہوتے ---- ماضی کی کٹھن منزلوں کو عبور کرنے کے بعد اب ایک اور امتحان کی تیاری ہے۔ آزمائش کا ایک دریا سامنے ہے ---- اور یہ امتحان اور یہ آزمائش ---- ماضی کے تمام امتحانوں اور آزمائشوں سے زیادہ سخت اور مشکل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تین راتیں مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ذبح کر رہا ہوں۔ انبیاءؑ کا خواب دوسرے لوگوں کے خوابوں کی طرح ظنی نہیں ہوتا ---- بلکہ قطعی ہوتا ہے اور وحی کا درجہ رکھتا ہے۔

صاحبِ مدارک لکھتا ہے:

وَرُؤْيَا الْاَنْبِيَآءِ وَحْيٌ كَالْوَحْيِ فِي الْيَقْظَةِ

بحر محیط کے مصنف نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے کہ انبیاءؑ کا خواب اس طرح وحی کا درجہ رکھتا ہے جس طرح حالتِ بیداری میں وحی کا درجہ ہے۔

اس لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خواب کی نہ کوئی تاویل کی ---- نہ ٹالنے کی کوئی تدبیر کی ---- بلکہ وہ فوراً رضا و تسلیم کا پیکر اور فرمانبرداری کا مجسمہ بن گئے ---- وہ چاہتے تھے کہ اللہ کے حکم کی پہلی فرصت میں ---- اور جلد از جلد تعمیل کریں ---- مگر چونکہ یہ معاملہ یک طرفہ نہیں تھا ---- یہ معاملہ صرف اپنی ذات سے وابستہ نہیں تھا بلکہ معاملہ دوطرفہ تھا ---- بیٹا اسماعیلؑ بھی امتحان اور آزمائش کے اس کڑے وقت میں شریک تھا۔ جس کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا ---- اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

اپنے بیٹے کے سامنے اپنا خواب بیان فرمایا ---- قرآن مجید نے اس کا تذکرہ اس طرح فرمایا:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (صافات ۳۷ : ۱۰۲)

پھر جب بیٹا اس عمر کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ دوڑنے لگے تو ابراہیمؑ نے کہا: "اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ پس تو دیکھ کہ تیری مرضی اور رائے کیا ہے"۔ بیٹا بھی ہاجرہؓ جیسی عفت مآب خاتون کی گود میں پلا تھا ---- بیٹے کی رگوں میں بھی حوصلہ مند ابراہیمؑ کا خون گردش کرتا تھا ---- باپ کا خواب سنتے ہی سر تسلیم خم کر دیا، اور کہا ----
"بابا! قربانی تو محبوب اور پیاری چیز کی مانگی جاتی ہے ---- اگر اللہ میری قربانی مانگتا ہے تو معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس وقت پوری دنیا میں مجھ سے زیادہ محبوب اور مجھ سے زیادہ پیارا بندہ ہی نظر نہیں آیا"۔

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ

بابا جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا کر گزریے۔ (رہ گیا میرا معاملہ) تو میرے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

اس گفتگو کے بعد باپ بیٹا دونوں قربانی پیش کرنے کے لیے جنگل کی طرف روانہ ہو گئے ---- باپ نے بیٹے کو مذبوح جانور کی طرح ہاتھ پاؤں باندھ کر پہلو کے بل لٹا دیا ---- ذبح کے وقت جانور کو لٹانا مشکل ہوتا ہے ---- جب جانور پر قابو پا کر لٹا دیا جائے تو چھری چلانا کون سا مشکل کام ہے؟ ---- وہ تو سیکنڈوں کی کارروائی ہوتی ہے۔

قرآن کہتا ہے:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ (۳۷ : ۱۰۳)

پس جب (باپ بیٹا) دونوں نے رضا و تسلیم کو اختیار کر لیا (دونوں نے ہماری بات اور ہمارے حکم کو مان لیا) اور باپ نے پہلو کے بل بیٹے کو لٹا دیا۔

ابراہیمؑ ذبح کرنے پر تیار ہو گئے ---- اور اسماعیلؑ ذبح ہونے کے لیے تیار ہو گئے ---- تو اس وقت ہم نے آواز دی ---- اے ابراہیمؑ!

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا (۳۷ : ۱۰۵) ------

تُو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔

اِسماعیلؑ کی جگہ پر جنت سے ایک مینڈھا بھیج دیا گیا ----

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (۳۷ : ۱۰۷) ------

اور بدلہ دیا ہم نے اِبراہیمؑ کو بڑے ذبح (مینڈھے) کے ساتھ۔

کہا ------ ابراہیمؑ، اے رضا و تسلیم کے پیکر ------ فرمانبرداری و اطاعت کے مجسمے ------ اِطاعت و اتباع کے پتلے ------ اِسماعیل کی جگہ اس مینڈھے کو ذبح کر دے۔ ہم تجھے بیٹے کی قربانی کا ثواب اور اجر عطا کریں گے۔

یہ وہ قربانی ہے ---- جو اللہ رَبُّ العزت کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہوئی ------ کہ بطور یادگار ملت ابراہیمی کا شعار قرار پائی ------ اور آج بھی ذی الحجہ کی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ کو عالمِ اسلام کے مُسلمان اپنے اپنے جانور اللہ کی راہ میں قربان کر کے سُنّتِ ابراہیمؑ پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

ان تین تاریخوں میں شریعتِ محمدیہ نے جب جانور ذبح کرنے کا حکم دیا تھا ---- تو صحابۂ کرامؓ نے امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دریافت کیا تھا ----- مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِیُّ ------ یا رسُول اللہ یہ قربانیوں کا ذبح کرنا کیا ہے ------ تو آپؐ نے فرمایا تھا ------ هِیَ سُنَّةُ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ ------ یہ تمھارے

باپ ابراہیمؑ کی سنت اور طریقہ ہے۔

واقعۂ ذبح سے دو باتیں سمجھ آئیں

اس سے پہلے کہ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سیرت اور حیاتِ طیبہ کے مزید واقعات اور حالات آپ کے سامنے بیان کروں ---- یہاں رک کر اس واقعۂ ذبح کے نتیجہ میں سمجھ آنے والی دو باتیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔

پہلی بات

پہلی بات تو اس واقعہ سے یہ ثابت ہوئی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مرضی اور منشاء یہ تھی کہ چھری چل جائے اور اِسماعیلؑ کا گلا کٹ جائے ---- اور اسماعیلؑ بھی چاہتے تھے کہ میرا گلا کٹ جائے ---- مگر عرش والا چاہتا تھا کہ اسماعیلؑ کے گلے پر خراش بھی نہ آئے ---- تو پھر مرضی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی پوری نہیں ہوئی ---- بلکہ مرضی ان دونوں کے رب کی پوری ہوئی ---- معلوم ہوا کسی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا ---- ہوتا وہی ہے جو اللہ ربّ العزت چاہتا ہے۔

دُوسری بات

دُوسرا مسئلہ اور دوسری بات اس واقعہ سے یہ کھل کر سامنے آئی کہ یہ پورا واقعہ ---- سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسماعیلؑ کی قربانی کا ---- خواب کا آنا ---- بیٹے کے سامنے خواب کا تذکرہ ---- بیٹے کی آمادگی ---- ذبح کی تیاری ---- منیٰ روانگی ---- اسماعیل کو لٹانا ---- چھری ہاتھ میں لینا ---- یہ سب کچھ امتحان تھا یا ڈراما تھا؟ ---- ذرا سوچ کر جواب دیجیے۔

اِمتحان تھا ---- اور یقیناً اِمتحان تھا ---- خود اللہ ربّ العزت فرماتا ہے:

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ (۳۷ : ۱۰۶)

بلا شبہ یہ واضح امتحان تھا۔۔۔۔۔ یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی۔
سامعینِ گرامی قدر!
کیا میں پوچھ سکتا ہوں ۔۔۔۔۔ کہ کیا حضرت ابراھیم علیہ السلام جانتے تھے ۔۔۔؟۔۔۔ کیا حضرت ابراھیم علیہ السلام کو علم اور خبر تھی کہ اسماعیل نے ذبح نہیں ہونا ۔۔۔؟۔۔۔ میرے بیٹے کو خراش تک بھی نہیں آنی ۔۔۔۔۔ اس کی جگہ جنت سے مینڈھا آئے گا، وہ ذبح کردوں گا، تو مجھے بیٹے کی قربانی کا ثواب مل جائے گا؟ ۔۔۔۔۔ کیا حضرت ابراہیمؑ کو یہ سب کچھ معلوم تھا؟ ۔۔۔۔۔ یقیناً نہیں ۔۔۔۔۔

اگر معلوم ہو تو پھر یہ امتحان نہیں بنے گا، بلکہ العیاذ باللہ ڈراما بن جائے گا ۔۔۔۔۔ اس لیے کہ ڈرامے میں کردار متعین ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔ تو نے یہ کہنا ہے اور میں نے یہ کہنا ہے ۔۔۔۔۔ تو نے اس دروازے سے آنا ہے اور میں نے اس دروازے سے آنا ہے ۔۔۔۔۔ ڈراما میں ڈراما کے کرداروں کو سب کچھ پہلے سے معلوم ہوتا ہے۔

اگر یہ عقیدہ ہو کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام آنے والے واقعات و حالات کو جانتے ہیں ۔۔۔۔۔ وہ عالم الغیب ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔ اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کو پہلے سے علم تھا کہ اسماعیل کو خراش تک نہیں آنی، بلکہ اس کی جگہ پر جنت سے دنبہ آجانا ہے ۔۔۔۔۔ تو پھر میرے بھائی یہ امتحان نہیں بنے گا، بلکہ (العیاذ باللہ) ڈراما بن جائے گا ۔۔۔۔۔ جس کا تصور بھی انسان کو کفر کی وادی میں پہنچادے گا۔

یہ واقعہ کھلا ہوا امتحان اَلْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ اور واضح آزمائش تب ہی بنے گا جب عقیدہ یہ اپناؤ گے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آنے والے واقعات و حالات کا علم نہیں تھا ۔۔۔۔۔ انھیں اس امتحان کے نتیجے کا پتا نہیں تھا۔

تو پھر ہمارا یہ موقف اور یہ مسلک روز روشن کی طرح واضح ہو گیا نا! کہ کل کیا ہوگا ----- اس کو جاننے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے ----- آنے والے واقعات و حالات کو جاننے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے ----- عالم الغیب و الشہادۃ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے ----- قرآن مجید کی متعدد آیات اس پر دلیل ہیں ----- احادیث نبویہ اس پر گواہ ہیں ----- فقہاءِ احناف کے مستند اقوال اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

قرآن کہتا ہے:

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (سورۃ لقمان ۳۱ : ۳۴)

کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

بناءِ کعبہ

جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام اگرچہ رہتے تو فلسطین میں تھے ----- مگر گاہے بگاہے اپنے اہل و عیال کی خبر گیری کے لیے مکہ مکرمہ آتے رہتے تھے ----- اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ بیت اللہ کی تعمیر کرو ----- انھوں نے اپنے فرمانبردار اور ہونہار بیٹے ----- اسماعیل سے اس کا تذکرہ فرمایا ----- اس طرح دونوں باپ بیٹے نے بیت اللہ کی تعمیر شروع کر دی۔

بیت اللہ کی پہلی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی۔ (فتح القدیر جلد ۸ صفحہ ۱۳۸)

مگر ہزاروں سال کے حوادث و حالات نے ----- بڑے عرصہ سے بیت اللہ کو بے نشان کر دیا تھا ----- البتہ اب بھی اس کی بنیادوں کے نشان ----- اور ابھری ہوئی زمین کی صورت میں آثار موجود تھے۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی جگہ ----- اور بنیادوں کی نشاندہی فرمائی ----- اور ان ہی بنیادوں پر باپ بیٹا نے

مل کر ----- بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔

دنیا کے بت کدوں میں ----- توحید کی سربلندی کے لیے ----- صرف اللہ ربّ العزت کی عبادت و پرستش کے لیے پہلا گھر ----- جو بیت اللہ کہلایا ----- وہ یہی گھر ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ

(آلِ عمران ۳ : ۹۶)

بلاشبہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے سر تا پا بابرکت اور جہان والوں کے لیے ہدایت۔

کسی شاعر نے خوب کہا ہے : ؎

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا

دنیا میں یہی ایک تعمیر ---- ایسی مبارک تعمیر ہے ----- کہ جد الانبیاء جیسا جلیل القدر شخص اس کا معمار ہے ----- اور ذبیح اللہ جیسا اولوالعزم انسان اس کا مزدور ہے ----- ابراہیمؑ اینٹیں لگانے والے ہیں ----- اور اسماعیلؑ اینٹیں ڈھو ڈھو کر لانے والا ہے۔

دونوں باپ بیٹا ----- برابر اس کی تعمیر میں ---- اور دیواروں کے استوار کرنے میں مصروف ہیں ---- جب دیواریں بلندی پر پہنچتی ہیں ---- اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچتا ---- تو قدرت کی طرف سے اشارہ ملنے پر ایک پتھر کو گوہ کی شکل میں استعمال کرتے ہیں ---- اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر چڑھ کر تعمیر مکمل فرماتے ہیں ---- یہ پتھر لفٹ کا کام دیتا ہے ---- اوپر جانا ہو ----- تو اوپر کی طرف اٹھ جاتا ہے ----- نیچے آنا ہو ----- تو نیچے ہو جاتا ہے۔

یہی وہ مبارک اور مقدس پتھر ہے ------ جو آج مقام ابراہیمؑ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ----- اور جس پتھر پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان واضح نظر آتے ہیں۔

ابراھیم واسماعیل علیہما السلام کی دُعائیں

بیت اللہ کی تعمیر کے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے کئی ایک دعائیں مانگیں ----- رب کے حضور درخواستیں پیش کیں ----- جنھیں قرآن مجید نے ذکر فرمایا:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرہ ۲: ۱۲۷)

اے ہمارے پالنہار! ہمارے اس عمل کو درجۂ قبولیت عطا فرما۔ بے شک تو ہی ہے سننے والا (ہر پکار کا) اور جاننے والا (ہر ایک کی حالت کو)

ہمارے لیے سبق

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اس پہلی دعا میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ کسی انسان کو اپنے کسی اچھے عمل پر ----- ناز نخرہ اور تکبر و غرور نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ بڑی عاجزی و زاری اور انکساری کے ساتھ اللہ کے حضور دعا کرنی چاہیے کہ وہ اس عمل کو درجۂ قبولیت عطا فرمائے۔

دیکھو ---- عمل ہو بیت اللہ کی تعمیر ----- اور تعمیر بھی اپنے ہاتھوں سے ---- اور عمل کرنے والا ہو ----- جد الانبیاء اور خلیل اللہ ----- پھر بھی اپنے عظیم عمل پر ناز نہیں کرتا ----- فخر اور غرور نہیں کرتا ---- بلکہ بڑی عاجزی اور بڑی انکساری کے ساتھ التجا اور درخواست کرتا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ------ ہمارے پالنہار مولا ------ اپنے فضل و کرم سے ----- اور اپنی رحمت سے ہمارے اس عمل کو قبول فرمالے۔

دُوسری دُعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دُوسری دعا مانگی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

(بقرہ ۲ : ۱۲۸)

اے ہمارے پالنہار مولا! ہم دونوں کو اپنا سچا فرمانبردار اور مطیع بنا دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت ایسی ضرور رکھیو جو صرف اور صرف تیری فرمانبردار ہو۔

وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (۲ : ۱۲۸)

اور ہمیں سکھا حج کے طریقے (عبادت کے قاعدے) اور ہم کو معاف فرما بے شک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا۔

تیسری اور مقصُودی دعا

دونوں باپ بیٹا نے تیسری دعا مانگی ---- اور یہی مقصُودی دعا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (۲ : ۱۲۹)

اے ہمارے پالنہار مولا! اور بھیج ان میں ایک عظیم الشان رسُول انہی میں سے۔

میرے پروردگار! تیرے حکم سے تیرا سادہ سا گھر ہم نے بنا دیا ----- مگر مولا! گھر اچھے لگتے ہیں رہنے والوں سے ----- مکان خوبصورت لگتے ہیں مکینوں سے ----- تعمیریں اچھی لگتی ہیں آباد کرنے والوں سے ---- مولا! مکان اور گھر ہم نے بنا دیا ہے ----- آباد کرنے والا محمد ﷺ تو بھیج دے۔

وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ ------- رَسُولًا کی تنوین ----- تعظیم کے لیے ہے ---- مولا! ایسا رسُول بھیج ---- جو حسینوں میں احسن ہو ----- ایسا رسُول بھیج جو جمیلوں میں اجمل ہو ---- جو شریفوں میں اشرف ہو -------

جو کاملوں میں اکمل ہو ----- جو صرف نبی نہ ہو خاتم الانبیاء ہو ----- جو صرف رسُول نہ ہو امام المرسلین ہو ---- جو عام پیغمبر نہ ہو رحمۃ للعالمین ہو ---- جو شفیع المذنبین ہو ---- جو صاحبِ قرآن ہو ----- صاحبِ معراج ہو ---- عرش کا مہمان ہو ------ حوض کوثر کا ساقی ہو ----- لواء الحمد کا حامل ہو ----- مقام محمود کا دولھا ہو ----- جو مدثر ہو جو مزمل ہو ----- جو شاہد ہو ----- مُبَشِّر ہو ---- نذیر ہو ----- جو والضحیٰ کے چہرے والا ہو ---- جو مجتبیٰ ہو ---- مرتضیٰ ہو ----- مصطفیٰ ہو ---- جو حبیب اللہ ہو۔

مگر میرے مولا ! ---- وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ

اتنا اعلیٰ نبی ---- اتنا اونچا رسُول ---- اتنا بلند مرتبہ پیغمبر ---- سب سے بالاتر اور بالا قدر نبی ----- جنات میں سے نہ بھیجنا ----- ورنہ فخر جنات کریں گے ---- مولا ! اتنا بلند مرتبہ نبی فرشتوں اور نوریوں میں سے نہ بھیجنا ورنہ فخر نوری کریں گے۔

وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ ------ میرے پالنہار ----- وہ بلند شان اور آخری نبی انسانوں میں سے بھیجنا تاکہ فخر بھی بشر کرے۔

کسی کا بیٹا ہو ---- کسی کا پوتا ہو ----- کسی کا نواسا ہو ----- کسی کا بھتیجا ہو ----- کسی کا داماد ہو ----- کسی کا باپ ہو ----- کسی کا سسر ہو ----- کسی کا شوہر ہو ----- کسی کا نانا ہو۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ ------

وہ پیغمبر لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ -----

اور ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھائے۔

وَيُزَكِّيهِمْ -----

اور ان کو (شرک و کفر سے، فِسق و فجور سے، نفاق سے، حسد اور دوسرے گناہوں سے) پاک کر دے۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۲ : ۱۲۹) -----

بے شک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمتوں والا۔

سامعینِ کرام!

میں بڑی حد تک ----- جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند ارجمند سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ اور حیاتِ مبارکہ کے اہم واقعات ---- خصوصاً ایسے واقعات جن کا تذکرہ قرآن مجید نے فرمایا ہے ----- میں تفصیل سے آپ کو سنا چکا ہوں۔

اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے ----- ایک ایسے مقام اور ایک ایسے واقعہ کو ذکر کرنا چاہتا ہوں ---- جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سیرت سے بڑا گہرا تعلق رکھتا ہے۔

سورۃ شعراء کی آیت ۸۷ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعاء کا تذکرہ ہوا۔ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ (شعراء ۲۶ : ۸۷)

میرے پروردگار! جس دن لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے تو اس دن مجھ کو رسوا نہ کرنا۔

اس آیت کے تحت امام بخاری نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب بخاری میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے ------ حدیث کے راوی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ---- یہ حدیث امام بخاری کتاب الانبیاء میں بھی لائے ہیں اور کتاب التفسیر میں بھی لائے ہیں کہ :

سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب قیامت کے دن اپنے والد (آذر) کو پراگندہ حال اور روسیاہ دیکھیں گے تو والد سے مخاطب ہو کر فرمائیں گے :

کیا میں نے بارہا تجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میری راہِ ہدایت کی مخالفت نہ کر۔

آذر جواب میں کہے گا:

دنیا میں جو ہو گیا سو ہو گیا۔۔۔۔ اب میں تیری مخالفت نہیں کروں گا۔ (اگر میرے لیے کچھ کر سکتے ہو تو کرو)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام والد کی یہ ذلت و خواری دیکھ کر۔۔۔۔ اور اس کی منت و سماجت سن کر اللہ کے دربار میں عرض کریں گے:

میرے پروردگار! تو نے میری اس دعا کو قبول کرلیا تھا ۔۔۔۔۔۔ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۔۔۔۔ مگر اس سے بڑھ کر رسوائی اور کیا ہوگی کہ اپنے والد کو اس برے حال میں دیکھ رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا:

میں نے جنت کفار و مشرکین پر حرام کردی ہے۔

پھر آواز آئے گی ۔۔۔۔۔ ابراہیمؑ اپنے قدموں کے نیچے دیکھیے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے کہ گندگی میں لتھڑا ہوا ایک بجو پیروں میں پڑا ہے ۔۔۔۔ پھر فرشتے اسے ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیں گے۔

چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی صفت اَوَّاہٌ ۔۔۔۔ اور حَلِیۡمٌ ذکر کی گئی ہے ۔۔۔۔ اس لیے قیامت کے دن والد کی دگرگوں حالت کو دیکھ کر رحمت و مہربانی کے غلبہ سے والد کے حق میں شفاعت کے لیے لب کھولیں گے ۔۔۔۔ مگر چونکہ مشرک کے لیے سفارش کی کوئی گنجائش نہیں ۔۔۔۔ اور مشرک کی بخشش کی کوئی صورت نہیں ۔۔۔۔ اور مشرک جنت کی ہوا سے بھی محروم ہے ۔۔۔۔

اس لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ سفارش اور یہ شفاعت درجۂ قبولیت نہ پا سکی ---- اور وہ اپنے والد کو جہنم کی آگ سے نہ بچا سکے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

سیدنا لوط علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ﹰالْمُرْسَلِیْنَ○ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ○ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ○ وَ مَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ (سورة الشعراء ۲۶ : ۱۶۰۔۱۶۴)

قوم لوط نے پیغبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو بلا شبہ میں تمھارے لیے پیغام بر ہوں امانت والا پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس تبلیغ پر کچھ مزدوری بھی نہیں مانگتا میری مزدوری اور اجر اللہ رب العالمین کے پاس ہے۔

(صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

سامعین گرامی قدر!

جو آیاتِ کریمہ میں نے خطبہ میں تلاوت کی ہیں ----- ان میں سیدنا لوط علیہ السلام کی تبلیغ ----- اور ان کی قوم کی تکذیب کرنے کا تذکرہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے۔

جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ذکرِ خیر ----- اور تذکرہ میں ----

میں بیان کر چکا ہوں کہ سیدنا لوط علیہ السلام ---- رشتے میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے لگتے تھے ------ ان کے والد کا نام ہارون تھا ---- جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا بچپن ---- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زیر سایہ اور زیر تربیت بسر ہوا ----- جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بچپن ------ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ اور تربیت میں گزرا۔ (سیدنا لوط بعد میں مستقل نبی بنائے گئے ------ اور ہمارے پیارے پیغمبر پر نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ آپ کے بعد کوئی نیا نبی اور رسُول نہیں آئے گا)

سیدنا لوط علیہ السلام اپنی رفیقۂ حیات کے ساتھ ---- تمام ہجرتوں میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہے تھے۔

قرآن کہتا ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّىْ ؕ (عنکبوت ۲۹ : ۲۶)

پس لوط ایمان لائے ابراہیمؑ کے دین پر اور کہا میں اپنے رب کی جانب ہجرت کرنے والا ہوں۔

ہجرت سے مراد ---- یا تو وطنی ہجرت ہے۔ یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ---- اللہ کے دین کے لیے ایک ملک سے دوسرے ملک ---- اور ایک جگہ سے دُوسری جگہ منتقل ہونا ---- یا مراد روحانی ہجرت ہے۔ یعنی آباء و اجداد کے مذہب و مسلک کو ترک کر کے دینِ ابراہیمی اور مِلتِ حنیفی کو اِختیار کر لینا۔

چونکہ سیدنا لوط علیہ السلام نے تمام ہجرتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ساتھ دیا اور سب سے پہلے ایمان قبول کیا ---- اس لیے وہ ملت ابراہیمی کے پہلے مُسلم ---- اور اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں داخل ہیں۔

منصبِ نبوت پر فائز ہوئے

پھر اللہ ربّ العزت نے ---- اپنی خاص مہربانی سے ---- اور اپنے فضل و کرم سے سیدنا لوط علیہ السلام کو رسالت کے تاج ---- اور پیغمبری منصب سے سرفراز فرمایا۔

اللہ نے انھیں اردن کے ایک شہر ---- سدوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ---- یہ شہر ---- عین اس جگہ پر واقع تھا جہاں آج بحر میت یا بحر لوط واقع ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف ---- اور جن لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ------- وہ لوگ ایسے ایسے فواحش ---- اور ایسے ایسے منکرات ---- اور ایسی ایسی معصیتوں میں مبتلا تھے ----- کہ چپ ہی بھلی ----- دنیا کی ایسی کوئی برائی اور بدی نہیں تھی جو ان میں موجود نہ ہو ----- اور کوئی خرابی ایسی نہ تھی جو ان میں نہ پائی جاتی ہو۔

وہ لوگ انتہائی درجہ کے سرکش ---- پرلے درجہ کے بے حیا ----- حد سے بڑھ کر بے شرم ----- بد اخلاقی کے مجسّمے ----- مُتکبر و متمرد ----- ظالم و سرکش ----- بڑے ڈھیٹ اور بد اطوار و بد عادات تھے۔

قومِ لوط کا مخصوص عمل

کئی طرح کی برائیوں میں مبتلا یہ قوم ------ ایک ایسے خبیث اور مکروہ فعل کی موجد تھی جس فعل کا تصور حیوانات سے بھی ناممکن ہے ---- وہ اپنی نفسانی خواہشات اور شہوات کو پورا کرنے کے لیے ---- فطرتی عمل سے (یعنی عورتوں کو چھوڑ کر) ہٹ کر غیر فطرتی فعل (بے ریش لڑکوں سے شہوت کو پورا کرنا) کے عادی اور مریض تھے۔

اس قوم سے پہلے دُنیا میں ---- اس غیر فطری فعل کا قطعًا رواج نہیں تھا ---- یہی بدبخت اور ظالم قوم تھی جس نے اس ناپاک اور نجس عمل کی بنیاد ڈالی۔

قوم کی ایک اور خباثت

کچھ علماء نے کہا ہے کہ قوم لوط ---- انتہائی درجہ کے کمینے اور رزیل تھے۔ ان کی بری اور خبیث عادتوں میں سے ایک بری عادت یہ بھی تھی کہ وہ باہر سے آنے والے تاجروں اور سوداگروں ---- کو ایک عجیب طریقے سے لوٹ لیتے تھے، جس سے ان کی بے حیائی اور بے شرمی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

وہ ایسا کرتے کہ کوئی سوداگر باہر سے آکر ان کی بستی میں مُقیم ہوتا تو اس کے مال کو دیکھنے اور چیک کرنے کے بہانے ---- ہر شخص تھوڑی تھوڑی چیزیں اٹھاتا اور چل دیتا اور دیکھتے ہی دیکھتے تاجر بے چارہ حیران و پریشان خالی ہاتھ کھڑے کا کھڑا رہ جاتا۔

قوم کی مِن حَیثُ القوم پستی

قوم لوط ایسی پست ذہنیت ---- اور گھٹیا سوچ کی حامل قوم تھی کہ بعض علماء نے ان کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے یہ عجیب اور مضحکہ خیز واقعہ تحریر کیا ہے کہ:

ایک مرتبہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ملازم کو ---- اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کی خیر و عافیت معلوم کرنے کی غرض سے ان کی بستی سدوم بھیجا ---- وہ ملازم جب بستی کے قریب پہنچا ---- تو ایک شخص نے اسے اجنبی اور مسافر سمجھ کر ---- اس کے سر پر پتھر دے مارا ---- ملازم کے سر سے خون جاری ہوگیا ---- تب اس شخص نے آگے بڑھ کر اس مسافر سے کہا ----

میرے پتھر مارنے کی وجہ سے تیرا سر سرخ ہوا ہے ---- اس لیے مجھے اس کا معاوضہ ادا کر ---- اور اس مطالبہ کے لیے اس غریب مسافر کو

کھینچتا ہوا ------ سدوم کی عدالت میں لے گیا ---- عدالت کے جج نے مدعی کا بیان سن کر فیصلہ دیا کہ:

اجنبی کو چاہیے کہ وہ مدعی کو پتھر مارنے کی اجرت دے۔

مسافر یہ عجیب و غریب اور مضحکہ خیز فیصلہ سن کر غصہ میں آ گیا اور ایک پتھر اٹھا کر حاکم کے سر پر دے مارا اور یہ کہہ کر بھاگ گیا:

میرے پتھر مارنے کی جو اجرت بنتی ہے وہ اس مدعی ---- سدومی کو ادا کر دینا --------

ایسے واقعات کو پڑھ کر ---- اور ایسے حالات کو دیکھ کر ---- اتنی حقیقت تو واضح ہو جاتی ہے کہ قوم لوط ---- انتہائی درجہ کی ظالم ---- اور بڑی بے حیا قوم تھی ---- بد اخلاق کے خوگر تھے اور پرلے درجہ کے بے شرم واقع ہوئے تھے۔

سیدنا لوط علیہ السلام کی تبلیغ

ایسی قوم کی طرف سیدنا لوط علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ---- انھوں نے قوم کو اور خاص کر کے قوم کے سرداروں کو ان کی غلط حرکات اور بے حیائی کے افعال پر ملامت فرمائی ---- خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ ---- نرمی اور محبت و پیار کے رنگ میں ہر ممکن طریقے سے سمجھانے کی کوشش فرمائی۔

قرآن مجید نے ان کی تبلیغ اور دعوت کا ذکر اس طرح کیا ہے:

---- اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ (الشعراء ۲۶: ۱۶۱-۱۶۳)

کیا تم (اللہ کے عذاب اور پکڑ سے) ڈرتے نہیں ہو، بلاشبہ میں تمھارے لیے رسول ہوں امانت دار (میری قوم کے لوگو) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت و پیروی کرو۔

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲۶ : ۱۶۴)

اور میں تم سے اس دعوت و تبلیغ پر کچھ بدلہ اور اجرت بھی نہیں مانگتا۔ (اس تبلیغ میں میرا کوئی ذاتی اور دنیوی مفاد بھی نہیں) میرا بدلہ اور میری مزدوری تو تمام جہانوں کے پروردگار کے ذمہ ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝ (۲۶ : ۱۶۵-۱۶۶)

کیا تم دوڑتے ہو جہان کے مردوں پر۔

(یعنی سارے جہان میں مرد ہی تمہاری شہوت رانی کے لیے رہ گئے ہیں ---- یا مطلب یہ تھا کہ پورے جہان میں تمہارے سوا دوسرا کوئی بھی اس قبیح فعل کا مرتکب نہیں ہے ---- پورے جہان میں یہ کمینہ اور مذموم کام صرف تم ہی کرتے ہو)

اور اپنی ان بیویوں کو چھوڑ بیٹھے ہو جو تمہارے لیے تمہارے رب نے بنائی ہیں بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔ (یعنی یہ خلافِ فطرت کام کر کے انسانیت کی حد سے بھی نکل چکے ہو)

قرآن مجید نے ایک جگہ پر سیدنا لوط علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر اس طرح فرمایا:

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (اعراف ۷ : ۸۰)

تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے پورے جہان

میں کسی ایک نے بھی نہیں کیا۔

پھر سیدنا لوط علیہ السلام اس عمل کی وضاحت فرماتے ہیں:

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ (۷ : ۸۱)

بے شک تم شہوت سے مغلوب ہو کر مردوں پر دوڑ دوڑ کر آتے ہو، عورتوں کو چھوڑ کر (فطری عمل کے بجائے غیر فطری عمل کے مرتکب ہو رہے ہو) بلکہ تم لوگ ہو حد سے گزرنے والے۔

سورت عنکبوت میں اللہ رب العزت نے ذکر فرمایا کہ قوم لوط بے حیائی اور بے شرمی کی تمام حدود پھلانگ گئی تھی اور وہ علانیہ ---- مجلسوں میں بدکاری کرتے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

وَ تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ (عنکبوت ۲۹ : ۲۹)

اور کرتے ہو اپنی مجلس میں برے کام۔

قوم کا جواب

سیدنا لوط علیہ السلام نے بڑی شفقت اور بڑے پیارے قوم کو سمجھایا ---- خیر خواہی کے جذبہ سے دعوت دی ---- اللہ کے عذاب سے ڈرایا کہ اگر میری بات کو نہیں مانو گے ------ اور اللہ کی نافرمانیاں ترک نہیں کرو گے تو عذاب الٰہی کے مستحق ٹھہرو گے ----- مگر سیدنا لوط کی قوم اتنی ضدی، ہٹ دھرم اور خبیث تھی کہ ان پر رائی کے دانے کے برابر بھی اثر نہیں ہوا ---- بلکہ انھوں نے وقت کے پیغمبر کا مذاق اڑایا۔ کبھی کہا:

اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ (الاعراف ۷ : ۸۲)

ان سب کو اپنی بستی سے نکالو جو بڑے پاک باز بنے پھرتے ہیں۔

(یعنی ہم گندے اور رزیل کام کرتے ہیں اور یہ سب پاک اور مقدس ہیں ---- تو گندوں میں پاکوں کا کیا کام۔ اس لیے انھیں اپنی بستی سے نکال دینا چاہیے کہ یہ روز روز کی رکاوٹیں اور نصیحتیں اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ ختم ہو جائے)

کبھی کہا:

ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (عنکبوت ۲۹ : ۲۹)

ہم پر لے آ! اللہ کا عذاب اگر تو واقعی سچا ہے

(یعنی اگر ہمارے اعمال برے ہیں ----- اور اللہ ہمارے افعال پر غضب ناک ہے اور اگر تو واقعی اللہ کا سچا پیغمبر ہے ----- تو جو کہتا تھا کہ میری بات نہیں مانو گے تو عذاب آجائے گا ---- جا ہم تیری بات کو نہیں مانتے ---- تو پھر جس عذاب سے تو ہمیں ڈراتا رہتا تھا وہ کہاں ہے؟ اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب لے آ۔)

سیدنا لوط کی دُعا

حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کی ہٹ دھرمی اور ضد و عناد اور بغض پر مبنی جواب سن کر اللہ کے حضور یوں دعا کی:

رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ (۲۹ : ۳۰)

اے میرے پروردگار ان شریر اور فسادی لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما۔

سیدنا لوط کی دعا کی قبولیت

سیدنا لوط علیہ السلام کی دعا شرف قبولیت پا گئی ---- اور اللہ رب العزت نے فرشتوں کو حکم دیا کہ قوم لوط کی بستی کو تباہ و برباد کر دیا جائے اور وہاں رہنے والوں کو ہلاک و برباد کر دیا جائے۔

سیدنا ابراہیمؑ اور فرشتے

جن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے عذاب کا حکم دے کر بھیجا کہ قوم لوط کا نام و نشان مٹا دیا جائے ----- ان فرشتوں کو ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ قوم لوط کی بستی پر پہنچنے سے پہلے جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں جانا ----- اور انھیں دوسرے بیٹے اسحاق کی خوشخبری دینا۔

حضرت جبریل علیہ السلام اور دوسرے فرشتے انسانی لباس میں ---- بشری لبادہ اوڑھ کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے گھر پہنچے ----- اور کہا السلام علیکم ----- انھوں نے جواب میں و علیکم السلام کہا ----- اور بغیر پوچھے انھیں مہمان سمجھ کر ----- مہمان نوازی کے لیے اٹھے ----- اندر گئے اور نہایت موٹا تازہ بچھڑا بھون تل کر مہمانوں کے سامنے رکھا۔

فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ (ہود ۱۱ : ۶۹)

پھر ابراہیمؑ نے دیر نہ کی اور لے آئے ایک بچھڑا تلا ہوا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام انتہائی مہمان نواز تھے اور ان کا دسترخوان ہمیشہ مہمانوں کے لیے بچھا رہتا تھا ----- ان مہمانوں کو بھی دیکھ کر وہ خوش ہوئے اور اپنی بساط کے مطابق مہمان نوازی کرنے لگے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام جن لوگوں کو انسان اور آدمی سمجھ کر ------ ان کی مہمان نوازی کرنا چاہتے تھے ------ وہ تو نوری تھے ------ جنھوں نے بشری لباس پہن رکھا تھا ----- بھلا نوریوں کا کھانے سے کیا مطلب؟ ----- نوریوں کا بھونے ہوئے اور تلے ہوئے گوشت سے کیا تعلق اور کیا رغبت؟ ------ حضرت ابراہیم علیہ السلام گوشت کا تھال ان کے آگے کرتے ہیں ----- اور مہمان اپنے ہاتھ پیچھے کھینچتے ہیں۔

فَلَمَّا رَءَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ

خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ (۱۱ : ۷۰)

جب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں آتے تو ان کو اجنبی جانا اور دل ہی دل میں ان سے ڈرے۔

اس لیے کہ اس زمانے کا دستور اور قاعدہ یہ تھا کہ جو شخص کسی کا نمک کھا لیتا تھا پھر اسے نقصان اور تکلیف نہیں پہنچاتا تھا ----- اور جس سے دشمنی پوری کرنی ہوتی اس کے گھر کا نمک نہ کھاتے ----- جس طرح ہمارے دور کا دستور اور قاعدہ ہے کہ یہاں جس کا نمک کھائیں گے اسی کو نقصان پہنچائیں گے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سوچا ----- کہ میرے مہمان ہیں پھر میرے گھر کا کھانا نہیں کھا رہے ہیں، کہیں میرے مخالف اور میرے دشمن نہ ہوں اور مجھے نقصان پہنچانے آئے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا:

إِنَّا مِنكُمْ وَجِلُونَ (الحجر ۱۵ : ۵۲)

بے شک ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

فرشتوں نے جواب میں کہا:

لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ (۱۵ : ۵۳)

ڈریے نہیں ہم تو آپ کو ایک دانا لڑکے کی خوشخبری سنانے آئے ہیں۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا:

لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ (زاریات ۵۱ : ۲۸)

ڈریے نہیں۔ اور فرشتوں نے انھیں ایک دانا لڑکے کی خوش خبری دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا ----- وہیں

قریب ہی کھڑی تھیں۔ انھوں نے بیٹے کی خوشخبری سنی ----- تو خوشی و مسرت سے ہنس پڑیں ----- اور تعجب سے کہنے لگیں:

يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ (ہود ۱۱: ۷۲)

يٰوَيْلَتٰٓى ----- اے خرابی ----- ارے دیکھو ----- تعجب مجھ پر ----- کیا میں بچہ جنوں گی؟ ---- حالانکہ میں بڑھیا ہو گئی اور یہ میرا شوہر ابراہیمؑ بوڑھا ہو گیا ہے۔ بے شک یہ عجیب بات ہے۔

فرشتے جواب میں کہنے لگے:

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (ہود ۱۱: ۷۳)

کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم سے ----- اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں تم پر اے گھر والو۔

اس واقعہ سے کئی باتیں ثابت ہوئیں

سامعین گرامی قدر! فرشتوں کا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاں آنا ----- ان کی مہمان نوازی کرنا ----- بیٹے کی خوشخبری دینا ----- سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کا تعجب کرنا اور فرشتوں کا جواب دے کر حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو مطمئن کرنا ----- اس واقعہ سے کئی مسائل اور کئی باتیں ثابت ہوئیں۔

پہلی بات

ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا ----- کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام باوجود جد الانبیاء ہونے کے ---- اور باوجود خلیل اللہ ہونے کے عالم الغیب نہیں تھے ----- وہ تو اپنے گھر آئے ہوئے

فرشتوں کو پہچان نہ سکے ------ سامنے کھڑے فرشتوں کی حقیقت کا ان کو پتا نہ چل سکا ------ اگر انھیں علم ہوتا کہ یہ انسان اور آدمی نہیں ہیں بلکہ فرشتے ہیں جو انسانوں کی صورت اپنا کر آئے ہیں ------ تو پھر ان کے لیے بچھڑا ذبح نہ کرتے ------ ان کے لیے گوشت نہ بھونتے۔ ادھر حضرت جبریل سید الملائکہ کو بھی علم غیب نہیں تھا ------ اگر انھیں علم ہوتا کہ اندر سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہمارے لیے مہمانی تیار کر رہے ہیں ----- اور گوشت بھون رہے ہیں ------ تو انھیں روک دیتے اور منع کرتے۔

اس وقت کے لوگوں کے سردار ------ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی عالم الغیب نہیں تھے ------ اور فرشتوں کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام بھی عالم الغیب نہیں تھے ------ عالم الغیب صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے۔

دوسری بات

اس واقعہ سے دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ جس کی اصلیت اور حقیقت نور ہو ----- اور وہ انسانی اور بشری لباس میں بھی آئے تو نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے ------ فرشتے انسانی لباس میں آئے تو انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے دعوت میں دیے گئے گوشت میں سے نہ کھایا۔

اگر ہمارے پیارے پیغمبر امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اور اصلیت نور ہوتی ------ اور بشری لباس میں آئے ہوتے تو آپ بھی کھانے اور پینے سے پاک ہوتے۔ معلوم ہوا آپ کی جنس ------ اور آپ کی حقیقت بشر تھی ------ آپ ظاہر میں بھی بشر تھے اور اندر سے بھی بشر تھے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (کہف ۱۸ : ۱۱۰)

میرے پیغمبر آپ کہہ دیں میں بھی ایک بشر ہوں جیسے تم۔

ایک جگہ پر ارشاد ہوا:

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۷ : ۹۳)

میں نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول ہوں۔

یاد رکھیے ..... اور خوب غور سے سنیے کہ نوری جب بشریت کے لباس میں آتا ہے تو قرآن اسے بشر نہیں کہتا بلکہ قرآن کہتا ہے:

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم ۱۹ : ۱۷)

پھر جبریل بن کر آیا مریم کے سامنے آدمی پورا۔

اور امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے متعلق قرآن کہتا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ .... هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا

تیسری بات

اس واقعہ سے تیسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ بیٹے اور بیٹیاں عطا کرنے کے خزانے صرف اور صرف اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہیں ..... فرشتوں نے جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بیٹے (اسحاق) کی خوشخبری دی تو انھیں اس پر انتہائی تعجب ہوا۔

اور انھوں نے اپنے تعجب کا اظہار فرشتوں کے سامنے کیا۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا (ہود ۱۱ : ۷۲)

کیا میں جنوں گی اور میں بوڑھی

(ایک روایت کے مطابق حضرت سارہؓ کی عمر اس وقت ۹۰ سال تھی)

اور میرا خاوند بوڑھا

(سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت ننانوے (۹۹) سال اور ایک قول کے مطابق ایک سو بیس سال تھی)

حضرت سارہؑ نے خوشخبری سن کر متعجب ہو کر کہا:

عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ (ذاریات ۵۱ : ۲۹)

ایک بوڑھی بانجھ عورت سے

یعنی کیا خوب بشارت ہے ایک بوڑھی بانجھ عورت جس کے جوانی میں اولاد نہیں ہوئی اب بڑھاپے میں بچہ جنے گی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی خوشخبری سن کر تعجب کے انداز میں کہا:

اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ (الحجر ۱۵ : ۵۴)

فرشتو! کیا خوشخبری سناتے ہو مجھے جب پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا۔ یہ کیسی خوشخبری دے رہے ہو۔

اس تمام واقعہ سے ----- اور میرے بیان سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی ہے کہ اگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اختیار میں اولاد کا خزانہ ہوتا تو وہ جوانی میں بیٹا لے لیتے ----- مگر وہ اللہ سے مانگتے رہے ---- اور اللہ نے بڑھاپے میں بانجھ اور بوڑھی بیوی سے ان کی گود ہری کر دی۔

اگر زندہ پیغمبر ----- اور پیغمبر بھی خلیل اللہ ----- اور پیغمبر بھی جد الانبیاء ----- اگر بیٹے اور بیٹیوں کا اختیار ان کے پاس نہیں ہے ----- تو پھر کسی فوت شدہ بزرگ اور ولی اللہ کے اختیار میں بھی نہیں ہے۔

قرآن پکار پکار کر کہتا ہے:

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (شوریٰ ۴۲ : ۴۹ـ۵۰)

عطا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جس کو چاہتا

ہے بیٹے یا ان کو دیتا ہے جوڑے بیٹے اور بیٹیاں اور جس کو
چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے وہ سب کچھ جاننے والا قدرت والا ہے۔

چوتھی بات

چوتھا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ فرشتے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ ہیں ------ اور جن کی اب تک کوئی اولاد نہیں تھی ---- فرشتے صرف انھیں خطاب کرکے کہہ رہے ہیں :

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (ھود ۱۱ : ۷۳)

اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں تم پر اے اہل بیت۔

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا ------ اور یہ حقیقت ثابت ہوئی کہ بیوی سب سے پہلے اہل بیت میں شامل ہے ------ اس لیے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہی اہل بیت ہیں۔

پانچویں بات

ایک دلچسپ اور مبنی بر حقیقت یہ بات اس واقعہ سے ثابت ہوئی کہ مہمان آجائیں تو ضیافت اور مہمان نوازی کے لیے ----- وقت کی مناسبت سے چیز پیش کرنی چاہیے ----- کھانے کا وقت ہو تو کھانا پیش کرنا چاہیے ----- چائے کا ٹائم ہو تو چائے پیش کر دینی چاہیے اور پانی کا وقت ہو تو مشروبات سے تواضع کرنی چاہیے ---- مہمان سے ----- نہیں پوچھنا چاہیے کہ کیا چلے گا ----- گرم چلے گا یا ٹھنڈا ----- کون ایسا بے حیا مہمان ہوگا جو خود فرمائش کرے ------ آپ نے دیکھا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آئے ہوئے مہمانوں سے یہ نہیں پوچھا کہ گرم چلے گا یا ٹھنڈا ----- بلکہ بغیر پوچھے جو گھر میں ضیافت تیار ہو سکتی تھی وہ تیار کر کے لائے ----- اگر مہمانوں سے پوچھتے تو وہ بتا دیتے کہ ہمارے لیے تکلیف نہ کیجیے ----- ہم انسان اور بشر نہیں بلکہ فرشتے ہیں اور کھانے پینے سے پاک ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے سوال

فرشتوں نے ابتدا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا: لَا تَخَفْ اِنَّآ اَرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ (ہود ۱۱: ۷۰)
آپ کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں، ہمیں تو اصل میں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔

اب جب فرشتوں نے انھیں بیٹے کی خوشخبری سنا دی اور میاں بیوی کے تعجب کو بھی دور کر دیا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام پوچھتے ہیں:

فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ (ذاریات ۵۱: ۳۱)
پھر کیا مطلب ہے اور کیا معاملہ ہے تمھارا اے اللہ کے فرستادو؟

تب ملائکہ نے جواب دیا:

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ (۵۱: ۳۲_۳۳)
ہم ایک مجرم اور گنہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں (اور انھیں تباہ و برباد کر دیا جائے)

قرآن کہتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے بارے میں ہم سے بحث و تمحیص شروع کر دی۔

يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ (ہود ۱۱: ۷۴)
ابراہیمؑ ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (۱۱: ۷۵)
بے شک ابراہیمؑ بردبار، نرم دل رجوع کرنے والا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے:

اِنَّ فِیۡهَا لُوۡطًا (عنکبوت ۲۹ : ۳۲)

اس بستی میں تو (میرا بھتیجا) لوط بھی ہے۔

تو کیا لوط علیہ السلام کی موجودگی میں بستی کو تباہ کیا جائے گا؟

فرشتے جواب میں کہنے لگے :

نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِیۡهَا ٝ لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَ اَهۡلَهٗۤ (۲۹ : ۳۲)

جو اس بستی میں آباد ہیں ہمیں سب معلوم ہے۔ ہم البتہ لوط کو بھی اور اس کے گھر والوں کو بھی اس عذاب سے بچا لیں گے۔

ایک اور جگہ پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے جھگڑے اور درخواست کے جواب میں کہا گیا :

یٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدۡ جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمۡ اٰتِیۡهِمۡ عَذَابٌ غَیۡرُ مَرۡدُوۡدٍ (ہود ۱۱ : ۷۶)

اے ابراہیمؑ اس خیال کو چھوڑ، بلاشبہ تیرے رب کا حکم آچکا ہے اور بے شک قوم لوط پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ٹل نہیں سکتا۔

سامعینِ گرامی قدر !

سنا آپ نے ؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جیسا اولوالعزم ----- اور جلیل القدر پیغمبر ----- اللہ کی محبت میں سب کچھ قربان اور فدا کر کے ----- خلیل اللہ کا لقب پانے والا نبی ----- اللہ کے حضور ایک درخواست اور سفارش کرتا ہے اور سفارش بھی اس تاکید کے ساتھ کہ قرآن اسے ----- یُجَادِلُنَا ----- جھگڑے سے تعبیر کرتا ہے ----- مگر اللہ نے اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ----- کہہ کر اس درخواست اور سفارش کو نامنظور فرمایا اور کہا کہ اب اللہ کا حکم واپس نہیں ہوسکتا ----- قوم لوط پر عذاب آکر رہے گا جو کسی سفارش یا

دعا، وغیرہ سے ٹل نہیں سکتا۔

کہاں ہیں وہ لوگ؟ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہمارے بزرگوں کی بات نہیں موڑتا۔۔۔۔ ہماری سنتا نہیں اور ان کی موڑتا نہیں۔۔۔۔ یہ اللہ کے محبوب اور پیارے ہیں۔۔۔۔ یہ اللہ سے منوالیتے ہیں۔۔۔۔ ان کی سفارش رد نہیں ہوتی۔۔۔۔ یہ شفیعِ غالب ہیں۔۔۔۔

لوگو! ہرگز نہیں۔۔۔۔ اللہ کے آگے کوئی شفیع غالب نہیں۔۔۔۔ ڈنڈے کے زور سے یا محبت کے جوش سے کوئی بھی اس سے اپنی بات نہیں منوا سکتا۔۔۔۔ وہ خود مختار ہے۔۔۔۔ مالک و قادر ہے۔۔۔۔ غنی اور صمد ہے۔۔۔۔ عزیز اور غالب ہے۔۔۔۔ ماننے پر آئے تو ابلیس کی مان لے۔۔۔۔ چیونٹی کی مان لے۔۔۔۔ اور رد کرنے پر آئے تو سیدنا نوح علیہ السلام کی سفارش بیٹے کے حق میں رد کردے۔۔۔۔ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سفارش قوم لوط کے بارے میں نہ مانے۔۔۔۔ مرضیوں کا مالک جو ہوا۔

فرشتے سیدنا لوط علیہ السلام کے گھر

یہ فرشتے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری دے کر اور قوم لوط کے بارے میں گفت و شنید کر کے۔۔۔۔ سدوم پہنچے اور حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان کی صورت میں پہنچے۔۔۔۔ اب فرشتوں نے وہاں خوبصورت اور انتہائی حسین۔۔۔۔ بے ریش لڑکوں کا روپ بنالیا تھا۔۔۔۔ جو بہترین اور زرق برق لباس میں ملبوس تھے۔

سیدنا لوط علیہ السلام نے ایسے نازک مہمانوں کو دیکھا تو ڈر گئے۔۔۔۔ گھبرائے اور خوف زدہ ہوئے کہ میری بدبخت اور بے حیا قوم جو غیر فطری فعل کی عادی اور مرتکب ہے۔۔۔۔ ایسے خوبصورت لڑکوں کو دیکھ کر پاگل ہو جائے گی، اور خدا معلوم میرے ان مہمانوں کے ساتھ کیا سلوک کرے۔

قرآن نے سیدنا لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کو ذکر فرمایا۔۔۔۔
حضرت لوط علیہ السلام نے مہمانوں کو دیکھ کر فرمایا:
إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ (الحجر۱۵: ۶۲)
بے شک تم لوگ اوپرے اور اجنبی معلوم ہوتے ہو۔
ایک اور جگہ فرمایا:
وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ (ھود۱۱: ۷۷) جب ہمارے فرشتے لوطؑ کے ہاں پہنچے تو لوطؑ مہمانوں کے آنے سے خوش نہ ہوا اور ان کے آنے نے لوط کو پریشان اور غمگین کر دیا اور کہنے لگے آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن ہے۔

سیدنا لوطؑ فرشتوں کو نہ پہچان سکے

اس واقعہ سے ادنیٰ عقل رکھنے والا شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنے گھر میں آئے ہوئے اور سامنے کھڑے ہوئے مہمانوں کی اصلیت و حقیقت سے واقف اور باخبر نہ تھے۔۔۔۔ تب ہی تو غمگین تھے۔۔۔۔ افسردہ تھے۔۔۔۔ پریشان تھے۔۔۔۔ کہ خدا معلوم میری قوم میرے ان حسین مہمانوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔
لوگو! جو اپنے سامنے کھڑے لوگوں کو نہ پہچان سکے وہ عالم الغیب نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ وہ ہر ایک کے حالات سے واقف نہیں ہو سکتا۔۔۔۔ معلوم ہوا انبیاء اور اولیاء عالم الغیب نہیں ہیں۔۔۔۔ عالم الغیب صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے۔

قومِ لوط نے چڑھائی کر دی

ابھی سیدنا لوط علیہ السلام اسی پریشانی میں تھے اور اس سوچ میں تھے کہ

میرے مہمانوں کی عزت و آبرو کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے ----- کہ قوم کے غنڈوں، بدمعاشوں اور لفنگوں کو مہمانوں کی ----- حسین و جمیل مہمانوں کی خبر لگ گئی ---- وہ انتہائی بے حیائی کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام کے مکان پر اندھا دھند چڑھ دوڑے اور پوری قوت اور بڑی شدت کے ساتھ مطالبہ کیا کہ یہ مہمان ان کے حوالے کر دیے جائیں -----

سیدنا لوط علیہ السلام نے قوم کے بدفطرت لوگوں کو ہر ممکن طریقے سے سمجھایا ---- منت کی، سماجت کی ------ فرمایا:

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ ضَيۡفِىۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِۙ ○ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ ○ (الحجر ۱۵: ۶۸-۶۹)

یہ لوگ میرے مہمان ہیں (ان کے معاملے میں) مجھے رسوا نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔

جب ہٹ دھرم لوگ کسی طرح باز نہ آئے ---- حضرت لوط علیہ السلام کی کوئی نصیحت نہ سنی تو پھر انھوں نے فرمایا:

هٰٓؤُلَاۤءِ بَنٰتِىۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ (۱۵: ۷۱)

یہ میری بیٹیاں ہیں۔ اگر تم کو کرنا ہے (تو ان سے نکاح کر کے فطری طریقے سے شہوت پوری کرو)

ایک اور جگہ پر سیدنا لوط علیہ السلام کا جواب اس طرح بیان ہوا:

يٰقَوۡمِ هٰٓؤُلَاۤءِ بَنَاتِىۡ هُنَّ اَطۡهَرُ لَـكُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ فِىۡ ضَيۡفِىۡ (۱۱: ۷۸)

اے میری قوم یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں یہ تمھارے لیے جائز اور پاکیزہ ہیں۔ اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رسوا مت کرو۔

اَلَیْسَ مِنۡکُمْ رَجُلٌ رَّشِیۡدٌ (۱۱ : ۷۸)

کیا تم میں کوئی ایک بھی بھلا مانس اور معقول آدمی نہیں ہے (جو تمھیں سمجھائے اور تمھاری اس کھلی بے حیائی پر اور اس جارحیت پر ٹوکے اور منع کرے)

ھٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیۡ کا مفہوم

یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں ---- اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ سیدنا لوط علیہ السلام قوم کے ان بدبخت، بدمعاش اور دیوث و بے حیا لوگوں کو اپنی حقیقی بیٹیاں نکاح کے لیے پیش فرما رہے تھے ---- بلکہ اس کا مفہوم مفسرین نے اور علماءِ امت نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ہر نبی اپنی قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے --- قوم کے کچھ لوگ نبی کی دعوت کو مان لیں تو وہ لوگ امت اجابت میں شامل ہوجاتے ہیں ---- اور جو بدبخت انکار کرتے ہیں وہ بھی نبی کی امت میں شامل ہوتے ہیں یعنی امتِ دعوت ---- تو وقت کا نبی پوری قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے ھٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیۡ -------- کہنے کا مطلب و مفہوم یہی تھا کہ تمھاری بیویاں ------ میری بیٹیاں ہیں ---- اور تمھارے لیے پاکیزہ اور حلال ہیں ----- پھر تم ان کو چھوڑ کر اس رزیل اور گندے کام کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔

(مجاہدؒ تابعی، قتادہؒ تابعی، سعید بن جبیرؒ تابعی کا یہی قول ہے اور اسے رُوح المعانی اور قرطبی نے نقل کیا ہے)

علامہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں اس لحاظ سے کہہ دیا ---- کہ قوم کے بڑے بوڑھے سب لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں کہہ کر بلا لیتے ہیں۔

قوم کا جواب

ہٹ دھرم اور بدبخت قوم پر سیدنا لوط علیہ السلام کی خیر خواہانہ تبلیغ اور درخواست کا ذرہ برابر اثر نہ ہوا الٹا کہنے لگے:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ

(۱۱: ۷۹)

اے لوط تو جانتا ہے ہمیں تیری بیٹیوں سے کچھ غرض نہیں (کچھ رغبت نہیں) اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں (یعنی تیرے حسین وجمیل مہمانوں سے مطلب برآری)

سیدنا لوط علیہ السلام نے جب محسوس کیا ----- اور دیکھا کہ قوم کے بدمعاش کسی طرح ٹلنے والے نہیں ہیں ------- اور وہ ان کے مہمانوں کے ساتھ بے حیائی پر تل گئے ہیں ----- اور میرے سمجھانے کا ان پر کچھ اثر نہیں ہو رہا ----- تب پریشان ہو کر کہا:

لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ (۱۱: ۸۰)

کاش مجھ میں تم سے مقابلے کی طاقت ہوتی (یعنی مجھ میں بذاتِ خود تم سب سے لڑنے اور مقابلہ کی قوت ہوتی)

یا میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں پناہ لے لیتا۔

مطلب یہ ہے کہ کاش میرا کوئی جتھہ اور لشکر ہوتا جس کی مدد اور تعاون سے میں تمھیں روک لیتا۔ یا میرا قبیلہ ہوتا ----- یہاں میرے رشتہ دار ہوتے ----- یہاں میرا خاندان ہوتا ---- تو اپنے مہمانوں کو بچانے کے لیے ان کا سہارا ڈھونڈتا)

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے انھیں کہا تھا:

لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ (۱۱: ۹۱)

اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا (جن کا ہمیں حیا اور خیال ہے) تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے۔ ہماری نظروں میں تیری کوئی عزت اور وقعت نہیں ہے۔

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے رکن شدید کی تفسیر بڑے خوبصورت انداز میں فرمائی کہ:

کاش کوئی ایسی پناہ گاہ ہوتی جس میں میں اپنے مہمانوں سمیت محفوظ ہوجاتا (تفسیر جواہر القرآن سورۃ ہود)

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بالکل وہی بات کہی جو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں منقول ہے ------ آپ نے فرمایا:

يَغْفِرُ اللّٰهُ لِلُوْطٍ اِنْ كَانَ لَيَاوِىْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ

اللہ لوط کو بخشے کہ وہ (کس قدر پریشان کیے گئے) رکن شدید (یعنی اللہ کی طرف ہجرت) کے طالب اور آرزومند ہوئے۔

اس حدیث کی تشریح میں تمام محدثین نے تحریر فرمایا:

فَالْمُرَادُ بِالرُّكْنِ الشَّدِيْدِ هُوَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى

رکنِ شدید سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات مقدس مراد ہے۔

(عمدۃ القاری جلد ۱۵ صفحہ ۲۰۷، فتح الباری صفحہ ۳۴۴ پارہ ۱۳، نووی شرح مسلم جلد ا صفحہ ۸۶)

فرشتوں نے کیا کہا

جب سیدنا لوط علیہ السلام کے اضطراب و پریشانی کی حد ہو گئی ---- تب فرشتوں نے کہا:

يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ ------ (۱۱ : ۸۱) ---- ہم انسان نہیں ہیں بلکہ تیرے رب کے فرستادہ فرشتے ہیں ---- گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ ------ یہ خبیث اور بد بخت ہمارا تو کیا نقصان کر سکتے ہیں آپ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ:

حضرت لوط علیہ السلام دروازہ بند رکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور شریر و خبیث لوگ دروازہ توڑنے کی اور دیواریں پھلانگ کر اندر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس وقت فرشتوں نے کہا: آپ دروازہ سے ہٹ جائیں ------ حضرت لوطؑ ہٹ گئے اور دروازہ کھل گیا ------ پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنا بازو ------ ان بدبختوں کی طرف ہلایا تو سب اندھے ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگے کہ لوط کے مہمان تو بڑے جادوگر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَ نُذُرِ (القمر ۵۴: ۳۷)

اور انھوں نے لوط علیہ السلام کے مہمانوں کے ساتھ برے کام کا ارادہ کیا تو ہم نے ان کی آنکھوں کو مٹا دیا ------ سو اب میرے عذاب اور میری وعید کا مزہ چکھو۔

آخر عذابِ الٰہی آپہنچا

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو اطلاع دی کہ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر اس بستی سے نکل جائیے ------ لیکن آپ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ لے کر نہیں جا سکتے ------ کیونکہ وہ مشرکہ اور کافرہ ہے اور اس نے بھی اس عذاب کا مزہ چکھنا ہے۔

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ (۱۱: ۸۱) ------ ان کے عذاب کے وعدے کا وقت صبح ہے ------ صبح کے وقت انھیں ہلاک و برباد کر دیا جائے گا۔

سیدنا لوط علیہ السلام قوم کی بدمعاشیوں اور نافرمانیوں سے استے تنگ آ چکے تھے کہ فرمانے لگے ----- صبح عذاب آئے گا ابھی کیوں نہیں ----

جواب دیا گیا---- اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ (۱۱ : ۸۱) کیا صبح قریب نہیں ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے چند ساتھیوں اور گھر کے مومن افراد کو لے کر رات ہی کو بستی سے چلے گئے ----- اور پھر کیا ہوا ----- سورج نکلتے نکلتے ایک ہولناک آواز اور شدید ترین چیخ نے انھیں آلیا۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُشْرِقِیْنَ (الحجر۱۵ : ۷۳)

پھر آپکڑا ان کو ایک چنگھاڑ نے سورج نکلتے وقت۔

پھر کیا ہوا ----- جبریل نے بستی کو اپنے پروں پر اٹھالیا اور آسمان کے قریب لے گئے اور پھر الٹ دیا۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا (۱۱ : ۸۲)

جب ہمارے عذاب والا حکم آ گیا تو کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر نیچے۔

جو سزا اس قوم کو اوپر نیچے کرنے کی ملی وہ ان کی شرمناک حرکت سے ظاہری مناسبت بھی رکھتی تھی۔

پھر کیا ہوا ----- ابھی اللہ کا غصہ ان پر ٹھنڈا نہیں ہوا۔

وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ ۔ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ۔ (۱۱ : ۸۲-۸۳)

اور برسائے ہم نے قوم لوط پر پتھر آگ میں پکے ہوئے تہ بہ تہ تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے۔

جس شخص کے لیے وہ پتھر معین اور مقرر تھا ----- ٹھیک نشانے پر اسی شخص کو جا لگا۔

یا جس شخص کو وہ پتھر لگنا ہوا ---- اس پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوتا

تھا۔ نافرمان قوم کی بستی کو اس طرح جڑ سے اکھاڑ پھینکا ------ کہ زمین کے نیچے کا پانی باہر نکل آیا اور وہ آج تک سیاہ رنگ کی شکل میں محفوظ ہے ----- جس میں کوئی آبی جانور زندہ نہیں رہتا ----- اس لیے اس کو بحر میت بھی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے ----- اپنی اور اپنے محبوب پیغمبر کی اطاعت و فرمانبرداری کی توفیق بخشے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

سیدنا یعقوب و سیدنا یوسف علیہما السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَ خَاتَمِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ○ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ○ (صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

(سورۃ یوسف ۱۲ : ۳-۴)

سامعین گرامی قدر !

جو آیاتِ کریمہ خطبہ میں ----- میں نے تلاوت کی ہیں انھیں سن کر آپ نے اتنا تو سمجھ لیا ہوگا کہ ان آیات مین سیدنا یعقوب علیہ السلام اور سیدنا یوسف علیہ السلام کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کی سیرت طیبہ اور ان کی زندگی کے حالات ضمناً بیان کروں گا ------ اور سیدنا یوسف علیہ السلام کی زندگی کے عجیب و غریب اور محیر العقول واقعات کو میں اِن شاء اللہ تفصیلاً بیان کروں گا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام ------ جدالانبیاء امام الموحدین سیدنا ابراہیم

علیہ السلام کے پوتے اور سیدنا یعقوب علیہ السلام کے فرزندِ ارجمند ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ کے بطن سے جب بیٹے (اسحاق) کی خوشخبری فرشتوں کے ذریعہ دی گئی تھی ------ تو ساتھ ہی پوتے یعقوب کی بشارت بھی عطا ہوئی تھی۔

قرآن کہتا ہے:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (ہود ۱۱: ۷۱)

پھر ہم نے سارہ کو خوشخبری دی ایک بیٹے اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب پوتے کی۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کی ایک عظمت

سیدنا یوسف علیہ السلام کو یہ عظمت اور یہ شرف حاصل ہے کہ جس طرح ان کے پردادا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اسم گرامی پر ایک پوری سورت ---- "سورۃ ابراہیم" نازل ہوئی ہے ---- اسی طرح ان کے نام پر بھی ایک پوری سورت ---- "سورۃ یوسف" کے نام سے قرآن مجید میں موجود ہے۔

انفرادی عظمت

سیدنا یوسف علیہ السلام کو یہ انفرادی اور امتیازی عظمت حاصل ہے کہ ---- جس طرح ترتیب وار ---- اور جتنی تفصیل کے ساتھ ان کی زندگی کے واقعات کو قرآن مجید نے بیان فرمایا ------ اتنی تفصیل کے ساتھ کسی دوسرے نبی اور پیغمبر کی سیرت اور حیاتِ طیبہ کو بیان نہیں فرمایا گیا۔

قرآن میں ذکرِ یوسف علیہ السلام

قرآن مجید نے چھبیس جگہوں پر حضرت یوسف علیہ السلام کا نام نامی اور اسم گرامی ذکر کیا ہے ------ چوبیس مرتبہ ان کا نام صرف سورۃ یوسف میں ذکر ہوا ------ اور

ایک مرتبہ سورۃ انعام میں ------ اور ایک مرتبہ سورۃ حٰم المومن میں ان کے نام کا تذکرہ ہوا۔

سورۃ یوسف کا شانِ نزول

امام الانبیاء حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جب مکہ مکرمہ میں اللہ کا پیغام توحید سنانا شروع کیا ----- تو یہ پیغام ----- یہ دعوت یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ------ مشرکینِ مکہ کے لیے موت کا پیغام تھا ----- وہ آپ کے واضح اور نکھرے ہوئے نقلی اور عقلی دلائل کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے ------ ان کے پاس کیا تھا عقلی ڈھکوسلے ----- ظن و گمان اور تخمینے ------ ان کی سب سے بڑی دلیل آج کے مشرکین کی طرح صرف ایک تھی وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا ----- ہم نے اپنے بڑوں کو ----- اور بزرگوں کو ایسے ہی کام کرتے پایا ہے ----- مشرکینِ مکہ کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی، وہ لکیر کے فقیر تھے۔

انھوں نے میرے پیارے اور محبوب پیغمبر کی آواز کو دبانے کے لیے ----- پیغامِ توحید کو روکنے کے لیے ہر حربہ استعمال کر کے دیکھ لیا ----- دھمکیاں دے کر ----- فتوے لگا کر ----- پھبتیاں کس کر ----- پتھروں کی بارش برسا کر ----- راستے میں کانٹے بچھا کر ----- لالچ دے کے ----- عورت، دولت اور حکومت کا ------ مگر میرے پیغمبر کی آواز روز بروز بلند سے بلند تر ہوتی گئی ----- قرآن اترتا رہا ----- شرک کے بخیے ادھیڑتا رہا ----- لا کی تلوار سے میرا پیغمبر مشرکین کے معبودوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا رہا ----- میرا پیغمبر پوری جرأت و استقامت کے ساتھ ----- پورے استقلال و دلیری کے ساتھ کہتا رہا ----- تمھارے معبود ----- تمھارے مشکل کشا ----- تمھارے حاجت روا ----- لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا

وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ (نحل۱۶ : ۲۰)

کچھ بھی نہیں بنا سکتے وہ خود اپنی تخلیق میں دوسروں کے محتاج ہیں۔

تمھارے معبود ------- لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا (حج : ۷۳)

ایک مکھی بھی ہرگز ہرگز نہ بنا سکیں۔

تمھارے معبود ------ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ۔ (فاطر۳۵ : ۱۳)

کھجور کی گٹھلی کے اوپر جو پردہ ہوتا ہے اس کے بھی مالک نہیں۔

تمھارے معبود -------- لَا يَسْمَعُوْا دُعَائَكُمْ۔ (فاطر۳۵ : ۱۴)

تم ان کو مصائب میں پکارو تو تمھاری پکار کو سن بھی نہ سکیں۔

مشرکین جب مسئلہ توحید سن سن کر تنگ ہوئے تو مدینہ کے یہود کے پاس گئے اور کہا ------ تم پڑھے لکھے لوگ ہو ----- تمھارے پاس آسمانی کتاب بھی ہے ------- تم ہمیں کوئی ایسی تدبیر بتاؤ -------- اور کوئی ایسا طریقہ بتاؤ کہ محمدؐ کی زبان خاموش ہو جائے ----- کوئی ایسا سوال ہو -------- کہ ہم اس سے پوچھیں اور اسے اس کا جواب نہ آئے۔

یہودیوں میں چونکہ احبار اور رہبان موجود تھے ----- بڑے بڑے علماء اور گدی نشین موجود تھے ---- ------ ان کے پاس تورات بھی موجود تھی ----- انھوں نے مشرکینِ مکہ کے ایلچی سے کہا:

تم محمدؐ سے پوچھو کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق کا اصل وطن تو فلسطین شام تھا۔ پھر یہ مصر کیسے منتقل ہو گئے ----- کہ بنی اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد) وہاں فرعونیوں کے غلام بن گئے۔

اور حضرت یوسفؑ کے ساتھ جو حالات و واقعات پیش آئے ------ ان کی تفصیل کیا ہے؟

یہود نے یہ سوال اس لیے کیا کہ وہ جانتے تھے کہ آخری پیغمبر اُمّی

ہوگا ----- آخری پیغمبر نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ خم نہیں کیے ہوں گے ----- وہ تاریخ سے بھی واقف نہیں ہوگا ----- اس لیے اس مشکل سوال کا جواب وہ نہیں دے سکیں گے۔

اس طرح کے سوال کفار مکہ یہود سے سیکھ کر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا کرتے تھے اور جلد از جلد جواب پر اصرار کرتے تھے -----

ایک دفعہ انھوں نے یہود کے سکھانے پر پوچھا تھا کہ ہمیں بتائیے ----- اصحابِ کہف کون تھے ----- ان کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے ----- دوسری بات یہ بتائیے کہ ذوالقرنین کون تھا؟ ----- اور اس کا قصہ کیا ہے؟ ----- تیسری بات بتائیے کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟۔

ان کے ان سوالوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورت کہف نازل فرمائی تھی۔

مشرکینِ مکہ نے یہود کے سکھانے پر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن تو شام تھا ----- پھر یہ مصر کیسے اور کیوں منتقل ہوئے؟

ان کے اس سوال کے جواب میں اللہ رب العزت نے پوری سورت یوسف نازل فرمائی۔

احسن القصص

اللہ رب العزت نے اس قصہ اور اس بیان اور اس واقعہ کو "اَحْسَنُ الْقَصَصِ" فرمایا ----- سب قصوں سے حسین قصہ ----- بہترین قصہ ----- "سوہنا قصہ"۔

حالانکہ قرآن مجید میں دوسرے کئی انبیاء کے واقعات اور قصص بیان ہوئے ہیں ----- سیدنا آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ موجود ہے ----- سیدنا نوح علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے ----- سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے واقعات و حالات ----- بڑے عبرت انگیز اور

حیرت انگیز واقعات بیان کیے گئے ------ حضرت داؤد اور سیدنا سلیمان علیہما السلام کی نبوت و حکمرانی -------- پرندوں کی بولیاں سمجھانا ---- جنات پر حکمرانی ----- تخت کا ہوا میں اڑنا جیسے عجیب واقعات ذکر ہوئے ہیں --------- سیدنا موسیٰ کلیم اللہ کے عجیب و غریب حالات قرآن میں بیان ہوئے ہیں ------ مریم و عیسیٰؑ کے محیرالعقول واقعات قرآن کے صفحات پر موجود ہیں ----- سیدنا زکریاؑ اور یحییٰؑ کے حالات بھی ذکر ہوئے ------ ذوالقرنین کے واقعات پڑھ کر بندہ حیران ہوجاتا ہے ------ حضرت خضر علیہ السلام کے عجیب واقعہ کو قرآن نے اپنے اوراق میں جگہ دی ------ اصحابِ کہف کا قصہ پڑھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے ------ مگر ان تمام عجیب و غریب حالات و واقعات میں سے صرف سیدنا یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو ------ "اَحْسَنُ الْقَصَصِ" "سوہنا قصہ" اور بہترین واقعہ اور خوبصورت بیان قرار دیا ہے۔

اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی مختلف وجوہات علماء کرام نے بیان فرمائی ہیں۔

کچھ علماء نے کہا کہ قصۂ یوسفؑ اس لیے "اَحْسَنُ الْقَصَصِ" ہے کہ جس قدر عبرتیں ----- اور جتنی حکمتیں ------- اور جتنی نصیحتیں ------ اور مواعظ ------ اور بصیرتیں اس ایک واقعہ میں یکجا موجود ہیں وہ کسی اور واقعہ میں نہیں پائی جاتیں۔

کچھ مفسرین نے تحریر فرمایا:

سَمَّاهَا اَحْسَنَ الْقَصَصِ لِاِشْتِمَالِهٖ عَلَى الْعَجَائِبِ وَالْعِبَرِ وَ الْحِكَمِ سِيَرُ الْمُلُوْكِ وَالْمَلَائِكَ وَالْعُلَمَاءِ وَمَكْرُ النِّسَاءِ وَ الصَّبْرُ عَلَى الْبَلَاءِ وَالْاِيْذَاءِ وَالْاَعْدَاءِ۔

(تفسیر مظہری جلد ۵ صفحہ ۱۳۵، تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۱۰۲)

اس قصہ کو اس لحاظ سے احسن القصص کہا گیا ہے کہ یہ عجیب و غریب حقائق سے بھرپور مختلف قسم کی عبرتوں اور حکمتوں سے لبریز، بادشاہ اور رعایا کے حقوق سے مزین ------ عورتوں کے مکر و فریب کی آگاہی، مصائب پر صبر کرنا، لوگوں کی ایذاء رسانی کو برداشت کرنا اور دشمن کی تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا ------ جیسے واقعات سے بھرا پڑا ہے۔

احسن القصص

سیدنا یوسف علیہ السلام کے قصہ کو سب سے خوبصورت اور "سوہنا قصہ" اس لیے بھی فرمایا کہ:

انسانی زندگی کے تمام کرداروں کو اس واقعہ میں اس خوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ ایک ایک کردار کی حقیقت واضح ہو کر سامنے آگئی ہے ------ اس قصہ میں توحید کے دلائل ------ خوابوں کی تعبیر ------ سیاسی مسائل ------ معاشی اصلاح کی تدبیریں ------ حسد کی خرابیاں ------ صبر کے نتائج ------ عفو و درگزر کے مظاہرے ------ عورتوں کی مکاریاں اور فریب کاریاں ------ بادشاہوں کے لیے بے انصافی پر مبنی فیصلے ------ جھوٹ کی ناکامیاں ------ سچ اور حق کی فتوحات اور کامرانیاں ------ غرضیکہ وہ تمام امور جو ایک انسان کے دین اور دنیا میں مؤثر اور معاون ہو سکتے ہیں ------ انھیں بڑی وضاحت اور ------ عمدگی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ------ اس لیے اس کو احسن القصص کہتے ہیں۔

احسن القصص ایک وجہ

رئیس المفسرین، قدوۃ السالکین مولانا حسین علی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

اس قصے کو احسن القصص اس لیے فرمایا گیا ہے ------ کہ

اس واقعہ اور اس قصہ سے دو عظیم اور انتہائی اہم مسئلے واضح اور نکھر کر سامنے آتے ہیں ------- ایک مسئلہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا کوئی عالم الغیب نہیں ہے ------ اور دوسرا مسئلہ یہ کہ اللہ کے سوا متصرف فی الامور اور مختارِ کل کوئی اور نہیں ہے -------- اور تمام کی تمام مخلوق ------ چاہیے انبیاء ہوں یا ان کے امتی ------ پیر ہوں یا ان کے مرید ------ امام ہوں یا ان کے مقتدی ------ بادشاہ ہو یا رعایا ------ تخت و تاج کے مالک ہوں یا گداگر ------ سب کے سب اللہ کی قضاء اور اس کے فیصلوں کے آگے عاجز، لاچار اور بے بس ہیں۔

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی رائے پر تفسیر روح المعانی سے استدلال کرتے ہیں۔

وَ قَدْ اَفَادَتْ اَنَّہٗ لَا دَافِعَ لِقَضَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ لَا مَانِعَ مِنْ قُدْرَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ اَنَّہٗ سُبْحَانَہٗ اِذَا قَضٰی لِلْاِنْسَانِ بِخَیْرٍ وَ مَکْرَمَۃٍ فَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْعَالَمِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی دَفْعِ ذَالِکَ لَمْ یَقْدِرُوْا۔ (روح المعانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۷۶)

اللہ کا فیصلہ اٹل اور تبدیل نہ ہونے والا ہوتا ہے ------- اور اس کے فیصلے اور اس کی قدرت کے درمیان کوئی حائل ہونے والا نہیں ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لیے کوئی بہتر اور عزت کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پورے جہان کے لوگ جمع ہو کر اور مل کر کوشش کریں کہ اللہ کے فیصلے کو روک سکیں تو وہ ایسا نہیں کر سکتے۔

سامعینِ گرامی قدر!

اس واقعہ اور اس قصہ میں سمجھایا گیا ہے کہ ------ قادر اور داتا ------ مالک اور گنج بخش ------ مختار اور لجپال ------ دستگیر اور غوث اعظم صرف اور صرف وہ ہے ------ جو کنوئیں میں بے آسرا پڑے یوسفؑ کو ------ نکلوا کے مصر کے بازار میں پہنچاتا ہے اور مصر کے وزیر خزانہ کے گھر بہترین ٹھکانا عطا کرتے ہیں ------ پھر اس مظلوم و نادار کو جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں سے نکالتا ہے، اور مصر کے تخت پر بٹھا دیتا ہے ------ پھر کرتے کی خوشبوئیں ------ یعقوب تک پہنچا کر ------ سارے گھرانے کو ایک جگہ (مصر) میں جمع کر دیتا ہے۔ پھر یہ قصہ اس لیے بھی احسن القصص ہے ------ کہ تمام انبیاء کے واقعات جو قرآن مجید نے بیان فرمائے ------ ان میں یہ واقعہ مُنفرد اور ممتاز حَیثیت رکھتا ہے کہ دوسرے انبیاء کے واقعات کو اس طرح ترتیب وار اور تسلسل کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا جس ترتیب کے ساتھ ------ اور جس تسلسل کے ساتھ قِصّۂ یوسفؑ کو بیان کیا گیا۔

قِصّۂ یوسفؑ ترتیب کے ساتھ

سیدنا یعقوب علیہ السلام کا خاندان اور کنبہ کنعان کے علاقہ میں فردکش تھا ------ اللہ تعالیٰ نے انھیں بارہ بیٹوں سے نوازا تھا ------ جو سب کے سب دراز قامت، خوبرو اور حسین و جمیل تھے۔

ان بارہ بیٹوں میں سب سے چھوٹا بیٹا ------ یوسفؑ حسن و جمال کا پیکر، خوبصورتی و رعنائی کا مجسمہ ہے۔

حسین اتنا ہے کہ اس وقت تک چشم فلک نے اس جیسا حسین کبھی دیکھا نہیں تھا ------ جس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حسینوں میں احسن ------ جمیلوں میں اجمل ------ محمد کریمؐ بھی دیکھ کر حیران ہو گئے تھے۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام اپنے اس ہونہار بیٹے کو دیکھ دیکھ کر جی رہے تھے ------ یوسف علیہ السلام جیسے جیسے زندگی کی بہاریں طے کرتے جا رہے تھے ------ ان کی ہونہاری، سلیم الفطرتی، اور معنوی حسن کے آثار ظاہر ہوتے جارہے تھے ------ سیادت و شرافت کا رنگ دن بدن نکھرتا جا رہا تھا ------ یوسفؑ کی ذہنی اور فطری استعداد دوسرے بھائیوں ------ کے مقابلے میں بالکل نمایاں اور جدا تھی ------ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی دوسرے بیٹوں کی نسبت یوسفؑ سے زیادہ محبت و پیار کرتے ------ انھیں بہت چاہتے ------ ہر وقت نگاہوں کے سامنے رکھتے اور معمولی سی جدائی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

محبت کی وجہ

لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ---- اپنے چھوٹے بیٹے یوسفؑ سے زیادہ محبت ---- ان کے ظاہری حسن و جمال اور خوبصورتی کی وجہ سے کرتے تھے ------ مگر میں کہتا ہوں کہ ایک پیغمبر اور نبی سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے تمام بیٹوں میں سے ایک بیٹے کے ساتھ ------ زیادہ محبت اور زیادہ پیار صرف اس لیے کرتا ہو کہ یہ خوبصورت زیادہ ہے ------ یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یوسفؑ سے زیادہ محبت و پیار ان کے ظاہری حسن و جمال کی وجہ سے نہیں کرتے تھے ------ بلکہ یوسفؑ کے معنوی اور روحانی اور باطنی حسن و جمال کی وجہ سے کرتے تھے ------ وہ یوسفؑ کی پیشانی پر نبوت کے نور کو چمکتا ہوا دیکھ رہے تھے ------ یوسفؑ کے کم عمری میں خصائص و کمالات ------ دانائی، فہم و فراست، سنجیدگی، ادب و احترام، ذہانت و فطانت، و متانت ------ یہ سب کچھ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے سامنے تھا ------ یوسف علیہ السلام کا بچپن میں دیکھا ہوا خواب بھی بہت کچھ

اطلاعیں دے رہا تھا۔

بھائیوں کا حسد

حضرت یعقوب علیہ السلام کا یوسفؑ کے ساتھ والہانہ پیار ------ ہر وقت آنکھوں میں سمانا اور بسانا ------ یوسفؑ کے بھائیوں کے لیے انتہائی تکلیف دہ اور ناقابلِ برداشت تھا۔

وہ ہر وقت اس فکر میں ------ اور اس کوشش میں مشغول رہتے تھے ------ کہ کسی طرح والد کے دل سے یوسفؑ کی محبت کو نکال دیں ------ یا پھر یوسفؑ ہی کو اپنے راستے سے ایک طرف کر دیں تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

بھائی اس حسد میں ہر وقت کڑھتے رہتے تھے ------ وہ ابھی تجاویز اور مشوروں میں تھے کہ جلتی پر تیل کا کام اس خواب نے کر دکھایا ------ جو یوسفؑ کو بچپن میں آیا ------ اور جس کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کے سامنے کیا۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ (۱۲ : ۴)

اے میرے بابا! میں نے خواب میں گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے ------ دیکھتا کیا ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

سیدنا یعقوبؑ اللہ کے نبی تھے ------ نبی کے بیٹے اور ایک جلیل القدر نبی کے پوتے تھے ------ وہ فوراً خواب کی تعبیر سمجھ گئے ------ انھیں اس خواب کے آئینے میں اپنے لختِ جگر، نُورِ نظر اور چہیتے بیٹے کا درخشندہ چہرہ ------ اور روشن مستقبل نظر آیا ------ وہ بڑی سختی سے منع فرماتے ہیں کہ

بھائیوں کے سامنے اس خواب کا تذکرہ نہ کرنا۔

يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (۱۲ : ۵)

اے میرے بیٹے اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں کے سامنے نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی چال چلیں۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو خطرہ پیدا ہوا کہ بھائی پہلے ہی یوسفؑ کے مخالف ہیں اور اسے تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ------ پھر وہ میری مجلس میں بیٹھنے والے نبیوں کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ہیں ------ علمی ماحول میں رہنے والے علمی لوگ ہیں ------ وہ فوراً خواب کی تعبیر کی تہ تک پہنچ جائیں گے ------ اور شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے ------ اس کے جال میں پھنس کر کوئی الٹی چال نہ چل دیں۔

میں کہتا ہوں کہ ------ حسد کی بیماری ------ خطرناک بیماری ہے ------ تمام انبیاء کے دین نے اس کی مذمت کی ہے ------ اور شریعتِ محمدیہ تو اسے برداشت ہی نہیں کرتی۔

قرآن نے دعا سکھائی ------ قل اعوذ برب الفلق ------- آخر میں کہا: وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ------ کہ میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں حسد کرنے والے کے شر سے جو مجھ سے حسد کرے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ (مشکوٰۃ)

حسد سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح

کھا جاتا ہے جس طرح لکڑیوں کو آگ کھا جاتی ہے۔

بھائیوں کا مشورہ

بھائیوں کو کسی طرح یوسف علیہ السلام کے خواب کی خبر لگ گئی ------ وہ سب آپس میں مشورہ کے لیے جمع ہوئے ----- ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ دیکھو جی! ہم بڑے ہیں اور کماؤ پتر ہیں ------ پورے کنبے کا بوجھ ہم اٹھائے ہوئے ہیں ----- کاروبار کی تمام تر ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہے ------ مویشی چرائیں تو ہم ------ جانوروں کی حفاظت کریں تو ہم ------ کماؤ پتر تو ہم ہیں ----- اور بابا کو دیکھو! کہ پیار و محبت کی ساری تانیں یوسفؑ پر جا ٹوٹتی ہیں ------ جب دیکھو یوسف، یوسف ہو رہا ہے۔ بابا کا یہ رویہ قطعاً درست نہیں۔

اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنِ ------- بے شک ہمارا بابا صریح خطا اور واضح بھول میں ہے۔

مشورہ میں ایک بھائی نے رائے دی:

اُقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ ------ یوسفؑ کو قتل کر دو ------ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری ----- ایک مشورہ اور رائے سامنے یہ آئی:

اِطۡرَحُوۡہُ اَرۡضًا یَّخۡلُ لَکُمۡ وَجۡہُ اَبِیۡکُمۡ

قتل نہ کرو ------- آخر بھائی ہے ----- بلکہ اسے کسی ایسی زمین اور ایسے علاقے میں پھینک دو جہاں سے واپس نہ آسکے ----- اس طرح بابا کی تمام تر توجہ کے مرکز تم ہی تم بن جاؤ گے ----- اور یوسفؑ والا کانٹا ہمیشہ کے لیے نکل جائے گا۔

ان بھائیوں میں سے ایک بھائی ----- جو ذرا نرم دل تھا ---- اس نے اپنی حتمی رائے پیش کی:

لَا تَقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ وَ اَلۡقُوۡہُ فِیۡ غَیٰبَتِ الۡجُبِّ یَلۡتَقِطۡهُ بَعۡضُ

السَّیَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ (۱۲ : ۱۰)

اگر تم لازماً یوسفؑ کے خلاف کچھ نہ کچھ تدبیر ضرور کرنا چاہتے ہو ----- تو پھر یوسفؑ کو قتل نہ کرو ----- جان سے مارنے کی تدبیریں نہ کرو ----- بلکہ یوسفؑ کو کسی گمنام کنویں میں پھینک دو کہ کوئی مسافر پانی لینے کے لیے کنویں پر آئے تو یوسفؑ کو اٹھا کر لے جائے ----- اس طرح تمھارا مقصد اور مدعا بھی پورا ہو جائے گا اور یوسفؑ کی جان بھی بچ جائے گی۔

ایک نکتہ

سامعینِ گرامی قدر ! یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہریے ----- اور خدا لگتی بات کہیے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں ----- اور سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا یہ عقیدہ اور یہ نظریہ تھا کہ ہمارا بابا جو خود پیغمبر ہے ----- پیغمبر زادہ ہے ----- اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا پوتا ہے ----- وہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہے؟

وہ ہمیں دیکھ رہا ہے ----- وہ ہمارے حالات، گفتگو اور مشوروں کو جانتا ہے ----- اس سے ہم چھپ نہیں سکتے۔

اگر ان کا یہ عقیدہ اور نظریہ ہوتا ----- تو چھپ چھپ کے یوسفؑ اور والد کے خلاف مشورے اور تدبیریں کرتے ----- معلوم ہوا ان کا یہ عقیدہ اور یہ خیال ہرگز ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ نبی کے گھر میں پرورش پانے والے جانتے تھے کہ ----- عالم الغیب اور حاضر و ناظر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔

برادرانِ یوسفؑ والد کے دربار میں

یوسف علیہ السلام کے بھائی مشورہ کرکے ----- اور ایک تجویز پاس کرکے اپنے پیغمبر والد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے :

مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلٰى يُوسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ (۱۲ : ۱۱)

بابا! کیا بات ہے (آپ کو کیا ہوا ------- آپ کو کیا شک اور وہم ہے) کہ آپ یوسفؑ کے معاملے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔

بھائیوں کی گفتگو کے اس انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی وہ کوشش کر چکے تھے کہ یوسفؑ کو سیر و تفریح اور شکار کے لیے اپنے ساتھ لے جائیں مگر سیدنا یعقوب علیہ السلام ان سے مطمئن نہیں تھے ------- اور یوسفؑ کو ان کے ساتھ بھیجنے کے لیے تیار نہیں تھے ----- تب ہی تو وہ کہہ رہے ہیں ------ بابا آپ ہم پر یوسفؑ کے معاملے میں اعتماد اور اعتبار کیوں نہیں کرتے۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۲ : ۱۲)

کل یوسفؑ کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے ------ وہ کھائے پیے کھیلے اور کودے۔ بے شک ہم یوسفؑ کے نگہبان ہیں۔

(بھائیوں نے اپنے والد سے مطالبہ کیا کہ ہم کل سیر و تفریح کے لیے باہر جنگل میں جانا چاہتے ہیں ------- وہاں کھائیں گے پییں گے ----- کھیلیں گے دوڑیں گے ------- یوسفؑ کو ہمارے ساتھ کل بھیجیے ------ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا ------- یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی حدود میں رہ کر تفریح ----- اور کھیل کود جائز ہے)

سیدنا یعقوبؑ کا جواب

سیدنا یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ----- میرے بیٹے اپنے چھوٹے بھائی یوسفؑ سے حسد رکھتے ہیں ----- اور اسے نقصان پہنچانے کے درپے ہیں ----- وہ بیٹوں کے مطالبہ سے سمجھ گئے کہ ان کے دل میں کھوٹ ہے ---- اس لیے جواب میں اشاروں اور کنایوں سے کچھ بات واضح کر دی ---- فرمایا:

اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ
(۱۲ : ۱۳)

مجھے غم میں مبتلا کرتی ہے یہ بات کہ تم یوسفؑ کو لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ کھا جائے۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے مطالبہ کے جواب میں دو عذر پیش فرمائے:

1. پہلا عذر یہ کہ یوسفؑ کی تھوڑی سی اور معمولی سی جدائی بھی مجھے غمگین کر دے گی ----- کیونکہ میں ایک لمحہ بھی ان کے بغیر نہیں گزار سکتا۔
2. دوسرا عذر یہ پیش فرمایا کہ ہو سکتا ہے تم کھیل کود میں مصروف اور مگن ہو اور یوسفؑ کو بھیڑیا کھا جائے۔

سیدنا یعقوبؑ کو بھیڑیے کا خطرہ کیوں

سیدنا یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیے کے کھانے کا خطرہ ----- اس لیے تھا کہ انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ بھیڑیے نے یوسفؑ پر حملہ کیا تھا۔

مگر صحیح قول وہ ہے جسے علامہ آلوسی نے روح المعانی میں ذکر فرمایا کہ جس علاقے میں برادرانِ یوسفؑ سیر و تفریح کے لیے جانا چاہتے تھے ----- اس علاقے میں بھیڑیے کثرت سے پائے جاتے ہیں ------ اور گاہے بگاہے ایسی خبریں آتی رہتی تھیں کہ بھیڑیے مختلف لوگوں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔

بیٹے جواب میں کہنے لگے:

لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (۱۲ : ۱۴)

(بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے) کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا جائے ----- ہم ایک طاقت ور جتھا اور جماعت ہیں اور ہماری موجودگی میں بھیڑیا

یوسفؑ کو کھا جائے تو ہم تو پھر نرے نکمے ہی نکلے۔

بیٹوں نے بڑی تسلی دی ------ اپنے جتھے اور طاقت ور جماعت کا ذکر کیا ----- قسمیں کھائیں، وعدے کیے اور اس طرح سیدنا یعقوب علیہ السلام اپنے عزیز ترین بیٹے یوسفؑ کو سیر و تفریح کے لیے دوسرے بیٹوں کے ساتھ بھیجنے پر رضا مند ہو گئے۔

وہ یوسفؑ کو لے کر چلے ------ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ------ اور مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ جب تک بھائی ----- سیدنا یعقوب علیہ السلام کے سامنے رہے اس وقت تک یوسفؑ سے پیار کرتے رہے ----- محبت سے پیش آتے رہے ------ شفقت دکھاتے رہے ------- جونہی سیدنا یعقوب علیہ السلام کی نگاہوں سے اوجھل ہوئے ------ تو یوسفؑ کو زچ کرنا اور مارنا شروع کر دیا ------ معصوم یوسفؑ اور مظلوم یوسفؑ ------- ایک ایک بھائی کے مُنہ کی طرف رحم طلب نگاہوں سے دیکھتے ----- مگر یہ سب بے سود تھا ------ بھائیوں پر ذرہ برابر اثر نہ ہوا۔

بالآخر سب بھائیوں نے مل کر ایک رسی سے باندھ کر یوسفؑ کو ایک تاریک اور گمنام ------- کنویں میں پھینک دیا۔

یوسفؑ کے پڑدادا ------ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو دشمنوں نے آگ میں ڈالا تھا۔ اس وقت وہ صبر و استقامت کے کوہِ گراں بنے رہے ------ اور آج ان کے پڑپوتے کو اپنے بھائیوں نے تاریک کنویں میں پھینک دیا تو وہ بھی صبر و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔

ادھر بھائیوں نے رسی کاٹی ------ اور ادھر اللہ ربُ العزت نے حضرت جبریلِ امین کو حکم دیا: اَدْرِكْ عَبْدِیْ -------- جبریل جاؤ رسی کاٹی جا چکی ہے ----- ابھی میرا یوسفؑ سطحِ آب تک نہ پہنچے کہ اس کے نیچے

اپنے پر بچھادو۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس مصیبت اور دکھ کی گھڑی میں اس طرح دعا مانگی:

یَا شَاهِدًا غَیْرَ غَائِبٍ وَّیَا قَرِیْبًا غَیْرَ بَعِیْدٍ وَّیَا غَالِبًا غَیْرَ مَغْلُوْبٍ اِجْعَلْ لِّیْ مِنْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا۔ (تفسیر کشاف جلد ٢ صفحہ ٤٥٢)

اے موجود جو غائب نہیں اور اے قریب جو دور نہیں اور ایسے غالب جو کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ میر اس مشکل کو اور میرے معاملہ کو آسان کردے اور مجھے کنویں کی اس قید سے آزاد فرما اور نجات عطا فرما۔

عین اس مشکل کی گھڑی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے یوسفؑ کی طرف وحی کی:

وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ ------ کچھ علماء کرام اس وحی سے مراد ------- وحی نبوت لیتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو بچپن ہی میں نبوت سے سرفراز کردیا گیا تھا۔

اور کچھ دوسرے معتبر علماء کرام کا کہنا یہ ہے ------- کہ یہاں وحی سے مراد الہام ہے۔ جیسے اللہ رب العزت نے فرمایا ------ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی (قصص ٢٨ : ١٧) اور ہم نے موسیٰؑ کی ماں کی طرف وحی کی ------ یا جس طرح فرمایا: وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ (نحل ١٦ : ٦٨) اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی (قرطبی، روح المعانی)

عین اس وقت جب کنویں میں گر رہے ہیں ------ رحمتِ الٰہی نے یوسفؑ کا ساتھ نہیں چھوڑا ------ غیب سے الہام ہوا کہ رنجیدہ اور شکستہ دل

غم نہ کر اور خوف نہ کھا ----- بھائیوں کے کید سے اور کنوئیں کی قید سے تمھیں رہائی اور نجات لازماً ملے گی اور ایک دن آنے والا ہے -----

لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (۱۲ : ۱۵)

تم اپنے بھائیوں کو ان کی یہ کارروائیاں، اور ان کی یہ حرکتیں ----- یاد دلاؤ گے اور بتاؤ گے ----- اور یوسفؑ تم اس وقت اتنے اونچے اور ممتاز مقام پر فائز ہو گے کہ یہ تمھیں پہچان نہ سکیں گے۔

براداران یوسف ---- اپنے چھوٹے

خون آلود قمیص اور برادران کا ماتم

بھائی یوسفؑ کو کنوئیں میں پھینک کر ----- وقت گزاری کے لیے ادھر ادھر پھرتے رہے ----- سیر و تفریح میں مشغول رہے اور رات کے چھا جانے کا انتظار کرتے رہے ----- کہ اندھیرے میں اور رات کی تاریکی میں جائیں گے ----- تاکہ بابا کو ہمارے مصنوعی اور بناوٹی رونے کا ----- اور ماتم کرنے کا پتا نہ چل سکے۔

انھوں نے یوسف کے کرتے کو کسی جانور کا مصنوعی خون لگایا ----- اور پھر اسے علم بنایا اور رات کے وقت روتے پیٹتے اور ماتم کرتے ----- سینہ کوبی کرتے ----- چیختے چلاتے اور شور مچاتے گھر پہنچے اور کہنے لگے ----- بابا:

إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ (۱۲ : ۱۷)

ہم سب بھائی لگے دوڑنے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کو اور یُوسُفؑ کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا

پھر اسے بھیڑیا کھا گیا۔

وَمَآ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِيۡنَ (۱۲ : ۱۷)

(یوسفؑ کے معاملے میں آپ پہلے ہی ہمارے بارے میں بدگمان ہیں) اس لیے آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہوں۔

قاتل بھی ہیں مقتول کا ماتم کرتے

برادرانِ یوسف نے --- راستے میں یوسف کو مارا بھی، اور ستایا بھی اور دُکھایا بھی ------ بے وفائی بھی کی اور بدعہدی بھی ------ خود کنویں میں ڈالا ---- پھر مظلوم کے کرتے پر خود ہی مصنوعی خون لگایا ----- اور پھر اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے ----- اور اپنا قصور چھپانے کے لیے رات کو والد کے پاس آئے۔ ماتم کرتے ہوئے اور روتے ہوئے اور سسکیاں بھرتے ہوئے اور آنسو بہاتے ہوئے۔

سامعینِ گرامی قدر! یاد رکھیے اور دل کی تختیوں پر لکھ لیجیے کہ کبھی کبھی خود قاتل بھی مقتول کا ماتم کیا کرتے ہیں ------ اپنے خبیث جرم کو چھپانے کے لیے ------ اپنے منحوس کرتوت پر پردہ ڈالنے کے لیے ------ اپنے ناپاک فعل پر پردہ ڈالنے کے لیے۔

میں دلائل کی روشنی میں کہتا ہوں ----- میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں ----- بڑے پختہ یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ کوفہ کے جن غداروں نے ------ اور مکاروں نے ایک سازش کے تحت نواسۂ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ہزاروں خطوط لکھ کر بلایا تھا ------ انھوں نے عین موقع پر دغا بازی سے کام لیتے ہوئے بدعہدی کی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ----- کو ان کے قبیلے کے کئی دوسرے افراد کے ساتھ شہید کردیا ----- اور پھر اپنے جرم پر

اور گھناؤنے کردار پر پردہ ڈالنے کے لیے کوفہ کے بازاروں میں ماتم کیا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی مستورات کے ساتھ کربلا سے چلے ----- تو دیکھا کہ کوفہ کی عورتیں اپنے گریبان چاک کر کے ماتم اور بین کرنے لگیں اور کوفہ کے مرد بھی رونے لگے تو زین العابدین نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا:

اِنَّ هٰؤُلَاءِ يَبْكُوْنَ فَمَنْ قَتَلَنَا غَيْرُهُمْ (احتجاج طبرسی صفحہ ۱۵۸)

یہ کوفہ کے لوگ روتے ہیں پھر ہمیں ان کے سوا قتل کس نے کیا ہے؟

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بہن سیدہ زینب بنت علیؓ ----- واقعۂ کربلا کی عینی گواہ اور سیدنا حسین کی ہم سفر تھیں -------- وہ اپنے قافلہ کے ہمراہ جب کوفہ پہنچیں تو کوفہ کے مردوں اور عورتوں نے رونا پیٹنا اور ماتم کرنا شروع کر دیا۔ اس موقع پر سیدہ زینبؓ نے فرمایا:

اے کوفیو! غدارو اور ذلیلو ------ تم روتے ہو حالانکہ خود تم نے ہمیں قتل کیا ہے اللہ کرے تم ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہو اور روتے رہو۔ (اخبار ماتم، جلاء العیون مجلسی)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور نورِ نظر سیدہ فاطمہ رحمہا اللہ تعالیٰ واقعہ کربلا کی چشم دید گواہ تھیں ----- انھوں نے مکاری سے روتے ہوئے کوفیوں سے فرمایا:

اے کوفیو! مکارو، اور غدارو ------- کل جس طرح تم نے ہمارے دادا سیدنا علی کو شہید کیا تھا آج اسی طرح تم نے ہمیں قتل کیا ہے۔ تمھاری تلواروں سے ہمارا خون ٹپک رہا ہے۔ (احتجاج طبرسی صفحہ ۱۵۷)

سیدہ ام کلثوم بنت علیؓ -------- کے سامنے جب کوفہ کی عورتیں روتی ہوئی اور سینہ کوبی کرتی ہوئی آئیں تو انھوں نے فرمایا:

اے کوفیو! تمھارے مردوں نے ہمیں قتل کیا اور تمھاری عورتیں ہم پر روتی ہیں۔ اللہ قیامت کے دن تمھارے اور ہمارے درمیان فیصلہ کرے گا۔

خیر ------ یہ میرا موضوع نہیں۔ آئیے اپنے اصل موضوع کی طرف پلٹتے ہیں۔

چوری پکڑی گئی

برادرانِ یوسف نے ------ کرتے پر مصنوعی خون تو لگایا اور ڈھونگ تو رچایا۔ مگر دروغ گو را. حافظہ نہ باشد ----- خون کے چھینٹے تو دیے ------ مگر کرتے کو پھاڑنا بھول گئے ------ سیدنا یعقوب علیہ السلام فوراً سمجھ گئے اور فرمانے لگے:

بھیڑیا واقعی بڑا تعلیم یافتہ تھا ------ بڑا متین اور انتہائی حلیم تھا جو یوسفؑ کو کرتے میں سے نکال کر لے گیا ----- اور خون آلود کرتے کو نہایت احتیاط سے صحیح و سالم اس طرح اتار کر رکھ گیا کہ اسے ایک خراش بھی نہیں آئی۔

دیکھیے بیٹوں کی چوری اور مکاری تو پکڑی گئی ------ مگر بیٹوں کو جھڑکنے اور طعن و تشنیع کرنے ------ نفرت و حقارت کا انداز اختیار کرنے کی بجائے ------ نبوی حکمت و دانائی اور پیغمبری فہم و فراست کے ساتھ ------ بیٹوں پر یہ بات واضح فرمادی کہ حقیقتِ حال کو چھپانے کی پوری کوشش کے باوجود تم اسے چھپا نہیں سکے ہو۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا (۱۲ : ۱۸)

(بات اس طرح نہیں جس طرح تم بیان کر رہے ہو) بلکہ یہ بات تو تمھارے نفسوں نے گھڑی ہے۔

مُصیبت پر ماتم نہیں صبر

ذرا اندازہ تو لگائیے ----- سیدنا یعقوب علیہ السّلام پر اچانک کتنی بڑی مُصیبت ٹوٹ پڑی ----- کتنا بھاری دکھ آیا ہے۔ پریشانی، صدمہ ----- زبردست غم و رنج ----- عظیم مُصیبت و الم ------- مگر سیدنا ابراہیم علیہ السّلام کا پوتا ----- نہ بین کرتا ہے نہ کپڑے پھاڑتا ہے ----- نہ چہرے پر تھپّڑ مارتا ہے ----- نہ دیوار سے سر ٹکراتا ہے ----- نہ گریبان چاک کرتا ہے ----- نہ شور نہ واویلا ----- نہ آہ و فغاں ----- نہ جزع فزع ----- نہ ماتم بلکہ کہتا ہے ----- فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ -------- میں اب صبرِ جمیل اختیار کروں گا۔

صبرِ جمیل کیا ہے؟

مجاہد تابعی فرماتے ہیں ----- صبرِ جمیل وہ ہے جس میں نہ گھبراہٹ ہو، نہ بے قراری ہو اور نہ بے چینی ہو۔

کچھ علماء نے کہا ----- صبرِ جمیل یہ ہے کہ کسی کے سامنے شکوہ نہ ہو اور نہ ظالم سے انتقام لینے کی کوشش ہو۔

صبر ایک خوبصورت اور عظیم الشان وصف ہے جو بہت سی برائیوں کے لیے ڈھال کا کام دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ستّر سے زیادہ جگہوں پر صبر کی فضیلت اور صبر پر کاربند رہنے کا حکم دیا گیا۔ اور اللہ ربُّ العزت نے ----- بہت سے اونچے اونچے مرتبے ------ اور عظیم منصب کا مدار اور مبدأ صبر ہی کو ٹھہرایا ہے۔

امام الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد گرامی ہے :

اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ (بیہقی)

صبر کرنا نصف ایمان ہے۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی اور ان کے عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ والے بندے کو ------ دکھ، مصائب اور غموں کے انبار میں بے صبری اور ماتم نہیں کرنا چاہیے بلکہ صبر کا دامن تھام لینا چاہیے۔

آگے سیدنا یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (۱۲ : ۱۸)

(میرے بیٹو) جو کچھ یوسف کے بارے میں تم بیان کر رہے ہو اس پر میں اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ مجھے صبر کی توفیق بھی تب ہی مل سکتی ہے کہ میرا اللہ میرا مُستعان اور میرا مددگار ہو۔

معلوم ہوا کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کا عقیدہ یہ تھا کہ مصائب و مشکلات میں ------ دکھ اور تکالیف میں ------ رنج و الم میں ------ فکر و غم میں ---- یوسف جیسے بیٹے کی جدائی کے غم میں مدد کے لیے پکارنا ہے تو صرف اور صرف اللہ کو ---- سیدنا یعقوب علیہ السلام نے غم اور مصیبت کی اس گھڑی میں ------ نہ اپنے بابا ---- سیدنا اسحاق علیہ السلام کو مدد کے لیے پکارا ------ نہ اپنے چچا ----- سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ----- اور نہ اپنے دادا سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو مدد کے لیے آواز لگائی ---- بلکہ واللہ المستعان کا نعرہ لگا کر ----- دنیا والوں کو بتایا کہ مصائب میں اور دکھوں میں مدد کر سکتا ہے تو صرف اللہ ربُّ العزت ہی کر سکتا ہے۔

قافلہ کنویں پر

ادھر بھائی مکر و فریب سے اپنے والد کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش اور تدبیریں کر رہے تھے سیدنا یعقوب علیہ السلام اور برادران یوسف کے درمیان ----- گفتگو اور

مکالمہ جاری تھا اور ادھر سیدنا یوسف علیہ السلام کنویں میں بے یار و مددگار پڑے تھے ------ کہ ایک قافلہ جو مدین سے مصر جا رہا تھا ------ انھوں نے وہاں پڑاؤ ڈالا ------- اور پانی بھرنے والے ملازم کو کنویں کی طرف بھیجا کہ کنویں سے پانی بھر کر لائے ------- اس نے ڈول لٹکایا ------ یوسفؑ سمجھے کہ شاید بھائیوں کو رحم اور ترس آ گیا ہے ------ وہ ڈول پکڑ کر اس کے ساتھ لٹک گئے ------ اس نے ڈول باہر نکالا تو یوسفؑ جیسے حسین و جمیل لڑکے کو دیکھ کر جوشِ مسرت سے قافلے والوں کو اطلاع دی:

یَا بُشْرٰی هٰذَا غُلَامٌ

قافلے والو خوشخبری ہو ایک غلام ہاتھ آیا ہے۔

وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً

اور قافلے والوں نے یوسفؑ کو چھپا لیا تجارت کا مال سمجھ کر۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (۱۲ : ۱۹)

اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

جو کچھ وہ کرتے ہیں؟ ----- یعنی بھائی وطن سے بے وطن کرنا چاہتے تھے ----- قافلہ والے بیچ کر دام کھرے کرنا چاہتے تھے ------ اور اللہ تعالیٰ مصر کے تخت کا مالک بنانا چاہتا تھا۔

یوسفؑ مصر کے بازار میں

قافلے والے ----- یوسفؑ کو غلام بنا کے ----- اور غلام سمجھ کے اپنے دوسرے مالِ تجارت کے ساتھ مصر لے گئے۔

سامعینِ گرامی قدر!

ذرا اندازہ لگائیے ------ سیدنا یوسف علیہ السلام کی زندگی کا یہ باب اور یہ پہلو اور زندگی کا یہ حصہ اور یہ گوشہ اپنے اندر کتنی عظمتیں سمائے ہوئے

ہے ----- کتنی عبرتیں پوشیدہ ہیں ----- بچپن ہے ----- معصومیت ہے

----- چھوٹی سی عمر ہے ------- نرم و نازک بدن ہے ------- ماں کی مامتا

مدت ہوئی روٹھ چکی ہے -------- والدہ کی شفقت بھری اور ٹھنڈی چھاؤں میں

بیٹھنے کا موقع ہی نہیں ملا ------ والد کی آغوش اور گود مہربان تھی، آج وہ بھی

چھوٹی ----- وطن کتنا پیارا ہوتا ہے ------ وطن جس کی راکھ اور جس کی مٹی

سے بھی انسان پیار اور محبت کرتا ہے۔ وہ وطن بھی چھوٹا ------ بھائی جو بازو

ہوتے ہیں ------ بڑے بھائی جو باپ کی جگہ رکھتے ہیں ------ انھوں نے

بے وفائی کی اور کنوئیں میں ڈال دیا ------ آزادی جو انمول ہوتی ہے وہ آج

غلامی میں بدل رہی ہے ----- یمن کے تاجروں کے ہاتھ غلام کی حیثیت سے جا

رہے ہیں۔

مگر ان تمام گردشوں کے باوجود ------ ان تمام مصائب اور غموں کے باوجود

----- نہ بے صبری کا اظہار ہے ------ نہ جزع و فزع ہے ------ نہ شور

نہ واویلا ------ نہ گلہ نہ شکوہ ----- بلکہ سیدنا یوسفؑ اپنی قسمت پر شاکر

----- مصائب پر صابر اور اللہ ربّ العزت کے فیصلوں پر راضی برضا تھے

------ اور اس شعر کے مصداق تھے: ع

سرِ تسلیم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

خاموشی سے مصر کے بازار میں فروخت ہونے جا رہے ہیں۔

یوسفؑ بازارِ مصر میں

قافلے والوں نے سیدنا یوسف علیہ السّلام کو مصر کے بازار میں اونے پونے داموں اور درہموں کے بدلے بیچ دیا ----- وہ بے زار بھی تھے اور جلدی میں بھی تھے کہ کہیں اس کے اصل مالک ہی نہ پہنچ جائیں ------ "چوری دے تھان تے ڈانگاں دے گز" ------ انھوں نے سوچا مفت میں ملا ہے ----- اس کے

بدلے جو مل جائے اور جتنا مل جائے وہی قیمت ہے۔

یوسفؑ کو خریدنے والا مصر کا وزیر خزانہ تھا ---- ایک بدوی غلام ---- اور وزیر کے گھر ---- اور وزیر بھی مصر جیسے ملک کا ---- سبحان اللّٰہ

مصری خود کو دنیا کی مہذب ترین اور متمدن قوم سمجھتے تھے ------ وہ "ہمچو ما دیگرے نیست" کے خبط میں سرگرداں تھے ---- انھیں تکبر اور دولت کی فراوانی کا نشہ تھا ---- وہ دوسرے علاقوں کے لوگوں کو ----- دیہاتیوں کو خاص کر کے ذلت و حقارت سے دیکھا کرتے تھے ----- ایسی قوم اور ایسے ملک کا ایک بہت بڑا آدمی ----- امور مملکت میں شریک اور خزانے کا وزیر یوسفؑ کو خرید کر اپنے محل میں لایا۔

اللّٰہ ربّ العزت کی قدرت و کارسازی اور بے نیازی و طاقت دیکھیے کہ ایک بدوی غلام ایک مہذب اور صاحب شان و شوکت رئیس اور وزیر کے ساتھ ساتھ چلتا ہے ---- گھر پہنچتا ہے۔

تو یہ غلام ----- اپنی عفت مآب زندگی کی بدولت ----- اپنی عِصمت بھری نظروں کی بدولت ----- اپنے حوصلے اور تحمل کی بدولت ---- امانت و دیانت اور صداقت و حیا کی بدولت ---- فرمانبرداری اور اخلاقِ حسنہ کی بدولت ----- عزیز مصر کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن جاتا ہے۔

وہ سیدنا یوسفؑ کی متانت کو ---- حکمت و دانائی کو ---- چہرے سے نمایاں کرامت و وقار کو بھانپ لیتا ہے۔

آخر وزیر خزانہ تھا ---- مردم شناس تھا ---- یوسفؑ کو پہچانا اور اپنی بیگم سے کہا:

اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ (۱۲ : ۲۱)

(اسے غلام نہ سمجھنا، اس کے ساتھ غلاموں والا سلوک نہ رکھنا) بلکہ

اسے عزت و اکرام سے اپنے گھر رکھو۔ (بہت خوبصورت اور سنجیدہ مزاج بچہ ہے) ہوسکتا ہے یہ ہم کو نفع اور فائدہ پہنچائے۔

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ----- ان کے ہاں اولاد نہیں تھی ----- کہنے لگا ہو سکتا ہے ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔

تین قیافہ شناس

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں تین آدمی بڑے قیافہ شناس ہوئے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر نے ان کے قول کو نقل کیا۔

1. ایک عزیزِ مصر بڑا صاحبِ فراست اور قیافہ شناس تھا۔ جس نے پہلی نظر میں یوسفؑ کو پہچان لیا اور بیوی سے کہا ----- اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ ------ اسے عزت و اکرام سے گھر میں رکھو۔

2. دوسری قیافہ شناس اور صاحبِ فراست ------ بنتِ شعیبؑ ہے۔

جس نے ایک ہی نظر میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوت و امانت کا جائزہ لے لیا اور اپنے والد محترم سے کہا------

يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ (قصص ۲۸ : ۲۶)

بابا اس نوجوان کو نوکر اور ملازم رکھ لیجیے بلاشبہ بہتر نوکر اور ملازم میں دو خوبیاں ہونی چاہییں ----- ایک یہ کہ طاقت ور ہو----- دوسری یہ کہ امانت دار ہو ----- اور یہ دونوں صفتیں ----- اور دونوں خوبیاں اس نوجوان میں موجود ہیں۔

3. تیسرے قیافہ شناس سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں ---- جنھوں نے اپنے بعد خلافت کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہچانا اور نامزد فرمایا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا

اور فرمایا ------ کہ اپنے بعد خلافت کی ذمہ داری اور حکومت کی باگ ڈور میں تیرے سپرد کرنا چاہتا ہوں ------ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر فرمایا:

لَیْسَ لِیْ بِھَا حَاجَۃٌ ------- مجھے خلافت اور حکومت کی ضرورت اور طلب نہیں ہے۔ یہ منصب آپ کسی اور کے سپرد فرمادیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر فرمایا:

وَلٰکِنْ بِھَا اِلَیْکَ حَاجَۃً ------- عمرؓ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ تمہیں خلافت کی کوئی ضرورت نہیں مگر میری مجبوری بھی تو دیکھ ------ کہ خلافت کو عمرؓ کی ضرورت ہے۔ میں عمرؓ کو خلافت دے کر نہیں جا رہا ہوں بلکہ خلافت کو عمرؓ دے کر جا رہا ہوں۔

یوسفؑ عالی صفات کیسے

سیدنا یوسف علیہ السلام میں یہ تمام تر خوبیاں اور صفات ---- کیسے آ گئیں ------ وہ اخلاقِ حمیدہ کے مجسمے کس طرح بن گئے ----- عاداتِ جمیلہ و حسنہ کے پیکر کیونکر بنے ----- ایک کم عمر بدوی نے کس درس گاہ سے فیض حاصل کیا ----- ایک غلام نے کس استاد سے اس پاک طینت کو پایا۔

اس کا جواب قرآن اس طرح دیتا ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (۱۲ : ۲۲)

اور جب یوسفؑ پہنچ گئے اپنی جوانی کو تو ہم نے ان کو فیصلے کی قوت اور علم عطا کیا اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ عطا کرتے ہیں۔

چنانچہ عزیز مصر نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو اپنے بیٹوں کی طرح عزت و شفقت کے ساتھ اپنے گھر میں رکھا ------ بیٹوں کی طرح ان کو چاہا ---- پیار

دیا ------ محبت نچھاور کی ------ معتمد علیہ جانا ------ معتبر سمجھا ------ اپنی دولت و جائیداد کا امین بنایا ------ گھریلو زندگی کی ذمہ داریاں ان کے سپرد کیں ------ اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو موقع ملا کہ وزیر خزانہ کے گھر رہ کر بڑے بڑے سرداروں کے رہن سہن کو دیکھیں ------ حکومت کے کرتا دھرتا لوگوں کے گھر میں رہ کر سلطنت چلانے کے رموز اور طریقے سیکھیں۔

اسی چیز کو مدنظر رکھ کر فرمایا:

وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ (۱۲ : ۲۱)

(جس طرح ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے ------ اور مخفی تدبیروں سے ------ اور لطیف پیرائے سے یوسفؑ کو بھائیوں کی حاسدانہ سختیوں سے ------ اور کنوئیں کی قید سے نکالا) اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو اس ملک میں جگہ دی۔

ہم نے یوسفؑ کو عزت و تکریم کے مقام پر پہنچا دیا ------ عظمتیں اور رفعتیں عطا فرمائیں ------ غلام کی حالت میں فروخت ہوئے، ہم نے وزیر خزانہ کے گھر کا امین اور نگران بنا دیا۔

غلام بنانے کے جتن ہوئے مگر ہم نے عزیز مصر کا منہ بولا بیٹا بنا دیا۔ کنوئیں کی تاریکی سے نکالا اور حکومت کے محلات میں پہنچا دیا۔

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ اور اللہ رب العزت سے یہ بات کوئی بعید نہیں ہے ------ اس پر یہ بات کوئی مشکل بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ ------ اور اللہ غالب اور طاقت ور ہے۔ اپنے کام اور اپنے حکم میں ------ اللہ ہی کی بات ہمیشہ غالب ہو کر رہتی ہے۔

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۱۲ : ۲۱)

مگر اکثر لوگ (اتنی واضح اور کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے۔

قصۂ یوسفؑ میں تو بار بار اس حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے کہ اللہ کی تقدیر اور اللہ کا فیصلہ ------ اور اللہ کا حکم ہی ہمیشہ غالب رہتا ہے۔

کوئی کچھ سوچے ------ کوئی کچھ فیصلہ کرے ------ ساری دنیا ایک طرف ہو جائے کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ------ ہمیشہ ہوتا وہی ہے جو رب چاہتا ہے۔

سامعینِ گرامی قدر! ذرا دیکھو تو ------- سیدنا یعقوب علیہ السلام نے یوسفؑ کو منع فرمایا کہ بھائیوں کے سامنے خواب بیان نہ کرے ------ ان کی مرضی اور خیال تھا ------ کہ بھائیوں کو یوسفؑ کے خواب کا علم نہ ہو ------ مگر تقدیر الٰہی غالب آگئی اور بھائیوں کو خواب کے بارے پتا چل گیا۔

ذرا دیکھو تو ------ بھائیوں نے یوسفؑ کو ذلیل و خوار کرنے کی تمام تر تدبیریں اور کوششیں کیں ------ مگر تقدیر غالب آگئی اور یوسفؑ عزت و احترام کے ساتھ عزیزِ مصر کے گھر پہنچ گئے۔

ذرا دیکھو تو ------ برادرانِ یوسف ------ چاہتے تھے کہ یوسفؑ کو راستے سے ہٹا کر اپنے والد کی تمام تر توجہ اور پیار حاصل کرلیں۔ مگر ناکام ہوئے اور والد الٹا بیزار ہوگئے۔

بھلا دیکھو تو ------ برادرانِ یوسف نے سوچا تھا کہ روتے ہوئے آنسو بہاتے ہوئے جائیں گے تو جرم پر پردہ پڑ جائے گا ------ مگر یوسفؑ کے کرتے نے سارا راز فاش کر دیا۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱۲ : ۲۱)

باقی ان شاء اللہ آئندہ جمعۃ المبارک کو بیان کروں گا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

سیّدنا یوسف علیہ السّلام ۔ ۲

نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗٓ اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ○ وَ رَاوَدَتْہُ الَّتِیْ ھُوَ فِیْ بَیْتِھَا عَنْ نَّفْسِہٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ ھَیْتَ لَکَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ○

(صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

(۱۲ : ۲۲-۲۳)

سامعینِ گرامی قدر ! سیدنا یوسف علیہ السّلام کی زندگی کے کچھ حالات اور واقعات آپ گزشتہ خطبہ میں سماعت فرما چکے ہیں۔

میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں ------ کہ سیدنا یوسف علیہ السّلام گھر سے کنویں میں ----- اور کنویں سے مصر کے بازار میں ------ اور مصر کے بازار میں فروخت ہو کر عزیز مصر کے محل میں کیسے پہنچے۔

سیدنا یوسف علیہ السّلام جب عمر کے اس حصّے کو پہنچے ------ جس عمر میں انسان کی جسمانی اور ذہنی طاقتیں پوری طرح نشو و نما پا جاتی ہیں ------ تو اللہ رب العزت نے انھیں اپنے فضل و کرم سے ----- اور اپنی رحمت و مہربانی سے نبوت و حکمت کی دولت سے سرفراز فرمایا۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا

جب پہنچا یوسفؑ قوت و جوانی کو تو ہم نے اسے نبوت اور علم کی دولت عطا فرمائی۔

حکما کہتے ہیں تیس سال سے لے کر چالیس سال تک کا درمیانی حصہ قوت و جوانی (اَشُدَّہ) کہلاتا ہے۔

کچھ مفسرین نے اکیس سال کا قول ذکر کیا ہے ------ سیدنا ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنۂ فرماتے ہیں تینتیس (۳۳) سال ------ امام رازی نے اس قول کو پسند فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنۂ فرماتے ہیں ------ حُکْمًا سے مراد نبوت ہے اور عِلْمًا سے مراد علم شریعت ہے۔ (روح المعانی) اب سیدنا یوسف علیہ السلام پیغمبری اور نبوت کے اعلیٰ اور اُونچے منصب پر فائز ہو چکے تھے ------ جونہی مقام و مرتبہ بلند ہوا تو امتحان اور آزمائشیں بھی سخت ترین شروع ہو گئیں ------ پیچھے وہ آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزر کر آئے تھے ------ صابر و شاکر یوسفؑ بڑے دکھ اور پریشانیاں اٹھا کر ------ کامیابیاں اور کامرانیاں سمیٹ کر یہاں تک پہنچے تھے ------ مگر سو فیصد درست کہا ہے کسی صوفی بزرگ نے کہ:

"اللہ کے اکثر انعامات اور احسانات مصائب کے پردے میں پوشیدہ ہوتے ہیں"۔

اور سچ کہا ہے کسی کہنے والے نے کہ ------ نزدیکاں را بیش بود حیرانی ------ جو شخص اللہ کے جتنا بھی قریب اور نزدیک ہوگا اسے اتنا ہی زیادہ پرکھا جائے گا۔

بچپن کی پہلی آزمائش میں یوسفؑ کو پرکھا گیا ------ وہ اس امتحان میں

کامیاب ہوئے اور اللہ نے انھیں بطور انعام تہذیب و تمدن کے مرکز مصر کے ایک رئیس بلکہ وزیر کے گھر میں معزز طریقے سے ٹھہرا دیا۔

دوسری آزمائش

اب زندگی کی دوسری آزمائش ------ اور وقت کا کٹھن امتحان کی ابتدا ہونے لگی ہے ------ اور وہ اس طرح کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی بھرپور جوانی تھی ---- بلکہ جوانی اپنے پورے جوبن پر تھی ------ حسن و جمال اور خوبروئی کا کوئی گوشہ اور کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو ان کے مبارک وجود میں موجود نہ ہو ------ جمال و خوبصورتی کا پیکر ----- رخِ انور شمس و قمر سے بڑھ کر تابندہ ------ چال ڈھال ------ انداز ----- قد و قامت ----- قدرت کی کاریگری کا نمونہ ------ حسن و جمال انسان کو بے حیائی کے کاموں پر آمادہ کر دیتا ہے ------ مگر یوسفؑ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اتنے بے پناہ حسن و جمال کے باوجود عصمت و حیا کا مجسمہ ہے۔

اب یوسفؑ ایسے موحول میں ہے کہ نہ تاریک کنواں ہے ------ نہ بھائیوں کی ڈانٹ ڈپٹ ہے ------- نہ قافلے والوں کی سختی ہے ----- نہ مصر کے بازار کی رسوائی ہے ------ بلکہ اب مصر کے وزیر خزانہ کا عظیم الشان محل ہے ----- جہاں آرام و آسائش ------ اور خورد و نوش کا ------ شاہانہ اہتمام ہے ------ خوبصورت رہائش گاہ ہے ------ اور آرام دہ بستر ہیں ---- اب عزیز مصر کی بیوی اور گھر کی مالکہ غلط اور گندے ارادے دل میں رکھ کر ----- ہزار جان سے نثار ہے۔ وہ اپنے دل پر قابو نہ رکھ سکی ------ ہر وقت کا ساتھ تھا ------ ہر وقت آمنا سامنا ناگزیر تھا ------ رات دن ایک ہی جگہ پر رہنا ------ پھر وہ گھر کی مالکہ بھی تو تھی ------ اس نے مختلف طریقوں سے یوسفؑ کو ورغلانا ----- اور ڈورے ڈالنا شروع کیے -------- اس نے نرمی اور پیار سے یوسفؑ کو اپنی جانب راغب کرنے کی کوشش کی۔

مگر جد الانبیاءؑ کا پڑپوتا ------- اِسحاقؑ کا پوتا ------ اور یعقوبؑ کا نور نظر ----- خانوادۂ نبوت کا چشم و چراغ ------ اور نبوت کے منصب کے لیے منتخب ----- یوسفؑ بھلا اس سے یہ بات کیسے ممکن تھی کہ وہ ناپاکی اور بے حیائی کے کاموں میں مبتلا ہو ------ اور عزیزِ مصر کی حیا باختہ بیوی کے ناپاک اور گندے عزائم اور مکروہ خیالات کو پورا کرے۔

یوسفؑ کی پاکیزہ نگاہ ----- بارِ حیا سے زلیخا کی طرف اٹھتی ہی نہیں ----- ہونٹ اس سے بات کرنے کے لیے ہلتے ہی نہیں ------ قلب کے کسی کونے کھدرے میں زلیخا کے لیے جذبات آتے ہی نہیں۔

زلیخا ----- آزاد منش اور روشن خیال عورت تھی ----- اس نے دیکھا اور محسوس کیا کہ نرمی اور اشاروں کنایوں سے میرا مسئلہ حل نہیں ہوگا ----- میرا مقصود مجھے نہیں ملے گا ------ تو پھر ایک روز موقع پا کر اس نے غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ ----- سارے دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیں ------ ایک یوسفؑ اور دوسری زلیخا ----- تیسرا کوئی شخص نہیں ------ پھر کہنے لگی ------ هَيْتَ لَكَ ------ یوسفؑ یہاں دیکھنے والی آنکھ بھی کوئی نہیں ------ یہاں کسی کو بتانے والی زبان بھی کوئی نہیں ------ یہاں روکنے والا ہاتھ بھی کوئی نہیں ------ تنہائی اور خلوت ہے ------ اس سے بہتر موقع کبھی میسر نہیں آئے گا ------ یوسفؑ جلدی کر ----- میں تجھے دعوتِ گناہ دیتی ہوں ------ میرا مطلب پورا کر ------ یوسفؑ اب دیر کاہے کی؟ اب سوچنا اور خاموش رہنا کیوں؟

لوگو! ------ یہ وقت اور یہ گھڑی سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے بڑی آزمائش کی گھڑی تھی ---- یہ وقت ان کے لیے بڑا مشکل اور بے حد کٹھن تھا۔

سامعینِ گرامی قدر!

ذرا غور تو کیجیے ------- تھوڑا سا تصور تو فرمایئے ------ شاہی خاندان کی نوجوان عورت ------ پھر گھر کی مالکہ اور خود مختار ------ پھر شعلۂ حسن سے لالہ رخ ----- محبوبہ نہیں بلکہ عاشقہ ------ آرائش حسن کی بے پناہ نمائش ------ ادھر حضرت یوسفؑ خود بھرپور نوجوان ----- حسین اتنے کہ نصف حسن ان پر نچھاور کیا گیا ----- جمیل اتنے کہ پوری کائنات سے بڑھ کر حسین و جمیل محمد عربی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ------ شبِ معراج ان کے حسن کو دیکھ کر حیران ہو گئے ------ یوسفؑ جوان اور حسین ------ دروازے بند ----- نہ رقیب کا ڈر نہ خوف ------ گھر کی مالکہ تمام حالات کی خود ذمہ دار ------ حالات پوری طرح موافق اور سازگار ------ تمام موانع اٹھ گئے اور ختم ہو گئے۔

مگر کیا ان سازگار اور موافق حالات نے ----- بند کمروں میں زلیخا کے سامنے کھڑے یوسفؑ کے دل کو ایک لمحہ کے لیے بھی بے قرار کیا؟ ----- کیا یوسفؑ نے ایک لحظہ کے لیے بھی زلیخا کی حوصلہ افزائی کی۔

ہرگز نہیں ----- بلکہ اس پیکرِ عصمت نے ----- اور امینِ نبوت نے تین ایسے دل کش اور مضبوط و خوبصورت دلائل سے زلیخا کو سمجھایا جو یوسفؑ جیسے انسان سے ہی ممکن تھا ----- کیونکہ ان کی تربیت آغوشِ الٰہی میں ہوئی تھی۔

پہلی دلیل ------ مَعَاذَ اللّٰهِ ------ پناہ بخدا ----- یہ ناممکن ہے ------ میں اس اللہ کی نافرمانی کروں جس کا نام اللہ ہے ------ میرا معبود برحق اس مکروہ اور خبیث فعل کو پسند نہیں کرتا ------ سیدنا یوسفؑ نے مَعَاذَ اللّٰهِ کہا اور شیطانی جال کے تمام حلقے توڑ ڈالے۔ پھر فرمایا ------- اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ------ وہ اللہ میرا رب ہے جس نے مجھے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ----- پھر کنوئیں سے نکلوا کے اتنے خوبصورت محل میں ٹھکانا

دیا ---- میں ایسے رب کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ (یہ قول تفسیر محمود، مظہری نے نقل کیا)

مجاہد تابعی کہتے ہیں کہ اِنَّهٗ رَبِّیْ سے مراد ---- عزیز مصر ہے ----
حضرت یوسف علیہ السلام کے اس کہنے کا مطلب یہ تھا کہ تیرا خاوند ---- میرا محسن اور میرا مربی ہے ---- جس نے غریب الوطنی میں مجھ پر اتنا بڑا احسان اور انعام کیا ہے ---- مجھے بیٹوں کی طرح چاہتا ہے ---- بچوں کی طرح مجھ پر شفقت کرتا ہے ---- تو میرے محسن کی آبرو اور عزت ہے ---- بھلا میں اپنے ایسے محسن کی آبرو میں خیانت کیسے کر سکتا ہوں ---- سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس جملے میں زلیخا کے دماغ پر چوٹ لگائی کہ تو اس کی بیوی ہو کر نمک حرامی کرتی ہے۔

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ---- اپنے محسن کی آبرو اور عزت میں خیانت کرنا ظلم ہے ---- زنا کاری ظلم ہے اور اللہ کا دستور اور قانون ہے کہ ظالم کبھی بامراد، کامران اور کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ

- اور زلیخا نے یوسفؑ سے بدی کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اور یوسفؑ بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے۔

اس کا مطلب اور مفہوم شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ عورت نے ---- یعنی زلیخا نے یوسفؑ کو پھانسنے کی فکر کی اور یوسفؑ نے فکر کی کہ زلیخا کا داؤ نہ چلے ---- اگر یوسفؑ اپنے رب کی حجت و قدرت کا معائنہ نہ کرتے تو ثابت قدم رہنا مشکل تھا۔

امام رازی نے تفسیر رازی میں اور صاحبِ قرطبی نے اپنی مایۂ ناز تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔

لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ لَهَمَّ بِهَا ------ کہ اگر یوسفؑ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی زلیخا کا ارادہ کر لیتے۔

جس طرح اس کی ایک مثال خود قرآن مجید میں موجود ہے۔

اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (قصص ۲۸ : ۱۰)

قریب تھا کہ موسیٰ کی والدہ موسیٰ کے راز کو ظاہر کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ بنا دیتے۔

بعض مفسرین نے لفظ هَمَّ بِهَا ------ میں هَمَّ کو میلان اور رغبت کے معنی میں لیا ہے۔ جیسے روزے دار کو گرمی میں ٹھنڈے پانی کی طرف طبعاً رغبت ہوتی ہے ------ مگر وہ پینے کا ارادہ نہیں کرتا ----- یہ بے اختیاری رغبت کچھ نقصان دہ نہیں ہے ------ بلکہ باوجود رغبت اور اشتیاق کے اس سے قطعاً اجتناب کرنا اور بچنا مزید اجر و ثواب کا موجب ہے۔

استاذ العلماء حضرت شیخ الحدیث مولانا قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر "التبیان" میں تحریر فرماتے ہیں :

﴿ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ﴾ اِخْتِيَارًا وَقَصْدًا كَمَا يَهِمُّ الْمُفْطِرُ بِالْمَآءِ ﴿ وَهَمَّ بِهَا ﴾ طَبْعًا لَا قَصْدًا وَ اِخْتِيَارًا كَمَا يَهِمُّ الصَّآئِمُ بِالْمَآءِ وَ ذَالِكَ لَا يَدْخُلُ تَحْتَ التَّكْلِيْفِ بَلْ يُوْجِبُ الْاَجْرَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اِذَا كَفَّ نَفْسَهٗ مِنَ الْعَمَلِ بِمُقْتَضَاهُ۔

برہانِ ربّ کیا ہے؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ برہانِ رب یہ تھا کہ عین اس موقع پر سیدنا یعقوب علیہ السلام کی صورت سامنے آئی اور منہ میں انگلی دبا کر اشارے سے یوسفؑ کو منع فرمایا۔

تفسیر قرطبی نے خلیفۂ رابع سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تحریر کیا:

عین اس موقع پر زلیخا نے اپنے بت پر کپڑا ڈالا ----- سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگی یہ میرا معبود اور الٰہ ہے ----- اور معبود کے سامنے یہ حرکت کرتے ہوئے شرم آتی ہے ------ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تجھے اپنے جھوٹے معبود سے شرم آتی ہے ------- تو میں اپنے سچے معبود سے شرم کیوں نہ کروں ------ تُو نے تو جھوٹے معبود کی بے نور آنکھوں پر کپڑا ڈال کر اپنے آپ کو چھپا لیا ہے ----- میرے سچے معبود کی آنکھوں پر پردہ کون ڈالے گا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی شیخ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے تفسیر عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں:

برہانِ رب سے مراد زنا کی حرمت و شناعت کا وہ عین الیقین ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی "قصص القرآن" جلد۱ صفحہ ۲۹۳ میں لکھتے ہیں:

برہانِ رب حضرت یوسف علیہ السلام کا وہی جواب ہے جو زلیخا کے هَيْتَ لَكَ کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا ------ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ------ بھلا ایسے نازک موقع پر اس سے بہتر کیا جواب ہوسکتا تھا ------ اسی جواب نے یوسفؑ کی عصمت کو بے داغ رکھا۔

مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ برہانِ رب سے مراد ---- "ربطِ قلب" لیتے ہیں کہ اللہ نے یوسف علیہ السلام کے دل پر اطمینان اور خوفِ الٰہی کی گرہ لگادی۔

زلیخا کی آخری کوشش

سیدنا یوسف علیہ السلام کا زلیخا کو صاف اور واضح جواب ------ زلیخا کے لیے

خلافِ توقع تھا ------ یوسفؑ کا یہ کہنا اس کی اور اس کے حسن کی توہین تھی۔
اس نے متکبرانہ اور حاکمانہ لہجہ میں کہا:

یوسفؑ کمرے تمام کے تمام بند ہیں ----- تالوں کی چابیاں میری جیب میں ہیں ----- یہ خلوتیں اور یہ تنہائیاں روز روز نہیں ملا کرتیں ------ یہ سنہری موقعے ہر روز نصیب نہیں ہوتے ----- میں یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہتی ------ اگر آج گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلا تو مجھے انگلی ذرا ٹیڑھی کرنا ہوگی ------ اپنی خواہش پوری کرنے کا اس سے بہترین موقع شاید پھر کبھی نہ ملے۔

اب سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے ----- مشکل ترین امتحان ----- اور کٹھن آزمائش تھی ------ تمام ظاہری اسباب مفقود ہوچکے تھے ----- راستے سارے کے سارے مسدود ہوگئے تھے ------ دروازے بند تھے۔

مگر اس موقع پر بھی سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنا حسین اور خوبصورت چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور اپنے رب کو بلایا۔

میرے مولا! لاچار کی پکاریں سننے والا صرف تو ہے نا؟ ------ بے بس کی صدائیں سننے والا صرف تو ہے نا؟ ----- مجبور کی آوازیں سننے والا صرف تو ہے نا؟ ----- میرا پالنہار! آج مجھ سے بڑھ کر لاچار اور کون ہوگا؟ ------ مولا! آج مجھ سے زیادہ بے کس دوسرا کون ہوگا؟ ------ میرے مولا ----- یہ میری نبوت کی سفید چادر کو داغ دار کرنا چاہتی ہے ------ مولا

جس طرح کل کنویں میں جان بچائی تھی ------ آج میری عزت و آبرو کی بھی حفاظت فرما۔

مولا ! دروازے بند ہیں ------ تالے لگے ہوئے ہیں ---- اسباب و قانون سب میرے خلاف جا رہے ہیں ----- مگر یہ قانون، ضابطے اور اصول تو میرے لیے اور زلیخا کے لیے ہیں ------ تیری ذات تو ان کی محتاج اور پابند نہیں ہے ------ تو تو کبھی کبھی قانون توڑ کے قدرتوں کے مظاہرے شروع کر دیتا ہے ------ مولا ! آج بھی کوئی قدرت کا مظاہرہ دکھادے۔

اوپر سے آواز آئی ------ میرے یُوسفؑ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر کھڑے کیوں ہو؟ ----- ذرا دروازے کی طرف بھاگو نا ------ بھاگنا تیرا کام ہوگا اور تالوں کو توڑنا میرا کام ہوگا ------ یوسف علیہ السلام دروازے کی طرف بھاگے ------ تالے ٹوٹتے چلے گئے اور دروازے کھلتے چلے گئے۔

سامعینِ گرامی قدر !

آگے بڑھنے سے پہلے ذرا ایک بات کی وضاحت کرنا اور ایک مسئلہ سمجھانا ضروری سمجھتا ہوں۔

بشر ہو کر بچ جائے تو کمال ہے

زلیخا بند کمرے میں ہوتی ---
سامنے جبریل امین ہوتا ---

نوری ہوتا ------ زلیخا نوری کو دعوتِ گناہ دیتی ----- پھر نوری مَعَاذَ اللهِ کہہ کر بچ جاتا ----- زلیخا کے دام میں نہ آتا ----- تو یہ کوئی کمال تھا؟ --- ہرگز نہیں ----- نوری کا کمال نہ بنتا ------ اس لیے کہ اس میں قوتِ شہوت ہی نہیں ہے ----- اسے عورت کی خواہش ہی نہیں ہے۔

کمال تو یُوسفؑ کی بشریت کا ہے --- کہ بھرپور جوانی ہے ---

کئی جوانوں کے برابر قوت و طاقت حاصل ہے ---- پھر معاذاللہ کہہ کے جبریل کو حیران کر دیتا ہے ----- اور ابلیس کے جال کو تار تار کر دیتا ہے۔

یوسفؑ کا کمال تب بنتا ہے جب انھیں بشر اور انسان مانا جائے ----- اگر نور تسلیم کیا جائے تو پھر---- نور ہو کر زلیخا کے جال سے بچ جانا کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔

گناہوں کو یوسفؑ سے دُور کر دیا

یوسفؑ پاک دامنی و طہارت کے ساتھ زلیخا کے جال سے بچ نکلے ----- قرآن نے اس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (۱۲ : ۲۴)

یونہی ہوا ---- اسی طرح ہوا (اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو ثابت قدم رکھا) تاکہ ہم یوسفؑ سے برائی اور بے حیائی کو دور ہٹا دیں۔

اَلسُّوْٓءَ ----- عزیز مصر کے ساتھ خیانت -----

اَلْفَحْشَآءَ ----- زلیخا کی خواہش کو پورا کرنا۔

پیغمبرؑ کی پشت پر اللہ کا دستِ شفقت ہوتا ہے ----- وہ اپنے نبی کی ہر جگہ اور ہر موقع پر حفاظت فرماتا ہے۔

وہ ہر ایک سے کہتا ہے ----- گناہوں کے قریب نہ جانا ----- اور جب پیغمبرؑ اور نبیؑ کی ذات کا مسئلہ آتا ہے تو پھر----- وہ گناہوں سے خطاب کر کے کہتا ہے -----

گناہو! خبردار تم نے میرے انبیاءؑ کے قریب نہیں جانا۔

یُوسفؑ بھاگے

سیدنا یوسف علیہ السلام ---- زلیخا کے پر فریب جال کو توڑ کر دروازے کی طرف بھاگے ----- زلیخا بھی پیچھے سے بھاگی ----- اللہ کی قدرت دروازے کھلتے چلے گئے ----- تالے

ٹوٹتے چلے گئے ------ زلیخا نے بھاگتے ہوئے یوسفؑ کا کرتا پیچھے سے پکڑ لیا ------ کرتا پھٹ گیا ------ اور جس حصے پر زلیخا کے ہاتھ لگے تھے اتنا حصہ زلیخا کے ہاتھ میں رہ گیا۔

(لوگو! اللہ کا نبی اتنا پاکیزہ اور مقدس ہوتا ہے ------ اور اس کی عظمت و عصمت اتنی بے داغ ہوتی ہے ------ اور اس کی معصومیت کے بارے اللہ اتنا غیرت مند ہوتا ہے ------ کہ پیغمبر کے لباس کے جس حصے پر کسی گندی عورت کا ہاتھ لگ جائے ------ اللہ لباس کا وہ حصہ پیغمبر کے وجود کے ساتھ نہیں رہنے دیتا۔

ذرا توجہ فرمائیے! جو غیرتوں والا اللہ فاحشہ عورت کے ہاتھ لگ جانے کی وجہ سے وہ کپڑا یوسفؑ کے بدن پر نہیں رہنے دیتا ------ وہ غیرت مند اللہ کسی غلط کار اور ناپاک عورت کو پیغمبر کے گھر کس طرح رہنے دے گا ------ معلوم ہوا کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں اور گھر میں رہنے والی ازواج پاکیزہ اور مقدس ترین خواتین تھیں)

زلیخا کا مکر

یوسفؑ آگے آگے بھاگ رہے ہیں ------ زلیخا بدحواسی کے عالم میں پیچھے پیچھے بھاگ رہی ہے ------ کرتا پکڑا، وہ پھٹ گیا ------ کمرے سے باہر نکلے تو سامنے عزیز مصر کھڑا تھا۔

زلیخا یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی صحیح صورتِ حال کو چھپانے لگی اور تمام تر الزام بے گناہ یوسفؑ پر لگا دیا ------ فوراً کہنے لگی:

مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۱۲ : ۲۵)

اس شخص کی سزا کیا ہے جو تیرے اہل کے ساتھ برائی کا ارادہ رکھتا ہو۔ (پھر خود ہی سزا تجویز کرتی ہے) مگر یہی کہ اسے قید کر دیا

جائے یا دردناک سزا دی جائے۔

سیدنا یوسفؑ زلیخا کی مکاری کو دیکھ کر------ اور اس کی غلط بیانی کو سن کر حیران و پریشان رہ گئے ------ کہ عزیز مصر کے دل پر کیا گزرے گی ----- وہ کیا سوچے گا کہ یوسفؑ کتنا ناشکرا اور کتنا احسان فراموش ہے ----- کہ میں نے اسے بیٹوں کی طرح چاہا ----- احسان و انعام کیا ---- مروت سے پیش آتا رہا ------ عزت و تکریم سے ٹھکانا دیا ------ اور اس نے مجھے اس انعام و احسان کا یہ صلہ اور بدلہ دیا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے زلیخا کی الزام تراشی کے جواب میں بڑی معصومیت اور باوقار طریقے سے فرمایا:

هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي

اسی نے (زلیخا) مجھے اپنی طرف راغب کیا ہے ------ اسی نے پوری طرح مجھے پھسلانے کی کوشش کی ہے ----- میں نے اس کی بات کو اور خواہش کو قبول نہیں کیا اور بھاگ کر باہر نکل جانا چاہتا تھا کہ زلیخا نے میرا پیچھا کیا اور سامنے آپ نظر آگئے۔

شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا

عزیز مصر ----- اب حیران و پریشان کھڑا ----- دونوں کا منہ دیکھ رہا ہے کہ دونوں میں سے کس کو سچا کہے ------ اور کس کو جھوٹا ----- وہ اسی سوچ مین تھا کہ زلیخا کے خاندان میں سے ------ ایک گواہ نے گواہی دی ------ کہ یوسفؑ کے کرتے کو دیکھو۔ اگر آگے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا سچ بول رہی ہے اور یوسفؑ غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔ (یوسفؑ نے آگے بڑھ کر پکڑنے کی کوشش کی ہوگی اور زلیخا نے پیچھے دھکیلا ہوگا تو کپڑا آگے سے پھٹ گیا ہوگا)

اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو پھر یوسفؑ سچا ہے اور زلیخا جھوٹ

بول رہی ہے۔ (اس طرح یوسفؑ عصمت بچا کر بھاگا ہوگا اور زلیخا نے پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کی ہوگی)

یہ شاہد کون تھا؟

❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول ہے کہ جن معصوم بچوں نے ماں کی گود میں کلام کیا ہے ان میں سے ایک یہ شاہد یوسفؑ بھی ہے۔ (مسند احمد، مسند ابو یعلیٰ)

❷ دُوسرا قول یہ ہے کہ بخاری و مُسلم میں جن تین بچوں کا تذکرہ ہے کہ وہ ماں کی گود میں بولے تھے ان میں شاہدِ یوسفؑ کا تذکرہ نہیں ہے۔

❸ حضرت حسن بصریؒ، قتادہؒ، عکرمہؒ اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ: یہ شخص زلیخا کا چچازاد بھائی تھا ------ انتہائی ذہین و فطین، عقل مند اور ہوشیار اور دانا آدمی تھا۔ (خازن)

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ (۱۲ : ۲۸)

پھر جب عزیزِ مصر نے یوسفؑ کے کرتے کو دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ عزیزِ مصر نے صحیح صورتِ حال کو بھانپ لیا اور یوسف علیہ السلام سے کہنے لگا ------ بچے تم ہی ہو ------ مگر زلیخا کے معاملے سے در گزر کرو ------ اور اسے یہیں ختم کردو۔

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (۱۲ : ۲۹)

یُوسفؑ تو اس معاملے سے در گزر کر۔

اور پھر زلیخا کو مخاطب کرکے کہنے لگا:

وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ (۱۲ : ۲۹)

زلیخا تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ بے شک خطا کار تو ہی ہے۔

کیا شاہد کا معنیٰ حاضر و ناظر ہے؟

سامعینِ گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ رُک کر

میں ایک بات اور انتہائی اہم مسئلہ سمجھانا چاہتا ہوں ------ کہ اس موقع پر جس شخص نے ------ کرتے کے آگے یا پیچھے سے پھٹنے ------ کو بیان کرکے گواہی دی تھی ------ اور قرآن نے اس کو شاھد کہا ہے۔ کیا یہ شخص موقع پر موجود تھا؟ ------ کیا یہ تمام تر منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا؟

اگر نہیں ------ اور یقیناً نہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ گواہ کا موقع پر موجود ہونا ضروری نہیں ہے ------ اور شاھد کا معنی حاضر و ناظر نہیں ہے۔

جن مہربانوں نے ------

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا (احزاب ۳۳ : ۴۵)

کا معنی کیا ہے ------ اے غیب کی خبریں بتانے والے نبی ہم نے آپ کو بھیجا ہے حاضر ناظر بنا کے ------ وہ مہربان یہاں یہ معنی کریں گے وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ------ اور گواہی دی ایک حاضر ناظر نے جو زلیخا کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

وہ مہربان پھر اس آیت کا کیا یہ معنی کریں گے؟

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (۲ : ۱۴۳)

اور اس طرح بنایا ہم نے تم کو معتدل امت تا کہ تم تمام لوگوں پر حاضر و ناظر ہو جاؤ۔ اور رسول صرف تم پر حاضر و ناظر ہو۔

اس طرح تو امت ------ حاضر و ناظر ہونے میں ------ رسول پر سبقت لے جائے گی اور اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ امت کسی عمل میں اپنے رسول سے آگے نکل جائے۔

میرے بھائی! شاھد کا معنی ہے بیان کرنے والا ------ یعنی اللہ کا رسول (اے صحابۂ کرامؓ) تمھیں حق بات بتائے اور تم آگے اس بات کو پوری دنیا تک پہنچاؤ ------ اس معنی کی تائید ایک دوسری آیت کریمہ سے بھی ہو رہی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳ : ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو بھیجی گئی ہے لوگوں کے لیے تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔

بات باہر نکل گئی

عزیز مصر نے ----- یوسفؑ کے سامنے معذرت کرلی ----- زلیخا کو سمجھا دیا ----

عزیز مصر نے ذلت و رسوائی سے بچنے کے لیے اس معاملہ کو یہیں ختم کر دینا چاہا ----- بات باہر نکلی تو بدنامی ہوگی ----- مگر بات چھپ نہ سکی ------- عشق اور مشک چھپائے کب چھپتے ہیں۔

بات آہستہ آہستہ شاہی خاندان کی بیگمات ----- اور زلیخا کی سہیلیوں تک جا پہنچی اور آپ جانتے ہیں کہ ایسی بات عورتوں کے ہاتھ لگ جائے ----- تو پھر "کھب دا کاں تے کاں دی ڈار" بن جاتی ہے۔

شاہی خاندان کی عورتیں ------ اور زلیخا کی سہیلیاں طعنے مارنے لگیں ----- مذاق اڑانے لگیں اور کہنے لگیں ------- زلیخا بڑی بد ذوق نکلی کہ اپنے گھر کے غلام پر فریفتہ ہوگئی ------ اتنے بڑے مرتبے کی عورت اور زر خرید غلام پر ڈورے ------ اپنے سٹیٹس کا خیال بھی نہیں کیا۔ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا (۱۲ : ۳۰) -------- یوسفؑ کی محبت اس کے دل کی گہرائی تک جا پہنچی ---- زلیخا یوسفؑ کی چاہت میں دل ہار گئی۔

سامعین گرامی قدر!

شاہی خاندن کی حواس باختہ عورتوں کو ---- یہ اعتراض اور شکوہ نہیں تھا کہ زلیخا نے اخلاقی لحاظ سے ایک گندہ اور مکروہ کام کیا ہے ------ شادی شدہ ہو کر اپنے خاوند کی نمک حرامی کی ہے ---- بلکہ انھیں اعتراض اور شکوہ یہ تھا کہ زلیخا نے اس کام کے لیے اپنے سٹیٹس اور اپنی شاہی حیثیت کا خیال نہیں کیا ----- اور اپنی حیثیت سے گر کر ایک غلام ----- زرخرید غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے۔

(معلوم ہوتا ہے مصر کا معاشرہ ----- روشن خیال معاشرہ تھا ---- اور یہ سب روشن خیالنیاں تھیں ---- اور اس ترقی پسند ----- روشن خیال اور ماڈرن معاشرے میں یہ بے حیائی اور شوہر سے بے وفائی کوئی برائی نہیں سمجھی جاتی تھی)

سہیلیوں کے طعنے زلیخا تک پہنچے

شاہی خاندان کی عورتوں اور سہیلیوں کے یہ طعنے ---- اور یہ پھبتیاں ----- اڑتے اڑتے زلیخا تک بھی پہنچیں ---- زلیخا نے سوچا اور کہنے لگی کہ میر سہیلیاں اور یہ بیگمات ----- طعنہ زنی اس لیے کر رہی ہیں اور میرا مذاق اس لیے اڑا رہی ہیں کہ ------ انھوں نے ابھی میرے یوسفؑ کو دیکھا نہیں ہے ----- اگر یہ یوسفؑ کے بے پناہ و جمال کو اور یوسفؑ کی بے مثال خوبصورتی کو دیکھ لیں اور مشاہدہ کر لیں تو اس طرح کے طعنے نہ ماریں ---- اس طرح میرا مذاق نہ اڑاتیں ----- انھیں ایک دفعہ یوسفؑ کا حسن و جمال دکھانا چاہیے۔

اپنا محبوب ----- اور اپنا مطلوب ---- یوسفؑ دکھانے کے لیے زلیخا نے ایک پر تکلف اور شاہانہ دعوت کا انتظام کیا ------ جس میں

شاہی خاندان کی عورتوں کو ---- اور وزیروں اور پارلیمنٹ کی بیگمات کو ----
افسروں کی بیویوں کو دعوتِ طعام دی ------ جب سب عورتیں اور بیگمات
دسترخوان پر بیٹھ گئیں ------ اور دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چن دیے
گئے ------ خوشبودار اور تازہ پھلوں کو طشتریوں میں سجا کر سامنے رکھ دیا گیا
کھانا کھانے کے لیے اور پھل کاٹنے کے لیے چھری کانٹے ----- سب بیگمات
نے ہاتھ میں پکڑ لیے ------ تو زلیخا نے زر خرید غلام یوسفؑ سے کہا:

اُخْرُجْ عَلَيْهِنَّ -------- ان میری سہیلیوں کے سامنے آؤ۔

سیدنا یوسف علیہ السلام ------ زلیخا کے گھر کے زر خرید غلام اور حکم کے
پابند تھے ----- پھر انھیں زلیخا کی اس تمام ترفیب کاری کا علم بھی نہیں تھا
------ مجھے شاید زلیخا کو کوئی کام ہے ------- چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام
باہر آئے ------ مصر کی خواتین نے ------- جن کو اپنے حسن و جمال پر ناز تھا
------ شاہی خاندان کی عورتوں نے ------- یوسفؑ کے حسن و جمال کو
دیکھا ------ یوسفؑ کے خد و خال کو دیکھا ----- یوسفؑ کی چال ڈھال کو دیکھا
------ یوسفؑ کے قد و قامت کو ------- چہرے کی رعنائی ----- ہونٹوں
کی نزاکت ------ آنکھوں کی چمک ------ کو دیکھا تو حیران رہ گئیں -----
حسنِ یوسفؑ اور اس پر نبوت کا تقدس اور پاکیزگی ------ جمالِ یوسفؑ اور اس پر
طہارت کا لباسِ فاخرہ -------- اتنے حسین اتنے جمیل اور اتنے خوبصورت
شخص کا انھوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

قرآن کہتا ہے:

فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ

پس جب انھوں نے یوسفؑ کو دیکھا تو حیران اور ششدر رہ گئیں۔

(یوسفؑ کی بڑائی کی قائل ہو گئیں)

یوسفؑ کے رُخِ انور کی تجلی و تابانی کو دیکھ کر ------ چہرے کی چمک اور دمک کو دیکھ کر ----- حواس باختہ ہو گئیں اور ------ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ------ چھریوں سے پھل کاٹنے کی بجائے اپنی انگلیاں اور ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔

(مفسرین کہتے ہیں کہ مصر کی ان بیگمات نے اپنے ہاتھ ------ اس لیے کاٹ لیے تھے کہ وہ یوسفؑ کے حسن و جمال کو دیکھ کر مدہوش اور حیران ہو گئی تھیں ------ اور انھیں اپنے تن بدن ------ ہاتھوں کے زخمی ہونے کا ہوش بھی نہ رہا۔

مگر مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بات درست نہیں ہے ------ بلکہ صحیح اور درست بات یہ ہے کہ ہاتھوں کا زخمی کر لینا بھی ان عورتوں کا مکر اور ایک چال تھی ----- وہ یہ مکر اور فریب کر کے یوسفؑ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی تھیں ------ کہ ہم تیری صورت اور تیرے حسن کی اس قدر متوالی اور پرستار ہیں کہ تیری صورت دیکھ کر اپنے ہوش و حواس بھی کھو بیٹھی ہیں اور اس طرح اپنے ہاتھ زخمی کر بیٹھی ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ اپنی اس تفسیر پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّىْ كَيْدَهُنَّ ---------- یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا ----- مولا اگر تو مجھ سے ان کے مکر و فریب کو دور نہ کرے گا تو میں ان کی طرف قدرے مائل ہو جاؤں گا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے ان کی اس حالت کو مکر و فریب سے تعبیر کیا ہے ------ اگر ان عورتوں کی ہاتھ کاٹنے والی یہ حالت اضطراری ہوتی ------ تو پھر وہ قصوروار نہیں تھیں ------ ان کی اضطراری ------ اور مدہوشی کی حالت کو ------ مکر نہیں کہا جا سکتا۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کی دوسری دلیل اپنی اس تفسیر پر یہ ہے کہ جب سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاس جیل سے رہائی کے آرڈر پہنچے تھے تو اس وقت

انھوں نے فرمایا تھا ----- واپس چلے جاؤ اور بادشاہ سے کہو کہ تحقیق کرے۔

مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ

(۱۲ : ۵۰)

ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے بے شک میرا رب ان کے مکر سے خوب واقف ہے۔

یہاں بھی سیدنا یوسف علیہ السّلام نے ان کے ہاتھ کاٹنے والی حالت کو مکر سے تعبیر فرمایا۔

زلیخا کی سہیلیوں نے یوسف علیہ السّلام کو دیکھا ----- ششدر رہ گئیں اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا:

حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ (۱۲ : ۳۱)

سبحان اللہ یہ انسان نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔

زلیخا کی سہیلیوں نے یہ بات یوسف علیہ السّلام کے بے پناہ حسن و جمال کو دیکھ کر کہی۔ یا انھوں نے یہ بات یوسف علیہ السّلام کی عفت و عصمت، حیا اور پاک دامنی کو دیکھ کر کہی جو ان کے چہرے اور چال ڈھال سے ٹپک رہی تھی ----- کہ سارے مصر کا حسن ایک جگہ پر جمع ہے ----- بڑے بڑے لوگوں کی بیگمات ----- اور بیٹیاں ایک جگہ پر اکٹھی ہیں ----- بڑے بڑے مرتبوں والے لوگ ہمارے پیچھے بھاگتے ہیں ----- مگر یوسفؑ نے آنکھ اٹھا کر بھی ہماری طرف نہیں دیکھا۔

ان کا یہ جملہ کہنا ----- اور سبحان اللہ (حاش للہ) کے ساتھ کہنا ----- اس بنا پر تھا کہ اتنا حسن و جمال اور اتنی پاکیزگی ----- سبحان اللہ یہ بشر نہیں کوئی نوری ہے۔

زنانِ مصر کو بشر کے مقام اور کمال کا علم نہیں تھا ----- وہ احمق کیا

جائیں کہ انبیاء کی بشریت کا درجہ اور مقام تو فرشتوں سے بہت آگے ----- اور فرشتوں سے بہت بلند اور اُونچا ہے۔

ان مکار اور فریبی عورتوں نے کہا ------ یُوسفؑ بشر نہیں ------ نوری ہے (ذرا غور کیجیے انبیاء کی بشریت کا انکار سب سے پہلے کس نے کیا)

انھیں کون بتاتا ہے کہ انبیاء بشر ہوتے ہیں ------ اور بشر ہو کر طاقت وقوت کے باوجود مصر کے سارے حسن کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا ------ یہی ان کا کمال ہے ------ کوئی نوری جس میں شہوانی طاقت ہی نہیں ------ وہ حسین عورتوں کی طرف نہ دیکھے تو یہ کمال نہیں بنے گا۔

زلیخا بولی

زلیخا کی سہیلیاں ----- یُوسفؑ کے حسن کی تاب نہ لاسکیں ----- مدہوش ہو گئیں۔ پھلوں کی بجائے ہاتھ کاٹ لیے ------ حیران وششدر رہ گئیں ------ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں -----

یہ سب کچھ دیکھ کر زلیخا بڑی محظوظ ہوئی ------ اور اپنی کامیابی اور سہیلیوں کی شکست پر فخر کرتے ہوئے کہنے لگی :

فَذٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ (۱۲ : ۳۲)

یہی وہ غلام ہے جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنے دیے۔

گویا کہ زلیخا نے ایک شاعر کی زبان میں یوں کہا : ؎

ایں است کہ خون خوردہ و دل بردہ بسے را

بسم اللہ اگر تابِ نظر ہست کسے را

اس یُوسفؑ کے عشق و محبت میں مَیں مُبتلا ہو گئی ہوں ------ جس یُوسفؑ کی ایک جھلک کی تم تاب نہیں لاسکیں ------ اب بتاؤ میرا عشق اور میری محبت بے جا ہے یا صحیح اور درست ہے؟ ---- میرا ذوق اور میری چاہت صحیح ہے یا غلط؟

اور تمہاری ملامت اور طعنہ زنی بے محل ہے یا برمحل؟

مجلس کا رنگ دیکھ کر ------ اپنی کامیابی دیکھ کر ------ سہیلیوں کی بے بسی دیکھ کر ------ زلیخا بالکل ہی کھل پڑی اور حقیقتِ حال کا اِظہار سہیلیوں کے سامنے کر دیا کہ:

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ (۱۲ : ۳۲)

میں نے ہی اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا (میں نے ہی یوسفؑ کو اپنی طرف راغب کیا تھا)

مگر وہ بچا رہا ----- مضبوط رہا ----- وہ بے قابو نہیں ہوا۔

وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ (۱۲ : ۳۲)

اگر یوسفؑ نے میرا کہنا نہ مانا۔ میں نے اسے بہلایا ----- اپنی طرف راغب کیا ----- ہر طریقے سے اسے رام کرنے کی کوشش کی ----- مگر اس نے میری بات نہیں مانی ----- اس نے میرا کہنا نہ مان کر میری توہین کی ہے ---- اس نے میری محبت کا مذاق اڑایا ہے ----- اس نے میرے جذبات کو مجروح کیا ہے ------ آج تک میں اس کی بے باکی ------- خود سری کو برداشت کرتی رہی ہوں ------ مگر میں مزید اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتی ------- اگر یوسفؑ نے میرا کہا نہ مانا اور میری خواہش کو پورا نہ کیا اور مجھے شادکام نہ کیا تو میں اسے ذلیل و رسوا کر کے جیل بھجوا دوں گی۔

زلیخا کی سہیلیاں بھی

زلیخا کا مایوسانہ غصہ ----- مظلومانہ انداز ----- اپنی بے بسی اور شکست کا اِعتراف

زلیخا کی سہیلیوں پر اثر کر گیا------ اب زلیخا کی سہیلیوں نے یوسفؑ کو سمجھانا شروع کیا------ کہ یوسفؑ نادان نہ بنو اپنی جوانی اور مسافری پر رحم کرو ------ ذرا دیکھ تو سہی تم کتنے خوش قسمت ہو کہ مصر کی خوبرو عورت تجھے دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہے----- وزیر خزانہ کی بیگم ہے------ مصر کی شہزادی ہے----- وہ تم سے محبت کرتی ہے----- تم اپنی محسنہ اور سیدہ کا کہنا مان لو -----فائدے اور آرام میں رہو گے۔

پھر یہ بھی دیکھ کہ اگر اس کا کہنا نہیں مانو گے تو اس نافرمانی کا نتیجہ کیا نکلے گا------جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں کی ہوا کھانی پڑے گی۔

کہتے ہیں کہ ہر عورت اور زلیخا کی ہر سہیلی ------ یوسفؑ کو ظاہراً سمجھا رہی تھی ----- مگر حقیقت میں وہ یوسفؑ کو اپنی محبت کا اسیر بنانا چاہتی تھی -----اپنی طرف راغب اور مائل کرنے کے چکر میں تھی۔

یوسف علیہ السّلام کی دعا

سیدنا یوسف علیہ السّلام نے زلیخا کی دھمکی بھی سن لی کہ میرا کہا نہیں مانے گا تو جیل کی ہوا کھائے گا------ اور زلیخا کی سہیلیوں کے مکر و فریب بھی دیکھے------ تو سمجھا کہ مجھے ہر طرف سے گھیرا جا رہا ہے----- شیطان نے اپنا جال ہر طرف بچھا دیا ہے----- زلیخا کے ارادے انتہائی خطرناک ہیں------ پہلے مکر و فریب، خوشامد، منت سماجت اور چاپلوسی سے اس نے اپنے مقصد پورا کرنا چاہا----- اس میں ناکام ہوئی----- اب وہ سختی، تشدد اور دھمکیوں پر اتر آئی ہے----- تو یہ دھمکیاں اور جیل کی کوٹھڑیوں کے ڈراوے میرے پائے اِستقامت میں لغزش پیدا نہیں کر سکتے۔

زلیخا کہتی ہے کہ یا تو یوسفؑ میرا کہا مانے اور مجھے شاد کام کرے -----ورنہ جیل کی سختیاں برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔

اب حضرت یوسف علیہ السلام پر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ

اگر زلیخا اور اس کی سہیلیوں کی بات مان لوں تو پھولوں کی سیج ہے

----- اور اگر نہ مانوں تو کانٹوں بھرا بستر ہے۔

زلیخا کی طرف جاؤں تو مخمل اور ریشم کے بستر ہیں ------- اور اگر انکار کروں تو جیل کے بدبودار ٹاٹ ہیں۔

زلیخا کی بات مان لوں تو مصر کا پورا حسن میرا دیوانہ ہوگا ------ اور اعراض کروں تو جیل کے بد صورت داروغے سامنے ہوں گے۔

زلیخا کا کہا مان لوں تو پھولوں کے گلدستے ہوں گے ------ اور انکار کی صورت میں آدم خور چوہے استقبال کریں گے۔

زلیخا کی بات تسلیم کرلوں تو صبح و شام لذیذ اور عمدہ کھانے اور طرح طرح کے پھل ------ انکار کروں تو جیل کی باسی اور بدبودار دال ہوگی۔

اِدھر آزادی ------ اور اُدھر پابندیاں ہی پابندیاں ------- اِدھر آسائش اور آرام ہی آرام ------ اور اُدھر مصائب اور دکھ ہی دکھ ------ اِدھر نعمتیں ہی نعمتیں------ اور اُدھر تکلیفیں ہی تکلیفیں------

مگر مجھ سے پوچھتا ہے میرے ربا تو میں کہتا ہوں :

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ (۱۲ : ۳۳)

میرے ربا ------ اے میرے پالنہار مولا ----- مجھے جیل کی صعوبتیں اور مصائب ------ اور قید خانے کی دکھ بھری زندگی ------ اس گناہ سے زیادہ پسندیدہ ہے ----- جس گناہ کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں۔

مولا ! مجھے معلوم ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں ------ مجھے یہاں ہزار آرام ہے ------ اس شاہی محل میں ----- میں بڑے سکون و اطمینان

کے ساتھ رہ رہا ہوں ------- یہاں ہر شخص میرا احترام و اکرام کرتا ہے -----
مولا! یہاں میں شہزادوں کی طرح زندگی بسر کر رہا ہوں ----- مگر میرے مالک!
اگر اس عیش و آرام کی زندگی کی مجھے یہ قیمت ادا کرنا پڑے کہ میں تیری نافرمانی
---- اور میں تیری حکم عدولی کروں ------ تو مجھے یہ آرام اور سکون کی زندگی
نہیں چاہیے ----- میں اس کے بجائے جیل جانے کو ترجیح دوں گا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام اب تک ---- شروع دن سے لے کر آج تک
سخت ترین آزمائشوں سے گزر رہے تھے ------ انھوں نے اس سارے سفر
میں اپنے دامن عفت و عصمت پر کبھی داغ اور دھبہ نہیں آنے دیا۔

زلیخا کے فریب و مکر سے صاف بچ نکلے ------ اس کی خلوت گاہ میں
---- اس کی خواہشات کو ---- اور اس کی پیش کشوں کو پاؤں کے نیچے
روندتے ہوئے باہر نکل آئے ----- اور پھر اس دعوت میں جہاں مصر کا تمام تر
حسن و جمال اور خوبصورتی جمع تھی ------ اور وزیروں کی بیگمات پوری طرح بن
سنور کر اور بے نقاب ہو کر آ گئی تھیں ----- وہاں بھی اس پیکرِ عصمت کی
نگاہیں جھکی کی جھکی رہیں ----- اور شرم و حیا کے مجسمے ----- یوسفؑ نے ان کی
طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

ان تمام تر نازک مراحل ------ اور منزلوں سے کامیابی کے ساتھ
گزرنے ------ اور شیطان کے ہر دامِ فریب کو ----- اور مکاری کے ہر
جال کو تار تار کر دینے کے باوجود ------ یوسف علیہ السلام کے دل میں اپنے
متعلق کوئی خوش فہمی پیدا نہیں ہوئی ----- کبھی ان باتوں کو اپنا کمال نہیں سمجھا
---- ان تمام چیزوں کو کبھی اپنا ذاتی کمال یا خوبی نہیں سمجھی ------ بلکہ انھوں
نے اپنے رب کے حضور اپنی بے بسی اور ناتوانی کا برملا اظہار ----- اور
اعتراف کرتے ہوئے ---- اپنے رب سے مدد اور نصرت کی ---- اور

اس کی توفیق کی بھیک مانگتے رہے۔

اس موقع پر بھی اپنے رب کے حضور بڑی عاجزانہ درخواست کی:

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ

(۱۲ : ۳۳)

میرے داتا و مولا ۔۔۔۔۔ اگر تو مجھے ان کے مکر و فریب سے نہ بچائے ۔۔۔۔ ان کی مکاری مجھ سے نہ ہٹائے اور تو میری دستگیری نہ کرے ۔۔۔۔۔ تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا ۔۔۔۔۔ تو اس صورت میں میرا شمار مخلصین و صادقین میں نہیں رہے گا، بلکہ نادانوں میں گنا جاؤں گا۔

کیا یوسف ؑ نے جیل کی خواہش کی؟

یاد رکھیے اور ذہن میں بٹھا لیجیے کہ اس دعاء میں سیدنا یوسف علیہ السلام نے جیل کی اور قید خانے کی خواہش کا اظہار نہیں فرمایا ۔۔۔۔۔ بلکہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا یہ جملہ:

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ (۱۲ : ۳۳)

۔۔۔۔۔ ان کی عزیمت فی الحق ۔۔۔۔۔ استقامت فی الدین ۔۔۔۔ تقرب الی اللہ ۔۔۔۔۔ محبت الہٰیہ اور رضاء و تسلیم کا وہ بے مثال نمونہ اور مظاہرہ ہے ۔۔۔۔ جس کا تصور کسی غیر نبی سے نہیں کیا جاسکتا ۔۔۔۔۔ یہ ان جیسے عظیم المرتبت انبیاء ہی کا حصہ ہے۔

سامعین گرامی قدر! ذرا ایک نظر پیچھے ڈالیے ۔۔۔۔۔ عزیز مصر کی بیوی اور گھر کی مالکہ نے ۔۔۔۔۔ خوشامد اور چاپلوسی کی کون سی راہ تھی جو اختیار نہیں کی ۔۔۔۔ یوسف ؑ کو رام کرنے اور منانے کا ہر حربہ زلیخا نے اپنایا۔

پھر اس نے اپنی سہیلیوں کی مدد اور تعاون حاصل کیا ۔۔۔۔ انھوں نے

بھی ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لیا ------ مگر زلیخا اپنے ہر حربے میں ناکام رہی ----- اس کی ہر سازش اور سازش کا ہر جال ---- یوسفؑ نے تار تار کر دیا۔

زلیخا نے اب آخری حربہ استعمال کیا، اور دھمکی دی کہ اگر یوسفؑ نے میری بات نہ مانی تو جیل کی ہوا کھائے گا۔

ایسی عجیب حالت میں ---- اور نازک وقت میں ایک متقی انسان ---- اور خوفِ خدا رکھنے والا شخص ---- اس سے بہتر اور کیا جواب دے سکتا تھا کہ مولا ----- میں اس گندے عمل اور مکروہ فعل اور بدترین معصیت کے مقابلے میں قید خانے کو ترجیح دیتا ہوں ----- تیری نافرمانی کے مقابلے میں مجھے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی منظور ہے۔

یوسفؑ کے چرچے جگہ جگہ

زلیخا کی اس دعوت کے بعد ---- شاہی خاندان کی عورتیں یوسفؑ کو دیکھنے کے بعد اپنے آپ میں نہ رہیں۔ ہر بیگم کی خواہش تھی ----- اور ہر روشن خیال عورت کی تمنا تھی کہ یوسفؑ کا تعلق مجھ سے قائم ہو جائے۔

اب یوسفؑ کے تذکرے اور چرچے گھر گھر ہونے لگے ---- پہلے زلیخا اکیلی تھی، اب شاہی گھرانے کی دوسری ترقی پسند عورتیں بھی یوسفؑ کی محبت کا دم بھرنے لگیں ----- دعوت والے دن ---- شام کے وقت جب بھی کوئی وزیر، مشیر، پارلیمنٹ کا رکن، کوئی بڑا آفیسر ---- روشن خیال گھر میں داخل ہوا تو بیگم فوراً تقاضا کرنے لگی کہ: "یوسفؑ کو دعوت پر گھر بلانا چاہیے"۔

دوسرے دن ایک وزیر دوسرے وزیر سے پوچھنے لگا ----- ایک افسر دوسرے افسر سے پوچھنے لگا ----- یار یہ یوسفؑ کون ہے؟

دوسرے افسر نے کہا ---- اچھا یہ چرچے صرف میرے گھر میں نہیں تیرے گھر میں بھی ہونے لگے ہیں۔

یوسفؑ جیل میں

اب وزیروں، مشیروں نے ----- اربابِ اقتدار نے مصلحت اسی میں دیکھی اور سمجھی کہ ----- بدنامی سے بچنے کے لیے یوسفؑ کو جیل میں ڈال دیا جائے۔

قرآن کہتا ہے:

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ (۱۲: ۳۵)

انھوں نے یوسفؑ کی بزرگی، تقویٰ، طہارت، برات، اور پاکیزگی کی واضح نشانیاں دیکھ لی تھیں ----- وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یوسفؑ بے گناہ ہے ----- مگر اس واقعہ کا چرچا اور مشہوری اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ انھوں نے مناسب یہی سمجھا اور مصلحت یہی جانی کہ بے گناہ یوسفؑ کو جیل میں بند کر دیا جائے، تاکہ لوگوں کی زبانوں سے اور ذہنوں سے یہ بات محو ہو جائے اور شبہات مٹ جائیں۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کتنی خوبصورت اور دل نشین بات فرمائی ہے کہ:

> لوگ جیل اس لیے جاتے ہیں کہ انھوں نے کوئی جرم اور گناہ کا ارتکاب کیا ہوتا ہے اور یوسفؑ جیل اس لیے بھیجے گئے کہ انھوں نے جرم اور گناہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اب سیدنا یوسف علیہ السلام جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہیں ----- جو لوگ کبھی جیل میں رہے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جیل کی زمین اور جیل کا آسمان اس دنیا کی زمین اور آسمان سے الگ ہوتے ہیں۔

مگر یوسفؑ کے علمی اور عملی جوہر ----- اور صلاحیتیں جیل میں بھی چھپی نہ رہ سکیں ----- سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے اخلاقِ حسنہ، اوصافِ جمیلہ، عاداتِ عالیہ ----- نیک نفسی، عالی ظرفی کی وجہ سے تمام قیدیوں میں بڑے

محبوب اور پیارے ہو گئے تھے ------ تمام قیدی دل و جان سے ان کا احترام کرتے تھے ------ حضرت یوسف علیہ السلام ہر غم زدہ قیدی کی دل جوئی کرتے ---- ہر بیمار کی عیادت کرتے ----- کوئی زخمی ہوتا تو اس کی مرہم پٹی کرتے ---- تمام دن خلقِ خدا کی خدمت و دل جوئی میں بسر ہو جاتا ------ اور رات اپنے رب کے آگے عبادت میں گزر جاتی ------ کبھی قیام میں اللہ کے حضور دست بستہ ----- کبھی رکوع میں جھکے ہوئے ------ کبھی سر بسجود ----- کبھی معصوم ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے ہوئے اور رب کے سامنے پھیلائے ہوئے۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ رات کی تاریکی میں ----- اور تنہائی میں اللہ کے خوف سے اتنا روتے ---- اتنا روتے کہ جیل کے در و دیوار بھی آہ و فغاں کرتے معلوم ہوتے۔

آپ کے اخلاق کریمانہ اور اوصافِ حسنہ کو دیکھ کر ----- جیل کا داروغہ بھی آپ کا عقیدت مند نظر آنے لگا ----- اور اس نے جیل کے انتظام و انصرام کا کافی حصہ آپ کے سپرد کر دیا۔

اللہ نے جیل میں بھی سرخروئی، سرفرازی، کامیابی و کامرانی عطا فرمائی۔

دو قیدی اور

اسی زمانہ میں ---- اور ان ہی دنوں میں دو نوجوان قیدی جیل میں لائے گئے ---- ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی (شراب پلانے والا) اور دوسرا نوجوان شاہی مطبخ کا باورچی تھا ---- یہ بادشاہ کے لیے کھانے تیار کرتا۔

ان دونوں قیدیوں پر الزام تھا کہ انھوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی ہے ---- ان دونوں کے جرم کی تحقیق و تفتیش ہو رہی تھی اور یہ جیل کاٹ رہے تھے۔

قید خانہ میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی دیانت و امانت، مروت و اخلاق، راست گوئی، و ہمدردئ خلائق، کثرتِ عبادت اور معرفتِ تعبیر خواب کا چرچا تھا ------ چنانچہ یہ دونوں قیدی سیدنا یوسف علیہ السلام سے بہت مانوس اور قریب ہو گئے۔ ایک رات دونوں نے خواب دیکھا اور اسے یوسف علیہ السلام کے سامنے بیان کیا۔

ساقی نے کہا میں خواب دیکھتا ہوں کہ بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں۔

اور باورچی نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے ------ کہ میرے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا ہے اور اس میں سے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔

نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۖ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (۱۲ : ۳۶)

یُوسفؑ ہمیں اپنے خواب کی صحیح تعبیر بتائیے ہم تجھے بزرگ اور محسن دیکھتے ہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

جو کھانا روزانہ مقررہ وقت پر ------ اور معین ٹائم پر تمھیں ملتا ہے ---- اس کھانے کے آنے سے پہلے میں تمھیں خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا ----- مگر خوابوں کی تعبیر سے پہلے ایک ضروری اور انتہائی ضروری مسئلہ بتانا چاہتا ہوں ----- لہذا پہلے وہ مسئلہ سنو۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ خوابوں کی تعبیر جو میں بتاتا ہوں ----- اس میں میرا ذاتی کمال نہیں ہے بلکہ ----- ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي (۱۲ : ۳۷) ----- یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔

تعبیر بعد میں توحید پہلے

سیدنا یوسف علیہ السلام کو ----- جیل میں سننے والے دو شخص میسر آئے تو انھوں نے انھیں خواب کی تعبیر بتلانے سے پہلے دعوتِ توحید دی اور بڑے خوبصورت

انداز سے دی ----- وہ یہ دعوت کیوں نہ دیتے اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوت کے لیے چن لیا تھا ------ وہ صرف نبی نہیں تھے بلکہ نبی زادہ تھے اور ان کے دادا اور پڑدادا بھی اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم نبیؐ تھے۔

گو وہ قید میں تھے مگر مقصدِ حیات کو اور پیغامِ رسالت کے پہنچانے والے فریضہ کو کیسے فراموش کر سکتے تھے ----- چنانچہ انھوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور دعوتِ توحید بڑے عجیب اور خوبصورت و پیارے انداز میں پیش فرمائی۔

یقین جانیے قرآن مجید نے انبیاء کرام علیہم السلام ----- اور دوسرے موحدین کی تقریروں کا تذکرہ فرمایا ------ ان بہترین اور احسن تقریروں میں سے ایک تقریر سیدنا یوسف علیہ السلام کی یہ تقریر ہے۔

قرآن مجید نے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ------ کی مختلف تقریروں کا تذکرہ فرمایا۔ قرآن مجید نے سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ہود علیہ السلام، سیدنا صالح علیہ السلام، سیدنا شعیب علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تقریروں کا ذکر فرمایا ہے۔

سورت یاسین میں حبیب نجار کی دل پسند اور درد مند تقریر بیان ہوئی ------ سورت حٰم مومن میں رجل مومن کی شجاعت و بہادری سے معمور تقریر موجود ہے۔

ایسی خوبصورت اور پیاری تقریروں میں سے ایک تقریر یہ ہے جو سیدنا یوسف علیہ السلام نے جیل میں دو قیدیوں کے سامنے فرمائی۔

دعوتِ توحید۔ پہلا موقع

اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام دین کی تبلیغ کرتے ------ اور پیغامِ توحید سناتے نظر آرہے ہیں۔

اس سے پہلے ان کی سیرتِ طیبہ ----- اور داستانِ حیات کے جو
ابواب ----- اور جو حصے قرآن نے پیش کیے ------ ان میں صرف ان کی
مظلومیت ------ ان کے اخلاق عالیہ ------ ان کی زندگی کا خوبصورت کریکٹر
----- ان کی پاکیزگی ------ طہارت کو بیان کیا گیا ------- اس میں تبلیغ دین
------- اور دعوتِ توحید کا نام و نشان بھی آپ کو نہیں ملے گا ------ وہ
زمانہ تربیت اور تیاری کا زمانہ تھا -------- عملاً کام آج سے شروع ہو رہا ہے۔

اپنا تعارف ۔ پہلا موقع

اور یہ بات بھی یاد رکھیے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے
لوگوں کے سامنے اپنی اصلیت ظاہر فرمائی ------ اور بتایا کہ میں کون ہوں؟
آج سے پہلے انھوں نے کبھی لوگوں کو اپنا تعارف نہیں کروایا۔
آج سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مصیبت اور ہر تکلیف اور ہر دکھ وہ
بڑی چندہ پیشانی سے ----- انتہائی حوصلے ----- اور بڑے صبر سے برداشت
کر رہے تھے۔
قافلے والوں نے پکڑ کے غلام بنالیا ----- انھوں نے اپنا تعارف نہیں
کروایا ----- کہ بھائی میں حضرت یعقوبؑ کا بیٹا اور حضرت ابراہیمؑ کا پڑپوتا ہوں
------ مجھے کیوں اور کہاں غلام بنا کر لے جا رہے ہو۔
مصر کے بازار میں بک رہے ہیں ------ بولیاں لگ رہی ہیں کہ یہ
غلام ہے خرید لو ------ مگر حضرت یوسفؑ نے اپنا تعارف نہیں کروایا۔
عزیزِ مصر نے خرید لیا ------ خوشی خوشی گھر لایا ------ مگر یوسفؑ نے
اپنی اصلیت ظاہر نہیں فرمائی۔
جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی کے حوالے کیے گئے ----- مگر کسی کو
نہیں بتایا کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہوں ----- ان کے

آباء واجداد ------ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، اور حضرت یعقوبؑ کوئی غیر معروف لوگ نہیں تھے ------ کیا اس زمانے کے لوگ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جیسی عظیم ترین شخصیت کو نہیں جانتے ہوں گے۔

مگر سیدنا یوسف علیہ السلام نے بڑے بڑے نازک مواقع پر اپنا تعارف نہیں کروایا ---- مگر آج توحید سنانے کا وقت آیا تو پہلے بتایا کہ میں کون ہوں۔

اس لیے کہ آج جو پیغام سنانے لگے ہیں وہ بڑا اہم پیغام ہے ---- پیغامِ توحید کی اہمیت کے پیشِ نظر اپنا تعارف کروایا۔

اس لیے کہ متکلم جتنا عظیم اور اونچا ہوگا ----- اس کی کلام میں اتنا ہی وزن ہوگا ---- اور اس کی بات اس کی شخصیت کے پیشِ نظر غور سے سنی جائے گی۔

داعیِ توحید۔ موقع کی تلاش میں

اور یہ حقیقت بھی ---- سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ سے ----- واضح ہوگئی کہ داعیِ توحید ----- توحید کا مبلغ ----- جسے تبلیغ حق کی فکر لگی ہو ----- توحید سنانے کی دھن اس کے سر پر سوار ہو ------ اللہ کی الوہیت و معبودیت کے بیان کے ساتھ سچی محبت ہو ----- شرک کی تردید کرنے کی سوچ میں مگن رہتا ہو ----- پھر بیان کرنے کی حکمت بھی رکھتا ہو ----- تو وہ داعی اور مبلغ کتنی خوبصورتی کے ساتھ ----- گفتگو کا رُخ اپنی دعوتِ توحید کی طرف موڑ لیتا ہے ----- سیدنا یوسف علیہ السلام نے موقع سے کیسے فائدہ اٹھایا -----

دو نوجوان قیدی خوابوں کی تعبیر پوچھنے کے لیے آئے ----- انھوں نے عقیدت مندی کا اظہار کیا ----- حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی بات سے اپنی بات نکال لی ----- فرمایا: کھانا آنے سے پہلے تمہارے خوابوں کی تعبیر بتادوں گا ---- پہلے مجھ سے مسئلہ توحید سنو ---- اور اپنا عقیدہ درست کرو۔

اشاعۃ التوحید والے پیغمبری راہ پر

آج کے اس گئے گزرے دور میں ---- جب کہ ہر طرف سے رواداری کی آوازیں اٹھ رہی ہیں، اللہ کے فضل و کرم سے اشاعۃ التوحید والسنہ کے علماء اور مبلغین ----- اس پیغمبری مشن ----- اور یوسفی طریقۂ تبلیغ پر عمل پیرا ہیں ------ جلسہ کا موضوع کوئی سا ہو ----- کانفرنس کا عنوان کوئی سا ہو ----- ہمارے خطیب کو بیان کرنے کے لیے موضوع کوئی سا دیا گیا ہو ---- یہ ان شاء اللہ اس موضوع میں سے اللہ کی توحید اور الوہیت کی بات ضرور نکال لے گا ---- ذَالِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا

ورنہ تو یہاں کثیر تعداد میں ایسے ایسے علماء اور صوفی ----- ایسے ایسے واعظ اور مبلغ آپ کو ملیں گے ----- کہ انھیں مواقع بھی ملیں گے ----- سننے والے ہزاروں سامعین بھی میسر ہوں گے ---- اسٹیج بھی سجیں گے ----- عقیدۃ و پیار کرنے والے لوگ بھی ہوں گے ----- ہاتھ پاؤں چومنے والے مقتدی اور مرید بھی ہوں گے ----- مگر وہاں ہر موضوع بیان ہوگا ----- اگر کوئی مظلوم موضوع بیان نہیں ہوگا تو وہ توحید والا ----- پیغمبری موضوع بیان نہیں ہوگا ---- بلکہ پورے پروگرام میں توحید کا شاید نام لینے والا بھی کوئی نہ ہو ---- پھر میں تحدیثِ نعمت کے طور پر کیوں نہ کہوں : ذَالِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا۔

دعوتِ توحید۔ حکمت کے ساتھ

سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعوتِ توحید ----- اور تبلیغ کا انداز آپ عنقریب سماعت فرمائیں گے تو محسوس کریں گے ----- کہ انھوں نے دعوتِ دین کو کتنے صحیح ڈھنگ کے ساتھ اور حکمتِ عملی کے ساتھ پیش فرمایا ---- ان کی تبلیغ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ----- کا صحیح مصداق ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام دین کی تفصیل میں نہیں جاتے ---- بلکہ دین کے اس نقطۂ آغاز کو پیش کرتے ہیں جہاں سے اہل حق کا راستہ اہل باطل سے جدا ہوجاتا ہے ----- یعنی توحید و شرک کے فرق کا بیان ------ پھر اس فرق کو ایسے معقول طریقے سے ----- اور خوبصورت انداز سے واضح کرتے ہیں کہ معمولی عقل اور سمجھ رکھنے والا شخص بھی اسے بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

سیدنا یوسفؑ کی تقریر دلپذیر

سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میں نے ان لوگوں کا دین اختیار نہیں کیا ---- جو اللہ کی توحید اور ----- قیامت کے منکر ہیں۔

آؤ میں تمھیں بتاؤں کہ میں نے کن عظیم لوگوں کے دین کو اختیار کیا ہے۔

وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ (۱۲ : ۳۸)

میں نے اپنے آباء و اجداد ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام ان پر واضح کرنا چاہتے ہیں ------ اور ابتداء ہی میں بتانا چاہتے ہیں کہ میں کس عظیم خاندان کا فرد ہوں ----- لہذا میری بات غور اور توجہ سے سنو۔

اور دوسری یہ حقیقت ان پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ------ میرا دین کوئی نیا دین نہیں ------ میری دعوت کوئی نئی دعوت نہیں ------ میرا پیغام کوئی انوکھا، نرالا اور اوپرا پیغام نہیں ہے۔

بلکہ میرا تعلق دعوتِ توحید کی اس عالمگیر تحریک سے ہے جس تحریک کے ائمہ اور قائد سیدنا ابراہیمؑ خلیل اللہ اور حضرت اسحاقؑ و یعقوبؑ ہیں۔

میں کوئی نئی بات نہیں کہنا چاہتا جو آج سے پہلے کسی نے نہ کہی ہو ----- جو مجھ سے پہلے کسی کو نہ سوجھی ہو ------ میں تو اس ابدی پیغام کی طرف

بلا رہا ہوں جو پیغام ہمیشہ سے اور ہر دور میں اہلِ حق پیش کرتے رہے ہیں۔

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ (۱۲ : ۳۸)

ہمیں لائق نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے اس ارشادِ گرامی کا مطلب اور مفہوم یہ تھا کہ ----- ہم انبیاء کرام کی جماعت تو صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں ------- پھر ہم شرک جیسا قبیح اور عظیم گناہ کا ارتکاب کس طرح کر سکتے ہیں۔

یا اِس اِرشادِ گرامی کا مقصد یہ تھا کہ ہم انبیاء کرام کی جماعت ----- جو اللہ کے منتخب کردہ لوگ ہوتے ہیں ------ جو اللہ کے پسندیدہ ہوتے ہیں ------ ہم شرک کس طرح کر سکتے ہیں ------ ہمیں یہ گھٹیا حرکت زیبا ہی نہیں۔

رئیس المفسرین مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ ------- اسی لیے

مَا كَانَ لَنَا ---- کا پنجابی میں معنی کرتے ہیں -----

"سَن ایہہ گل ڈھکدی نئیں"۔

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ (۱۲ : ۳۸)

یہ (توحید پر ایمان لانا، توحید کی سمجھ کا آجانا ---- اور شرک کی حقیقت کا پتا چل جانا اور شرک سے بچ جانا) یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ (بلکہ شرک کرتے ہیں)

موحد ہونا سب سے بڑی نعمت

سامعینِ گرامی قدر! مسئلۂ توحید کی سمجھ آجانا ---- اللہ کی الوہیت و معبودیت پر کامل یقین اور عقیدہ توحید کی مضبوطی اور پختگی ---- اللہ کی ہر حال میں خالص پکار کرنا ---- اور اسی ایک کے نام پر نذر و نیاز دینا ---- اور

شرک کے ناسور سے بچ جانا ------ غیراللہ کی غائبانہ پکار اور ان کے نام پر نذر ونیاز سے انکار ----- شرک سے نفرت اور دوری ----- ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ----- واقعی اللہ کا فضل اور اس کا بہت بڑا انعام ہے۔

او موحدو! اس نعمت کو معمولی نعمت نہ سمجھو ------ شرک کی دلدل سے اللہ نے آپ کو بچایا اور توحید کا میٹھا میوہ چکھایا ------ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ ہمارے بدن پر اگنے والے ایک ایک بال کو اگر زبان مل جائے ----- اور عمر قیامت تک اللہ طویل کردے اور پھر ساری عمر اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہیں تو اس ایک نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔

یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں ------ کہ انسان کی نجات کا دار و مدار اسی بات پر ہے ----- جنت میں داخلہ اسی مسئلے پر ایمان لانے کی وجہ سے ہوگا ----- جہنم سے چھٹکارا اسی مسئلے کو ماننے کی وجہ سے ہوگا ------ سنو! اور خوب غور سے سنو! یہی مسئلہ باعثِ تخلیق کائنات ہے ------

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات ۵۱ : ۵۶)

------ اس پر واضح دلیل ہے ----- قرآن مجید پڑھیے گا ----- قرآن مجید میں شرح و بسط سے سب سے زیادہ جس مسئلے کو بیان فرمایا گیا ----- وہ یہی مسئلہ توحید ہے ------

شرک سب سے بڑا گناہ

او سب سے زیادہ جس گناہ کی مذمت اور تردید فرمائی ----- وہ گناہ شرک ہے ----- جسے قرآن نے ظلمِ عظیم کہا اور جسے صاحبِ قرآن نے "اکبرالکبائر" فرمایا ----- تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ۔

ہاں ہاں شرک نیکیوں کو اس طرح برباد کردیتا ہے ------ جس طرح آگ کا انگارا روئی کے بڑے ڈھیر کو راکھ بنا دیتا ہے ------

فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا

پس ان کے اعمال برباد ہو گئے پھر ہم ان کے لیے ترازو قائم ہی نہیں کریں گے۔ (سورۂ کہف ۱۸ : ۱۰۵)

اور تو اور رہے ----- عام مُسلمان تو رہے اپنی جگہ قرآن کہتا ہے اگر میرے نبی جو مجتبیٰ اور مصطفیٰ ہوتے ہیں ----- مرتضیٰ اور محبوب ہوتے ہیں۔ اگر بالفرض والمحال وہ بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو میں ان کے اعمال بھی برباد کر دیتا

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (انعام ۶ : ۸۸)

ایک جگہ پر قرآن پاک نے شرک کی نجاست و قباحت کو بیان کرتے ہوئے ----- اور شرک کی تردید اور مذمت کرتے ہوئے ----- اور شرک کے بھیانک نتائج سے امتِ مرحومہ کو ڈراتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ ----- میرا محبوب اور امام الانبیاء پیغمبر----- جس کے سر پر میں نے ختمِ نبوت کا تاج سجایا ----- اور صاحبِ قرآن اور صاحبِ معراج بنایا ----- جسے میں نے حوضِ کوثر کا ساقی بنانا ہے اور مقامِ محمود کا دولھا بنا کے اٹھانا ہے ------- جو میرا پیارا اور محبوب ہے ----- اگر بالفرض والمحال وہ بھی شرک کریں تو میں ان کے اعمال بھی برباد کر کے رکھ دوں گا۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

(زمر ۳۹ : ۶۵)

شرک ناقابلِ معافی گناہ ہے ------ اس مرض کا علاج اس دنیا میں ----- اور زندگی میں ہے ----- معافی مانگ لے اور توبہ کر لے ------ پھر اللہ زندگی کے پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ لیکن توبہ کے بغیر اور معافی کے بغیر ----- کوئی مشرک مر گیا ----- تو اللہ اس کو معاف نہیں فرمائے گا ----- چاہے سیدنا نوح علیہ السلام کا بیٹا ہو ------ یا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ

☆---- یا سیدنا لوط علیہ السلام کی بیوی ہو ---- یا سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا

☆---- قرآن نے بتایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء ۴ : ۱۱۶)

بے شک اللہ شرک کو معاف نہیں کرے گا ---- اور شرک سے نیچے نیچے جتنے گناہ ہیں جس کو چاہے گا معاف کر دے گا۔

سامعین گرامی قدر! ذہن میں رکھیے ---- شرک کا مرتکب کل قیامت کے دن آپ کے حوضِ کوثر سے محروم رہے گا ---- آپ کے جھنڈے کے نیچے جگہ نہیں پائے گا ---- آپ کی شفاعت سے محروم ہوگا۔

شرک کیا ہے؟

شرک جو صرف گناہ نہیں ---- بلکہ رب سے بغاوت ہے ---- جس کی معافی کی مرنے کے بعد کوئی صورت نہیں ہے ---- جو غلیظ ترین اور منحوس ترین گناہ ہے ---- وہ ہوتا کیا ہے؟ کبھی آپ نے سوچا اور کبھی آپ نے غور کیا؟ یہ بھی آپ کو اشاعۃ التوحید والسنہ کے علماء اور مبلغین ہی بتائیں اور سمجھائیں گے۔

اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ سمجھتے ہیں کہ دو اللہ ماننے کا ---- یا دو خدا ماننے کا نام شرک ہے ---- یا اللہ کے سوا کسی اور کو رازق اور خالق ماننے کا نام شرک ہے ---- لوگو! غور سے سنیے گا ---- جو میں نے کہا یہ بھی شرک ہے ---- اور یہ بھی شرک ہے کہ مصائب و تکالیف میں ---- دکھوں اور غموں میں ---- شفا لینے کے لیے، مقدمات سے رہائی پانے کے لیے ---- اولاد حاصل کرنے کے لیے اللہ کے سوا نیک بندوں اور بزرگوں کو اس نظریے سے پکارنا ---- کہ وہ بغیر وسائل اور اسباب کے غائبانہ میری پکار کو سنتے ہیں ---- یہ شرک ہے۔

(تفصیلات کے لیے میرا رسالہ "شرک کیا ہے؟" پڑھیے)

سیدنا یوسف علیہ السلام

سیدنا یوسف ؑ کا خوبصورت اندازِ دعوت

سیدنا یوسف علیہ السلام اپنا بیان --- اور اپنی تقریر جاری رکھے ہوئے ہیں ---- آپ سنیں گے کہ دعوت اور تبلیغ کا انداز بہت ہی نرالا اور خوبصورت ہے۔

جیل کے دو ساتھیوں سے یہ نہیں فرماتے کہ میرے اس دین کو قبول کرو ---- بلکہ بڑے دل نشین انداز میں ---- اور خوبصورت طریقے سے ان سے پوچھتے ہیں:

ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (۱۲ : ۳۹)

(تم خود ہی بتاؤ) کیا الگ الگ حاجت روا ---- الگ الگ داتا و گنج بخش بہتر ہیں یا اللہ اکیلا بہتر ہے جو غالب بھی ہے اور زبردست بھی ہے۔

بتاؤ نا میرے جیل کے ساتھیو ---- خود فیصلہ کرو ---- بندے کا ضمیر اور بندے کا دل سب سے بڑا مفتی ہوتا ہے ---- اپنے ضمیر اور دل سے پوچھو نا؟ ---- الگ الگ معبود اور مشکل کشا بہتر ہیں یا اکیلا اللہ بہتر ہے۔

کوئی اولاد دینے والا ---- دوسرا شفا بخشنے والا ---- ایک مثانے سے پتھریاں نکالنے والا ---- ایک رہائی عطا کرنے والا ---- کوئی بارش برسانے والا ---- ایک معبود ایک مشکل حل کرسکتا ہے ---- مگر دوسری مشکل حل کرنا اس کے بس میں نہیں ---- دوسری مشکل کے لیے کسی اور کے دروازے پر جانا ہوگا۔

کیا یہ بہتر ہیں یا اللہ اکیلا ---- جو غالب ہے ---- ہر ایک کی سنتا ہے ---- قادر بھی ہے اور قدیر بھی ---- عالم الغیب بھی ہے اور سمیع بھی ---- بیمار بھی کرسکتا ہے اور شفا بھی بخش سکتا ہے ---- حاجت روا بھی

ہے اور مشکل کشا بھی ---- روزی رساں بھی ہے اور اولاد عطا کرنے والا بھی۔

تم خود ہی فیصلہ کرو ---- کہ در در کی ٹھوکریں کھانا بہتر ہے یا ایک در کا ہو جانا بہتر ہے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (۱۲ : ۴۰)

اللہ کے سوا جن کی پوجا پاٹ تم کرتے ہو (ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں) وہ نرے نام ہی نام ہیں (اور وہ نام بھی اللہ نے نہیں رکھے) بلکہ کچھ کے نام تم نے رکھ لیے اور کچھ کے تمہارے اگلے باپ دادا نے اللہ نے ان ناموں کی کوئی سند اور دلیل نہیں اتاری۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

وہ نرے نام ہی نام ہیں ------ کسی کا نام تم نے "دافع البلاء" رکھ لیا اور کسی کا نام تم نے "دافع الوباء" رکھ دیا ---- کوئی بھرنیاں والا کہلایا ---- اور کوئی کرنیاں والا مشہور ہو گیا ---- کوئی کرماں والی سرکار ---- اور کوئی فضلاں والا دربار ----- کسی کا نام تم نے داتا رکھ دیا ------ اور کسی کا گنج بخش ---- کسی کو دستگیر کہہ دیا ---- کسی کا نام غریب نواز رکھ دیا اور کسی کو لج پال کہہ دیا ---- کسی کو گنج شکر ---- اور کسی کو کھوٹی قسمتیں کھری کرنے والا کہہ دیا۔

فرمایا یہ نرے نام ہی نام ہیں ----- جن کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے ---- بھلا جس پر موت آجائے وہ داتا کیسے ہو سکتا ہے؟ ---- جو خود مصائب میں گھر جائے وہ دافع البلاء کیسے ہو سکتا ہے؟ ---- جو خود کھانے کا محتاج ہو وہ گنج بخش کیسے ہو سکتا ہے؟ ---- جو خود بیمار ہوتا ہو وہ لج پال کیسے ہو سکتا ہے؟

لوگو! یہ سب باتیں غلط ہیں ---- صحیح اور حقیقت کے عین مطابق سچائی صرف یہی ہے کہ ساری کائنات کا داتا صرف اللہ اکیلا ---- سب لوگوں کا دستگیر صرف اللہ اکیلا ---- سب کا لج پال اکیلا اللہ ---- غریب نواز، غوث اعظم، گنج بخش، کھوٹی قسمتیں کھری کرنے والا صرف اور صرف اکیلا اللہ ہی ہے۔

حاکم بھی اللہ ہے

سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنی تقریر اور بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۱۲ : ۴۰) ---- جب زمین اللہ کی ہے ---- آسمان بھی اسی کا ہے ---- ساری کائنات بھی اسی کی ہے ---- جب تمام مخلوق مملوک ہے اور وہ اکیلا مالک ہے ---- تو پھر حکومت بھی اسی کی ہے ---- اور حکم بھی اسی کا چلے گا۔ اور ماننا بھی پڑے گا: لِلّٰهِ الْاَمْرُ ---- اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ امر اور حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔

اس نے کیا حکم دیا

تو اب اللہ کا حکم سنو! اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (۱۲ : ۴۰) ---- اس نے حکم دیا کہ عبادت نہ کرو مگر اسی کی ---- غائبانہ پکارو تو صرف اسی کو ---- سجدہ کرو تو صرف اسی کا اور نذر و نیاز دو تو صرف اسی کے نام پر۔

تمہارے رب نے کسی جگہ پر اور کسی موقع پر نہیں فرمایا کہ ---- مصائب و مشکلات میں بزرگوں کو ---- اور نیک بندوں کو بھی پکار لیا کرو ---- اس نے کسی جگہ نہیں کہا کہ فلاں کے نام کی نذر و نیاز اور گیارھویاں بارھویاں دیا کرو ---- اس نے کبھی نہیں کہا کہ فلاں کو مشکل کشا سمجھو اور فلاں کو دستگیر۔

اپنے معبودوں کے شرکیہ نام تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے

خود رکھ لیے ہیں ----- وہ نام رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے کسی جگہ پر بھی حکم نہیں دیا ----- وہ شرک کا حکم نہیں دیتا ----- اس نے ہر جگہ اور ہر زمانے میں ---- اور ہر موقع پر یہی حکم دیا ہے کہ ------ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ کہ عبادت و بندگی ---- صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔

سب انبیاء کی امتوں کو یہی حکم ہوتا رہا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء ۲۱ : ۲۵)

آپ سے پہلے جتنے رسول مبعوث ہوئے ان سب کی طرف ہم ایک یہی وحی اتارتے رہے کہ میرے سوا معبود دوسرا کوئی نہیں اس لیے صرف میری عبادت کرو۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا :

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ (زخرف ۴۳ : ۴۵)

اور پوچھ ان انبیاء سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے مبعوث فرمایا۔ (جب ان انبیاء کرام سے معراج میں ملاقات ہو تو پوچھ لیجیے یا ان انبیاء کے احوال سابقہ کتب سے تحقیق کرو ----- تفسیر عثمانی) کہ کبھی ہم نے مقرر کیے ہیں رحمٰن کے سوا معبود کہ جن کی عبادت کی جائے۔

لمحۂ فکریہ آج ہمارے ملک میں کئی نیم مذہبی ---- سیاسی جماعتوں نے اپنا ماٹو اور اپنی پہچان ----- آیت کے اسی حصے کو بنایا ہوا ہے ---- اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ -------- اور کچھ جماعتوں نے اپنا نشان اور ماٹو لِلّٰهِ الْاَمْرُ بنا لیا ----- اب اس کے بیج بنتے ہیں

اسٹکر تیار ہوتے ہیں ---- سینے پر یہ نشان اور یہ آیتیں لکھ لکھ کر سجائی جاتی ہیں ----- مگر یہ سب کچھ صرف نعروں کی حد تک ہوتا ہے ---- اللہ کے حکم کو بیان کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے ----- اس سے آگے اللہ نے اپنا پہلا حکم سنا دیا ہے: اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ ---- کہ عبادت و بندگی --- غائبانہ پکار اور نذر و نیاز صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے ---- مگر مجال ہے کہ ان جماعتوں نے ----- اللہ کا یہ حکم کبھی لوگوں کو سنایا ہو ----- انھوں نے کبھی توحید کا نام لیا ہو ----- کبھی شرک کے بارے لوگوں کو بتایا ہو ------ بیجوں اور اسٹکروں کی حد تک صرف نعرہ ہے: اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ------ ان جماعتوں کو یہ نعرہ لگانے کا کوئی حق نہیں ہے ----- یہ نعرہ لگانے کا حق صرف اشاعت التوحید و السنت کے اراکین و مبلغین کو ہے جو اللہ کا یہ حکم دن رات کھلے عام ----- عوام کو سنا رہے ہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں:

ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ (۱۲ : ۴۰) ------ یہ شرک سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا ----- یہ خالص اللہ ہی کی عبادت و پکار کرنا ----- یہی ہے صراطِ مُستقیم ----- اور یہی ہے دین صحیح ---- اور یہی ہے سیدھا دین۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے والدہ کی گود میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ

(مریم ۱۹ : ۳۶)

بے شک اللہ جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی پروردگار ہے
پس اس کی عبادت و بندگی کرو یہی راستہ ہے سیدھا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ----- اَلدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ ---- کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

اَلدِّیْنُ الْقَیِّمُ ---- اَلثَّابِتُ الَّذِیْ دَلَّتْ عَلَیْہِ الْبَرَاهِیْنُ الْعَقْلِیَّۃِ وَ النَّقْلِیَّۃِ۔ ایسا دین جو مضبوط دلائل سے ---- عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت ہو۔

شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ تفسیر عثمانی میں ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

توحید خالص کے راستہ میں ایچ پیچ کچھ نہیں ---- سیدھی اور صاف سڑک ہے۔ جس پر چل کر آدمی بے کھٹکے اللہ تک پہنچتا ہے ---- لیکن بہت لوگ حماقت یا تعصب سے ایسی سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھتے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ

لیکن اکثر لوگ ایسی کھلی حقیقت کو ---- اور ایسے مضبوط دلائل کو ---- اور ایسی معقول بات کو بھی نہیں سمجھتے ---- فَیُشْرِكُوْنَ ---- پس وہ اللہ کے ساتھ ---- اس کی عبادت و بندگی میں دوسروں کو شریک اور ساجھی بناتے ہیں۔

اَلدِّیْنُ الْقَیِّمُ ---- کی تفسیر و تائید کے لیے سورۃ البینہ آیت ۵ دیکھیے۔

کثرتِ تعداد کیا حق کی دلیل ہے؟

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ---- اس سے معلوم ہوا کہ تعداد کی کثرت ---- حق ہونے کی دلیل نہیں ہے ---- آج کچھ نادان پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ ہم "سوادِ اعظم" ہیں ---- ہماری تعداد زیادہ ہے ---- ہم اکثریت میں ہیں۔ اس لیے ہم حق پر ہیں ---- قرآن کہتا ہے ---- اکثریت ناشکروں کی ہے ---- اکثریت بے علموں کی ہے ---- اکثریت جاہلوں کی ہے ---- وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ ---- اور میرے شکر گزار بندے تعداد میں تھوڑے ہیں۔

آپ نہیں دیکھتے کہ ----- نمازی تھوڑے ہیں اور بے نمازی اکثریت میں ہیں ----- پھر ان نادانوں کے نزدیک شاید بے نمازی حق پر ہوں گے۔ کیونکہ وہ اکثریت میں ہیں۔

آپ مشاہدہ نہیں کرتے کہ چہرے پر سُنّتِ رسُول سجانے والے تھوڑے ہیں ----- اور داڑھی منڈے اکثریت میں ہیں۔

پھر ان نادانوں کے نزدیک شاید داڑھی منڈے حق پر ہوں گے۔

بدر میں مُسلمان تین سو تیرہ تھے ----- اور مشرکین مکہ ایک ہزار تھے ----- ذرا سوچ کر جواب دیجیے کہ حق کس کے ساتھ تھا ----- قلیل کے ساتھ یا اکثریت کے ساتھ؟۔

غزوۂ احد میں مُسلمان سات سو تھے ----- اور مشرکین تین ہزار کی تعداد میں تھے ----- ذرا سوچ کر بتائیے گا کہ حق کس کے ساتھ تھا ----- تھوڑوں کے ساتھ یا اکثریت کے ساتھ؟۔

بھائیو! حق ----- حق ہی ہوتا ہے۔ چاہے اس کو ماننے والے کروڑوں ہوں ----- یا ستر ہزار جادوگروں کے مقابلے میں اس کو ماننے والا ----- اکیلا سیدنا موسیٰؑ ہو۔

سیدنا یوسف علیہ السّلام اپنی تقریر دلپذیر میں ----- دو دفعہ فرماتے ہیں:

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ----- بہت سارے لوگ ناشکرے اور اکثر لوگ علم سے دور ہوتے ہیں۔

باقی آئندہ جمعۃ المبارک کے خطبہ میں ان شاء اللہ العزیز بیان کروں گا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

سیدنا یوسف علیہ السلام ۔ ۳

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَآءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴾ (۱۲ : ۵۰) (صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ)

خوابوں کی تعبیر

سامعین گرامی قدر! سیدنا یوسف علیہ السلام جیل کے دو ساتھیوں کے سامنے (جنھوں نے آپ سے اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر دریافت کی تھی) دعوتِ حق ---- تبلیغ توحید ---- اللہ کی الوہیت و معبودیت ---- اور شرک کی قباحت و مذمت واضح کرنے اور بیان کرنے کے بعد ---- ان کے خوابوں کی تعبیر ان کے سامنے رکھتے ہیں۔

فرمایا: ---- تم دونوں میں سے ایک رہا ہو کر ---- اپنے پرانے منصب اور عہدے پر بحال ہو جائے گا ---- اور وہ بادشاہ کو شراب پلانے کی ذمہ داری سنبھال لے گا ---- اور دوسرا اپنے جرم کی سزا میں پھانسی دیا جائے گا ---- اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے۔

تفسیر مظہری نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے ---- کہ اپنے اپنے خواب کی تعبیر سُن کر ---- دونوں قیدی کہنے لگے کہ

ہم نے کوئی خواب نہیں دیکھا، ہم تو ویسے ہی دل لگی اور مذاق کر رہے تھے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ﴾ (۱۲ : ۴۱)

جس کے متعلق تم نے پوچھا تھا اس کا حتمی اور اٹل فیصلہ ہو چکا ہے۔

ان دونوں قیدیوں پر ---- جو بادشاہ کے ساقی اور باورچی تھے --- الزام یہ تھا کہ انھوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی ہے ---- تحقیق و تفتیش کے بعد ثابت ہوا کہ باورچی اس جرم میں ملوث ہے۔ اسے پھانسی کی سزا ہوئی --- اور ساقی پر جرم ثابت نہ ہو سکا۔ لہٰذا اسے رہائی نصیب ہوئی۔

اُذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ

ساقی کے بارے سیدنا یوسف علیہ السلام کو یقین تھا کہ اس نے رہائی پائی ہے --- اور دربارِ شاہی میں رسائی پا کر ---- اپنے سابقہ عہدے پر بحال ہو جاتا ہے --- اور اس کا بادشاہ کے ساتھ ہر وقت کا ساتھ رہنا ہے --- چنانچہ آپ ساقی سے فرماتے ہیں:

﴿اُذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ﴾

------ اپنے بادشاہ (مالک) کے ہاں میرا ذکر اور میرا تذکرہ بھی کرنا۔

مفسرینِ کرام فرماتے ہیں ----- مطلب یہ تھا کہ اپنے بادشاہ کے سامنے جا کر اُسے بتانا کہ ایک بے گناہ شخص ------ اور بے قصور آدمی کو مجرم اور قصور وار بنا کر جیل میں ڈال دیا گیا ہے ----- اور وہ بے گناہ اور مظلوم کئی سال سے قید و بند کی صعوبتیں اور مصائب اور تنگیاں برداشت کر رہا ہے۔

مگر ساقی جب رہا ہو کر جیل سے باہر آیا ---- تو اسے شیطان نے بھلا دیا اور وہ اپنے کاموں میں ایسا مصروف ہوا کہ اسے یاد بھی نہ رہا کہ وہ جیل میں یوسفؑ سے کیا وعدہ کر کے آیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو اس

واقعہ کے بعد بھی کئی سال تک جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں رہنا پڑا۔

مفسرینِ کرام کہتے ہیں کہ دنیا میں مصائب و ضرورت کے وقت ---- پریشانی اور غم کے زمانے میں ----- دنیا کے حوادث میں اور دکھوں میں گھر کر --- ماتحت الاسباب دوسروں سے تعاون کی درخواست کرنا ---- ناجائز اور حرام نہیں ہے۔ مگر ابرار کی حسنات (نیکیاں) مقربین کی سیئات (برائیاں) بن جاتی ہیں۔

جو کام اور جو فعل عام لوگ بے کھٹکے کر سکتے ہیں اور شریعت اس پر نکیر نہیں کرتی ---- وہی کام انبیاءِ کرامؑ کے عالی منصب ----- بلند شان کے اعتبار سے ایک قسم کی تقصیر بن جاتا ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کے لیے ---- نبی ابن نبی ابن نبی ابن نبی ------ جیسے منصب والے شخص کے لائق نہیں تھا کہ وہ اپنے معبود برحق پر بھروسا اور توکل کے ساتھ ساتھ ظاہری اور دنیوی اسباب پر بھروسا کرتے --- اور بادشاہ سے اپنی مظلومیت کے دفاع کے طالب ہوتے ----- اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں کئی سال مزید جیل میں رکھنے کا فیصلہ فرمایا۔ اذکرنی عند ربک ------ کی ایک تفسیر ---- اور ایک مطلب اور ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں ذکر اور تذکرے سے مراد ---- ان ہی باتوں کا تذکرہ اور ذکر ہے جو جیل کی معیت میں وہ دیکھ چکا ہے اور مشاہدہ کر چکا ہے ----- خاص طور پر خواب کی تعبیر اور اتنی فٹ اور خوبصورت تدبیر کا ذکر اور تذکرہ۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے اس خواہش کا اظہار ---- اس توقع اور اس امید پر کیا ہوگا کہ ملک مصر میں جہاں عدل و انصاف ---- مساوات انسانی کے تمام ذرائع مفقود ہو چکے ہیں ---- وہاں ہوسکتا ہے اس ساقی کے راستے اس بے گناہ اور بے قصور قید سے رہائی کی کوئی صورت اور کوئی سبیل نکل آئے۔

کسی جائز مقصد کے لیے جائز تدبیر ---- اور وسائل کو اختیار کرنا، توکل علی اللہ ---- اور اعتماد علی اللہ کے خلاف نہیں ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب قصص القرآن میں اذکرنی عند ربك ---- کا ایک بہت ہی خوبصورت مفہوم بیان فرمایا ہے کہ اذکرنی عند ربك ---- کے ساتھ اپنی رہائی کی اپیل کرنا ---- یا رہائی کے لیے دہائی دینا مقصود نہیں تھا ---- اس لیے کہ دو قیدیوں اور سیدنا یوسف علیہ السلام کے مابین جو گفتگو ہوئی وہ دو باتوں پر مشتمل ہے ---- ایک مسئلہ توحید کا بیان ---- دوسرا خوابوں کا تذکرہ اور ان کی تعبیر کا بتلانا ---- اپنی سرگزشت ---- اپنی کہانی کا تذکرہ تو سیدنا یوسفؑ نے قیدی کے سامنے کیا ہی نہیں تھا، پھر بغیر اپنے حالات و واقعات بتائے۔ اذکرنی عند ربك کہنے کا کیا مطلب؟ ------ پھر یہ بات ---- کہ اپنی رہائی کے لیے ---- سیدنا یوسف علیہ السلام ۔ بے تاب تھے اور انھوں نے ساقی کے آگے اس کا تذکرہ کیا ---- پھر ساقی سے کہا: بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا کہ ایک بے گناہ قید میں پڑا ہوا ہے ---- اس کی رہائی کے بارے کچھ سوچا جائے۔

یہ بات عقل سے بھی بعید ہے ----- اور بعد کے واقعات بھی اس کی تائید و تصدیق نہیں کرتے ----- اگر سیدنا یوسف علیہ السلام جیل سے باہر نکلنے کے لیے اتنے ہی بے تاب تھے (کہ ساقی کے سامنے ذکر کر رہے تھے) تو پھر ساقی کے یاد آنے ---- اور بادشاہ کے خواب کی تعبیر دینے کے بعد ---- بادشاہ نے ان کی رہائی کا حکم دیا تھا ---- تو وہ فوراً باہر کیوں نہیں آئے؟ ---- انھوں نے تفتیش حال کا مطالبہ کیوں فرمایا؟ یہ تفتیش تو رہائی کے بعد بھی ہو سکتی تھی ---- اور ان کی عفت و عصمت ---- اور طہارت و پاکیزگی ---- اور بے گناہی کا فیصلہ جیل سے باہر آکر بھی کیا جا سکتا تھا۔

تو پھر اذکرنی عند ربک ---- کا صحیح مطلب --- اور درست مفہوم یہ ہوگا کہ سیدنا یوسفؑ نے فرمایا ---- کہ بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا ---- کہ ایک ایسا شخص جیل میں تھا ---- جو دینِ توحید کی تبلیغ اور تلقین کرتا تھا ---- اپنی مِلّت کو ہماری مِلّت سے الگ اور جدا بتاتا تھا ---- شرک کا اِنتہائی مخالف تھا ---- انبیاء کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا ---- اور وہ اپنے دعویٔ توحید اور ردِ شرک پر اعلیٰ، عمدہ، اور بہترین دلائل دیتا تھا ---- اس طرح سیدنا یوسف علیہ السلام اپنی دعوت اور اپنا پیغام وقت کے بادشاہ تک پہنچانا چاہتے تھے۔

بادشاہ کا خواب

سامعینِ گرامی قدر! آپ سیدنا یوسف علیہ السلام کا سوہنا قصہ، --- احسن القصص ---- بہترین بیان ---- ترتیب سے اور تسلسل سے سُن رہے ہیں ---- آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ---- اس واقعہ میں خوابوں کا عمل دخل بہت زیادہ ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کو ایک خواب ہی نے ابتلا و آزمائش میں مُبتلا کیا تھا، اور وہ گھر سے بے گھر ہوئے ---- کنویں میں تین دن پڑے رہے ---- مصر کے بازار میں فروخت ہوئے ---- زلیخا کے پر فریب دام سے نکلے۔

اور آج کئی سالوں کے بعد ---- ایک خواب ہی یوسفؑ کی رہائی اور قید خانے سے باہر آنے کا ذریعہ اور سبب بن گیا۔

وقت کے بادشاہ نے خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں ---- اور سات دبلی اور کمزور گائیں ہیں ---- اور دبلی اور کمزور گائیں موٹی کو نگل گئیں۔

اور سات خوشے ہیں، سبز و شاداب اور سات خوشے خشک ہیں ---- اور خشک خوشے سبز خوشوں کو کھا گئے۔

بادشاہ صبح اٹھا تو اپنے اس عجیب و غریب خواب کی وجہ سے پریشان و حیران تھا ---- فوراً دربار کے مشیروں، وزیروں اور تعبیر بتلانے والوں کو طلب

کیا اور ان کے سامنے اپنا خواب بیان کیا اور تعبیر پوچھی ---- درباری اور معبّرین سُن کر سوچ بچار میں ---- اور فکر و تردد میں مُبتلا ہو گئے ----- اور جب کوئی تعبیر ان کی سمجھ میں نہ آئی تو کہنے لگے ----- ہم خوابوں کی تعبیر بہت اچھی طرح جانتے ہیں ---- ہم فن تعبیر میں کمال رکھتے ہیں ---- مگر یہ خواب کوئی حقیقی خواب نہیں ہے ---- پریشان اور پراگندہ خیالات ہیں جن کی کوئی تعبیر اور حقیقت نہیں ہوتی۔

ساقی کو یاد آیا

بادشاہ --- درباریوں کے جواب سے مطمئن نہ ہُوا --- برابر پریشان رہا --- بادشاہ کے خواب کی شہرت ایوانِ شاہی میں ہونے لگی ---- بات ساقی تک بھی پہنچی ---- اسے فوراً سیدنا یوسفؑ یاد آ گئے جو تعبیر کے علم کے ماہر ---- اور درست تعبیر دینے میں بے مثال تھے --- اسے اپنے خواب کی تعبیر کی صداقت بھی یاد آنے لگی۔

ساقی نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ایک شخص کو میں جانتا ہوں ---- وہ خوابوں کی تعبیر بتانے میں اپنی مثال نہیں رکھتا ---- مگر وہ جیل میں ہے ---- میرے جیل میں داخل ہونے کا انتظام کر دو تو میں اس شخص سے اس خواب کی تعبیر پوچھ کر تمھیں بتا دوں گا۔

بادشاہ کی اجازت سے ساقی جیل میں پہنچا --- اور بادشاہ کا خواب بیان کرنے سے پہلے سیدنا یوسف علیہ السلام کو کتنے شاندار طریقے سے خطاب کرتا ہے۔

يُوسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ ----- یوسف اے سراپا صدق و راستی ----

یوسف اے مجسمۂ صداقت ---- یوسف اے سچوں کے سچے۔

بادشاہ کو ایک خواب آیا ہے ---- وہ سخت پریشان ہے ---- معبّرین اس کی تعبیر بتانے سے عاجز آ گئے ہیں ---- ذرا تعبیر بتا --- تا کہ میں تیری بتائی ہوئی تعبیر کے ساتھ دربار میں پلٹوں اور سب لوگوں کو تیری قدر و منزلت کا

... اور تیرے علم و فہم کا اندازہ ہو ---- اور انھیں بھی خواب کی تعبیر معلوم ہو جائے۔

پیغمبری شان

اس موقع پر ---- ہاں نازک موقع پر ذرا سیدنا یوسف علیہ السلام کا صبر و استقلال دیکھیے -----

حضرت یوسفؑ کی اعلیٰ ظرفی ---- اور اخلاق کی بلندی دیکھیے ---- ذرا انسانیت کی معراج دیکھیے ----- کہ آنے والے ساقی کو معمولی سی ملامت بھی نہیں کی ---- نہ اسے کئی سال تک بھولے رہنے پر جھڑکا ---- نہ یہ فرمایا کہ کیوں بھائی میں آج یاد آ گیا ہوں ---- مطلب پڑا تو بھاگتے ہوئے میرے ہاں آ گئے ہو ---- ساقی کی عہد فراموشی کا ادنی ساذکر بلکہ اشارہ تک نہیں فرمایا۔

نہ تعبیر بتانے میں بخل سے کام لیا ---- نہ یہ فرمایا کہ تعبیر بتلاتا ہوں مگر پہلے مجھے رہا کرو ---- نہ لمحہ بھر کے لیے یہ خیال آیا کہ جن ظالموں نے کئی برسوں سے بلا قصور ---- مجھے قید خانہ میں ڈالا ہوا ہے ---- وہ قحط سالی سے اور بھوک سے ہلاک ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں، مجھے اس سے کیا؟۔

بلکہ بڑی خندہ پیشانی سے اور خوشدلی سے خواب کی خوبصورت تعبیر بھی بتا دی ---- اور اس کی حکیمانہ تدبیر بھی ساتھ ہی بتا دی اور پھر ایک تبشیر بھی سنا دی اور اس طرح ساقی کو پوری طرح مطمئن فرما دیا۔

خواب کی تعبیر ---- تدبیر ---- تبشیر

فرمایا خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم سات سال تک مسلسل اور لگاتار کھیتی باڑی کرتے رہو گے ---- یہ تمھاری خوشحالی کے سات سال ہوں گے ---- خوب اناج اور غلہ ہوگا ---- یہی وہ سات موٹی گائیں اور سرسبز و شاداب خوشے ہیں جو بادشاہ نے دیکھے ہیں۔

پھر اس کے بعد سات برس سخت مصیبت اور قحط سالی کے آئیں گے

--- یہی وہ سات کمزور گائیں اور خشک خوشے ہیں۔

اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ خوشحالی کے سات سالوں میں جب کھیتی کٹنے کا وقت آئے تو جس قدر اور جتنی مقدار سال بھر کے لیے ضرورت ہو اسے الگ کرلو اور باقی غلّہ کو خوشوں کے اندر ہی رہنے دو تاکہ گلنے سڑنے سے محفوظ رہے اور اسے کیڑا نہ لگے ---- اور یہی خوشوں کے اندر سات سالوں میں --- جو گندم بچابچا کر رکھو گے ---- قحط سالی کے سات سالوں میں کام آئے گی ----- یہ مطلب ہے کمزور گایوں کا موٹی گایوں کو کھانے کا --- اور خشک خوشوں کا ہرے اور سرسبز خوشوں پر لپٹ جانے کا۔

خواب کی تعبیر اور تدبیر بتانے کے بعد تبشیر یہ سنائی:

﴿ ثُمَّ يَأْتِي مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴾

پھر (ان قحط کے سات سالوں کے بعد) ایک سال آئے گا جس میں خوب بارشیں ہوں گی اور اس میں وہ (انگوروں اور باقی پھلوں سے) رس نچوڑیں گے۔ (۱۲ : ۴۹)

یہ آخری سال بارش کا برسنا ---- کثیر اور وافر مقدار میں غلّہ اور اناج کا پیدا ہونا ---- یہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے وحیِ الٰہی کا اِشارہ پاکر اِرشاد فرمایا۔

تفسیر کشاف نے ---- رُوح المعانی نے ---- بیضاوی نے اور تفسیر مظہری نے ---- سب نے لکھا ہے ---- ذَٰلِكَ مِنْ جِهَةِ الْوَحْيِ ---- کہ یہ سب کچھ وحی الٰہی کی طرف سے تھا۔

رہائی کا حکم

ساقی نے واپس جاکر بادشاہ کو ---- یوسفؑ کی دی ہُوئی تعبیر ---- پھر اس کی تدبیر ---- پھر تبشیر سنائی ---- تو بادشاہ اپنے خواب کی اتنی فٹ اور واضح تعبیر سُن کر حیران اور دنگ رہ گیا ---- اور پھر تدبیر سُن کر حضرت یوسفؑ کی حِکمت و دانش اور فہم و ذکاء

اور دور اندیشی کا دل سے قائل ہو گیا۔ پھر تشبیر سُن کر آپ کے دیدار کا مُشتاق ہو گیا۔۔۔۔ اور حکم دیا کہ ایسا دانشور، فہمیدہ و سنجیدہ۔۔۔۔ عالم و فاضل شخص جیل کی کوٹھریوں میں ہو۔۔۔۔ یہ زیادتی اور ظلم کی انتہاء ہے۔۔۔۔ اِئْتُونِي بِهٖ۔۔۔۔ اسے میرے پاس لے آؤ۔

یوسفؑ کی سرفرازی و کامیابی

سامعینِ گرامی قدر! سیدنا یوسف علیہ السلام ابتداء ہی سے مصائب اور دکھوں کے راستے کے مسافر ہیں۔۔۔۔ اللہ ربُّ العزت نے آزمائش میں ڈالا۔۔۔۔ کنویں میں ڈالے گئے۔۔۔۔ مصر کے بازار میں غلام بن کر فروخت ہوئے۔۔۔۔ زلیخا بند کمرے میں لے گئی۔ یہ ان کی امانت و دیانت کا مُشکل ترین امتحان تھا۔۔۔۔ وہاں سے کامیابی کے ساتھ باہر نکلے۔۔۔۔ تو ایک اور امتحان زلیخا کی سہیلیوں کی طرف سے پیش آیا کہ ہر ایک اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔۔۔۔ امانت و دیانت کے اس امتحان میں بھی کامیاب ہُوئے۔

پھر ان کی فراست کا پہلا امتحان تھا جب جیل کے دو ساتھیوں نے اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھی اور سیدنا یوسف علیہ السلام نے فٹ اور سچی تعبیر بتائی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی فراست و دانائی کا دوسرا امتحان۔۔۔۔ بادشاہ کا خواب تھا جس کی تعبیر انھوں نے اتنی مناسب اور فٹ دی کہ سب درباری اور سب وزیر سُن کر حیران اور دنگ رہ گئے۔۔۔۔ اتنے امتحانوں کے بعد۔۔۔۔ اتنی مُشکل ترین آزمائشوں کے بعد۔۔۔۔ اتنے مصائب اور پریشانیوں کے بعد۔۔۔۔ اب سرفرازیوں، کامرانیوں اور کامیابیوں کا دور شروع ہو رہا ہے۔

پہلے تحقیق پھر رہائی

بادشاہ کا ایلچی جیل میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاس پُہنچا۔۔۔۔ اور خوشی خوشی۔۔۔۔ بادشاہ کا پیغام سنایا اور بتایا کہ وقت کا بادشاہ تیرا عقیدت مند ہو گیا ہے۔۔۔۔

وہ آپ سے ملنے کا مُشتاق ہے اور میں آپ کی رہائی کے احکام لے کر آیا ہوں۔

جن لوگوں نے زندگی میں کبھی جیل کاٹی ہے، انھیں بخوبی علم ہے کہ ایک قیدی کے لیے اس سے بڑی خوشی اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ اس کے پاس رہائی کے احکام اور روب کار پہنچے ---- اس بات کو ذہن میں رکھ کر دیکھیے ---- یوسفؑ کتنے برسوں سے بے یار و مددگار جیل کی زندگی گزار رہے ہیں ---- سر میں ان کا ایک رشتہ دار بھی نہیں تھا ---- کوئی دوست اور غمگسار اور خیرخواہ بھی نہیں تھا ---- مقدمہ لڑنے والا ---- ضمانت کروانے والا بھی کوئی نہیں تھا ---- انھیں جب غیر مشروط رہائی کے احکام ملے تو انھیں تو بھاگ کر جیل سے باہر آجانا چاہیے تھا ---- مگر اللہ ربُ العزت اپنے انبیاء کو جو بلند و بالا منصب عطا فرماتے ہیں اسے عام لوگ تو سمجھ بھی نہیں سکتے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے رہائی کا پروانہ لانے والے سے فرمایا:

﴿ اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۚ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴾ (۱۲ : ۵۰)

تُو اپنے بادشاہ کی طرف پلٹ جا، اور اُس سے پُوچھ کہ اُن عورتوں کا کیا معاملہ ہے جِنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے (کہ کون سچّا تھا اور جھوٹا کون تھا؟ مجرم کون ہے اور پاکباز کون ہے؟) بے شک میرا پروردگار تو اُن عورتوں کے مکر و فریب کو جانتا ہے (لیکن مَیں چاہتا ہُوں کہ دُنیا والوں کو معلُوم ہوجائے کہ قصور دار کون ہے۔)

جا اور جا کر بادشاہ کو بتا ---- کہ مَیں جیل سے اُس وقت تک باہر نہیں آؤں گا جب تک میرا دامن بے داغ نہیں ہوجاتا ---- جب تک دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی نہیں ہوجاتا ---- جب تک یہ بات نکھر نہیں جاتی کہ دعوتِ گناہ کس نے دی تھی اور اس دعوت کو ٹھکرایا کس نے تھا ---- جب تک

معلوم نہیں ہوجاتا کہ خائن کون تھا اور امین کون تھا؟۔

تحقیق کی وجوہات

سیدنا یوسف علیہ السلام نے تحقیق اور تفتیش کا مطالبہ فرمایا ---- اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبوی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ---- اور وہ خود بھی اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ اس لیے غیرت و حمیت اور عزتِ نفس کے بدرجہ اتم حریص ہیں ---- انھوں نے سوچا کہ اگر بادشاہ کی اس مہربانی پر میں جیل سے باہر آگیا تو یہ بادشاہ کی مجھ پر مہربانی ---- اور اس کی نظرِ شفقت سمجھی جائے گی ---- اور اس طرح میرا بے قصور اور بے گناہ ہونا واضح نہیں ہوگا۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام بغیر تحقیق حال کے ایسے ہی باہر آجاتے تو لوگ آپ کے بارے میں شک و شبہ میں مُبتلا رہتے ---- اور لوگ آپ کے بارے میں یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوتے کہ ---- العیاذباللہ ---- یہ یوسف وہی ہے جو عزیزِ مصر کی بیوی کی عزت پر حملہ آور ہونے کے جرم میں قید کاٹ کے آیا ہے۔

اور پیغمبرؑ کے مُتعلق اتنی سی بدگمانی بھی کفر کے زمرے میں آتی ہے۔

اور بغیر تحقیق حال کے باہر نہ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے ---- کہ سیدنا یوسف علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور انھوں نے لوگوں تک پیغامِ توحید پہنچانا تھا ---- اور توحید کا پیغام مشرکین کے لیے موت کے پیغام کے مترادف ہے۔

جب مشرکین سیدنا یوسف علیہ السلام کے دلائلِ توحید کا جواب نہ دے سکتے تو وہ اپنی خفت مٹانے کے لیے کہتے ---- بس کر بس ---- بڑا آیا توحید کا داعی اور مبلغ ---- کل تک تو جیل میں رہا ہے ---- اپنے مالک کی بیوی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کے جرم میں ---- آج ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش سے روکتا ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ میں جیل سے باہر نکلوں تو اس طرح کہ میرے دامن پر کوئی دھبہ اور داغ نہ ہو---- میرے کردار پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے---- میرے اعمال سے کوئی بحث نہ کر سکے۔

تحسینِ یوسفؑ بزبانِ امام الانبیاءؐ

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا یوسف علیہ السلام کے صبر و تحمل، عزم و اِستقلال، مضبوط ارادہ، بلند ہمتی و اِستقامت اور بے پناہ حوصلہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

مجھے یوسفؑ کے صبر و کرم پر بڑا تعجب ہوتا ہے---- انھوں نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کوئی شرط نہیں لگائی---- وَلَوْ كُنْتُ مَكَانَهُ مَا أَجَبْتُهُمْ حَتَّى أَشْتَرِطَ أَنْ تُخْرِجُوْنِيْ---- اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو رہائی کی شرط کے بغیر خواب کی تعبیر نہ بتاتا۔

اور میں یوسفؑ کے صبر اور حوصلے پر تعجب کرتا ہوں کہ جب بادشاہ کا قاصد ان کے پاس رہائی کا پروانہ لے کر آیا (انھوں نے بغیر تحقیق کے جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا) وَلَوْ كُنْتُ مَكَانَهُ لَبَادَرْتُهُمُ الْبَابَ---- اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو اسی وقت دروازے کی طرف بھاگ کھڑا ہوتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور بخاری کتاب الانبیاء میں حدیث کے الفاظ اس طرح آئے ہیں:

لَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوْسُفُ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ---- اگر میں اتنی مدت جیل میں رہتا جتنی مدت یوسف جیل میں رہے تو میں رہائی کا پروانہ لانے والے کی بات کو قبول کر لیتا۔

زنانِ مصر کی طلبی

سیدنا یوسف علیہ السلام کے اصرار پر کہ پہلے تحقیق پھر رہائی---- بادشاہ بہت مُتاثر ہوا۔---- اور الزام کی تحقیق و تفتیش کے لیے مصر کے وزراء اور امراء کی بیگمات کو

جنھوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہاتھ کاٹ لیے تھے ------ اپنے دربار میں بلایا ---- اِس ساری کارروائی کی سرغنہ اور سردار ----- زلیخا کو بھی طلب کرلیا۔ بادشاہ نے پُوچھا -----

﴿ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ﴾ (۱۲ : ۵۱)

کیا معاملہ تھا تُمھارا جب تُم نے یُوسفؑ کو ورغلایا تھا اور اس پر ڈورے ڈالے تھے (سچ سچ بتاؤ) ---- سب عورتیں ---- زنانِ مصر--- حکومتی اہلکاروں کی معزز خواتین بولیں : اللّٰہ کی ذات تمام عیبوں سے پاک ہے، ہم نے یوسفؑ میں کوئی برائی نہیں پائی ---- تمام تر قصور ہمارا تھا۔ یوسف کا دامن گناہ کی آلودگیوں سے پاک ہے۔

ان عورتوں میں زلیخا بھی موجود تھی ---- اس نے جب دیکھا کہ یوسف کی خواہش اور تمنا ہے کہ اس تمام تر واقعہ کی حقیقت سامنے آجائے تو وہ بے اختیار بول پڑی :

﴿ اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾

اب حق بات ظاہر ہو گئی ہے میں نے ہی یوسف کو اپنے مطلب برآری کے لیے پھسلایا، بے شک یوسف سچا ہے۔ (۱۲ : ۵۱)

عِصمتِ یوسفؑ کے گواہ

اس موقع پر ---- مشہور مُفسّر امام رازی نے ایک بڑی عجیب و غریب بات ذکر فرمائی ہے کہ یوسف اللّٰہ کے صادق و امین پیغمبر--- اور معصوم رسُول تھے ---- ان کا مقدس دامن ہر قسم کی آلائشوں سے پاک تھا ---- ان کی زندگی ---- مقدس زندگی کا ایک لمحہ اور ایک لحظہ بھی کسی غیر اخلاق فعل کی آلودگی میں ملوث نہیں ہُوا تھا ---- اِس لیے اللّٰہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازی دیکھیے --- کہ یوسفؑ کے اِس واقعہ میں جتنی شخصیات اور جتنے لوگ ملوث تھے اُن سب کی

زبان سے یوسفؑ کی طہارت، پاکیزگی اور عصمت کا اعلان اور اعتراف کروایا۔

کون لوگ تھے جو اس واقعہ میں ملوث تھے ---- عزیز مصر تھا، عزیز مصر کی بیوی زلیخا تھی، زلیخا کی سہیلیاں تھیں ---- زلیخا کا رشتے دار تھا۔

یہی لوگ تھے جو کسی نہ کسی طرح اس واقعہ میں ذاتی طور پر ملوث تھے یا تحقیق و جُستجو کے طور پر ملوث تھے۔

ان میں سب سے پہلے زلیخا کا رشتے دار یوسفؑ کی صفائی کا گواہ بنا---- ﴿شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا﴾ ---- قمیص کے پھٹنے کا (کہ آگے سے پھٹا ہے یا پیچھے سے) دانش مندانہ فیصلہ دیا ---- اور اس طرح یوسفؑ کو مبرا اور زلیخا کو قصوروار ٹھہرایا۔

پھر عزیز مصر ---- زلیخا کا خاوند ---- خود اقرار کرتا ہے کہ یوسفؑ بے گناہ اور بے قصور ہے ---- وہ ---- ﴿يُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾ ---- کہہ کر یوسفؑ سے معذرت کرتا اور اپنی عزت کی خاطر معاملہ کو رفع دفع اور ختم کرنے کی درخواست کرتا ہے۔

زلیخا کی سہیلیاں ---- بھرے دربار میں بادشاہ کے پُوچھنے پر واضح الفاظ میں کہتی ہیں :

﴿حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوٓءٍ﴾

یوسفؑ میں ہم نے کوئی بُرائی نہیں دیکھی۔

اب رہ گئی ---- اس معاملے کا مرکزی کردار ---- زلیخا۔ اس نے بھی بھرے مجمع میں واضح اور برملا اعلان کیا -----

﴿اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾

تمام کا تمام قصور میرا تھا ---- یوسف کا دامن اس معاملے میں بالکل پاک اور صاف ہے۔ اور یوسف اس بات کے کہنے میں سو فیصد سچا تھا ----

﴿ هِيَ رَاوَدَتۡنِي عَنۡ نَّفۡسِي ﴾ (۱۲ : ۲۶) ------ کہ زلیخا نے مجھے ورغلایا اور پھسلایا ----

یوسفؑ کی رہائی اور بادشاہی

مصر کا بادشاہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا معتقد تو پہلے ہی ہوچکا تھا، جب اس نے ساقی کی زبانی خواب کی تعبیر سنی تھی ---- پھر یوسفؑ کی بتلائی ہوئی تدبیر سنی تھی ---- پھر اس کی عقیدت اس وقت اور زیادہ ہو گئی جب یوسفؑ نے بغیر تحقیق و تفتیش کے جیل سے نکلنے سے انکار کردیا تھا ---- مگر آج وہ حیرت زدہ ہو گیا کہ کل تک جو لوگ اور جو زبانیں یوسفؑ پر الزام تراشیاں کرتی تھیں ---- وہی آج یوسفؑ کی پاکدامنی کے گیت گا رہی ہیں ----- جو کل تک سارا الزام اور تمام تر ملبہ یوسف پر ڈالتے تھے ---- وہ آج اپنے آپ کو جھوٹا اور یوسفؑ کو سچا کہہ رہے ہیں ---- وہ اپنے آپ کو قصوروار، خائن اور یوسفؑ کو راستباز اور امین کی سند دے رہے ہیں۔

اس قدر معصوم انسان ---- اتنے علم و فہم کا مالک شخص، صاحبِ فہم و تدبر ---- ایسے شخص سے تو فائدہ اٹھانا چاہیے ---- بادشاہ کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ ایسے بزرگ اور عظیم ہستی کا دیدار کروں ---- ایسے نیک اور مخلص شخص کی زیارت کرنے کا شرف حاصل کروں اور ایسے زیرک شخص کو امور مملکت میں بھی شریک کرلوں۔

بادشاہ نے حکم دیا -----

﴿ ائۡتُونِي بِهِۦٓ أَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِي ﴾ (۱۲ : ۵۴)

جب ساقی نے آکر تعبیر بتائی تھی ---- تو اس وقت بادشاہ نے کہا تھا ---- ائۡتُونِي بِهِۦ ---- کہ یوسفؑ کو میرے پاس لاؤ ---- مگر آج یوسفؑ کے تحمل و بردباری کو دیکھ کر ---- آج یوسفؑ کی امانت و دیانت کو دیکھ کر ---- آج یوسفؑ

کے حُسنِ اخلاق، شرافت و صداقت، عالی ظرفی، راستبازی اور پاکدامنی کو دیکھ کر کہتا ہے ---- ﴿ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ﴾ کہ یوسف کو جیل سے نکال کر میرے پاس لاؤ ---- تاکہ میں اس کو اپنا معتمد علیہ اور مشیر خاص بنا لوں۔

اب سیدنا یوسف علیہ السلام بڑی قدر و منزلت کے ساتھ اور بڑی عزت و تکریم کے ساتھ ---- بڑی شان و شوکت اور جاہ و جلال کے ساتھ ---- قید خانے سے نکل کر بادشاہ کے دربار میں پہنچے ---- بادشاہ نے بڑی عزت و تکریم کے ساتھ اپنے پاس تخت پر بٹھایا ---- گفتگو ہوئی ---- بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا ---- یقیناً وہ گفتگو ملکی مسائل، آنے والی قحط سالی اور بحران کے متعلق ہوگی۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کی سنجیدہ اور مفید گفتگو سُن کر اور زیادہ حیران ہوا کہ جس یوسفؑ کی راستبازی، صداقت، شرافت، تحمل اور امانت کا مجھے تجربہ ہوا تھا ---- وہ عقل و دانش، فہم و ذکاء، معاملہ فہمی اور ذہانت و فطانت میں بھی بے مثال اور لاجواب نکلا۔

بادشاہ نے خوشی و مسرت سے کہا:

﴿ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴾ (۱۲ : ۵۴)

بے شک آج سے تم ہماری نگاہوں میں صاحبِ اقتدار اور امانتدار ہو۔

وزارتِ خزانہ۔ صبر پر انعام

بادشاہ کی بات سُن کر سیدنا یوسف علیہ السلام نے محسوس فرمایا کہ بادشاہ ---- کوئی حکومتی عہدہ اور منصب ضرور دینا چاہتا ہے ---- تو انھوں نے مناسب سمجھا کہ بادشاہ کے خواب کی الہامی تعبیر ---- کے پیشِ نظر ملکی غلہ کے انتظام کو جس طرح میں کنٹرول کرسکتا ہوں ---- اس طرح کوئی دوسرا اسے نہیں سنبھال سکتا ---- اس لیے بادشاہ سے فرمایا ----

﴿ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴾ (۱۲ : ۵۵)

ملک کے خزانوں پر مجھے مختار بنا دیجیے (وزیر خزانہ بنا دیجیے) میں حفاظت کرسکتا ہوں اور میں اس معاملے کا جاننے والا ہوں۔

چنانچہ بادشاہ نے یوسف کو منہ مانگا عہدہ دے دیا ---- بادشاہ نے اپنی تمام مملکت کا امین اور کفیل بنا دیا اور شاہی خزانوں کی چابیاں ان کے حوالے کر کے مملکت کا مختارِ عام بنا دیا۔ قرآن نے اس کو اس طرح ذکر فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ﴾ (۱۲: ۵۶)

اور اسی طرح (جس طرح ہم نے کنویں سے نکالا، اور جس طرح ہم نے جیل سے رہائی عطا فرمائی) ہم نے یوسفؑ کو اقتدار بخشا سرزمینِ مصر میں۔

رئیس المفسرین، قدوۃ السالکین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ ---- كَذٰلِكَ کے "کاف" کو بیانِ کمال کے معنیٰ میں لیتے ہیں اور معنیٰ کرتے ہیں ---- یوں ہی ہم نے ٹھکانا دیا یوسفؑ کو ملک میں ---- یعنی جیل سے نکال کر یوسفؑ کو تختِ مصر پر بٹھا دینا میرا کمال ہے۔

سامعین گرامی قدر! یہاں تک سیدنا یوسف علیہ السلام کا واقعہ آپ نے سماعت فرما لیا ---- اس واقعہ کے ضمن میں چند باتوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں۔

پہلی بات

پہلی بات یہ سمجھ آئی کہ اللہ رب العزت کا قانون ہے ---- اور اسلام کی اور انبیاء کرامؑ کی تاریخ اس قانونِ قدرت کی گواہی دے رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے اور محبوب بندوں ---- پرہیزگار اور نیک لوگوں کو ---- مختلف قسم کی آزمائشوں، امتحانات اور ابتلاؤں میں مبتلا کرتا ہے ---- انھیں آزمائش کی بھٹیوں سے گزارتا اور امتحان کے راستوں پر ڈالتا ہے ---- اس طرح ان لوگوں کی صلاحیتوں کو جلا بخشتا ہے ---- جب وہ حضرات اور وہ لوگ ثابت قدم رہتے ہیں ---- آزمائش پر پورا اترتے

ہیں ---- اِمتحان میں کامیاب اور سُرخرو ہوجائیں ---- تو پھر اللہ تعالیٰ انھیں دنیا و آخرت کی بلندیاں اور سرفرازیاں عطا فرماتا ہے۔

قرآن مجید نے ایسے کئی لوگوں اور خاص کر کے انبیاء کی آزمائشوں اور پھر سرفرازیوں کے تذکرے کیے ہیں۔

مثلاً سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ---- آزمائشوں اور امتحانوں کے بعد اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا کا منصب عطا ہوا۔

سیدنا ایوب علیہ السلام تقریباً اٹھارہ سال بیماریوں اور آزمائشوں میں صبر و تحمل کے ساتھ کامیاب ہوئے تو پھر دُنیا کے انعامات کی موسلا دھار بارش برسنے لگی۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ تیرہ سال دکھوں میں مُبتلا رہے، قتل کی تدبیریں، ہجرتِ مدینہ ---- پھر مدینہ منورہ میں بھی سکھ کا سانس نہیں ---- مسلسل جنگیں اور لڑائیاں ---- پھر کامیابیاں قدم چومنے لگیں ---- ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا﴾ کی بشارتیں ملنے لگیں ---- پھر میرا نبی فاتح بن کر بڑی شان و شوکت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے سیدنا یوسف علیہ السلام کو مختلف قسم کی آزمائشوں میں ڈالا ---- دکھوں اور مصیبتوں میں مُبتلا کیا ---- شفیق والد سے جدائی، کنعان کے کنویں میں تین دن اور راتیں، بھائیوں کے ظلم و ستم، مصر کے بازار میں بکنا، زلیخا کے رنگین جال، زنانِ مصر کے پھندے، طویل عرصہ تک جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری۔

ان تمام تر آزمائشوں کے بعد، امتحانات کے بعد، مصائب اور تکالیف کے بعد، غموں اور دکھوں کے بعد ---- اب کامیابیاں ملنے لگی ہیں ---- اب کامرانیاں قدم چُومنے لگی ہیں ---- اب عظمتیں عطا ہونے لگی ہیں ---- اب دُنیا کی

سرخروئی غلام بننے لگی ہے ----- اللہ اللہ پروردگار کی شان کریمی دیکھیے ---- داتا کی نوازش دیکھیے ---- غوث الاعظم کی دستگیری دیکھیے --- قادر و قدیر مَولا کی قدرت دیکھیے --- مَولا کے عطاو کرم کی بارش دیکھیے ---- کہ کل جو یوسفؑ ایک غلام تھا---- جسے بھائی ایک ویران کنویں میں پھینک آئے تھے ---- جو یوسفؑ مصر کے بازار میں فروخت ہُوا تھا--- تو پہلے اسے عزیزِ مصر کے گھر کا مُختار بنادیا --- پھر دُنیوی لحاظ سے بے بس اور بے آسرا یوسفؑ کو جیل سے نکالا تو مملکتِ مصر کا مُختار بنادیا--- کنویں کی تاریک گہرائی سے نکالا اور عزیزِ مصر کے روشن محل میں پُہنچادیا---- پھر جیل کی تنگی سے نکالا اور مصر کے تخت پر بٹھا دیا۔

دُوسری بات

دوسری بات یہ سمجھ آئی کہ---- اگر کوئی شخص یہ سمجھتا اور یہ جانتا ہو کہ میرے سوا کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں ہے --- جو اس منصب اور اس عہدے کے لائق ہے ---- اور اس عہدے کی ذمہ داریاں نبھا سکتا ہے --- تو اس شخص کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اس منصب اور اس عہدے کے لیے پیش کرے اور اس ذمہ داری کو اٹھائے ---- اور اگر اس سے بہتر اور باصلاحیت لوگ موجود ہوں ----- تو پھر عہدے اور منصب کی تمنا کرنا جائز نہیں ہے۔ (امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا جو شخص ہم سے عہدے کی تمنا کرتا ہے ہم اسے عہدہ نہیں دیتے)

سیدنا یوسف علیہ السّلام جانتے تھے کہ آنے والے حالات میں--- دوسرا کوئی شخص اس ذمہ داری کو اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا ---- اور میں بہتر اس ذمہ داری کو نبھا سکتا ہوں۔ اس لیے فرمایا:

﴿ اِجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ﴾

تیسری بات

اس واقعہ سے تیسری بات یہ سمجھ آئی کہ سیدنا یوسف علیہ السّلام کی ذاتِ گرامی پر جتنی آزمائشیں آئیں اور جتنے

مصائب کا اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کا سبب ان کا ظاہری حسن و جمال بنا
----- اب سیدنا یوسف علیہ السلام کو عظمتیں اور رفعتیں اور بلندیاں اور عروج ملنے
لگا تو اس کا سبب علم بنا ----- فرمایا مجھے ملک کے خزانوں کا نگران بنا دے
---- ﴿اِنِّی حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾

(علم ہر حال میں نافع ہوتا ہے۔ چاہے وہ علم دنیا ہی کا کیوں نہ ہو ---
اور چاہے وہ علم غلط چیز ہی کا کیوں نہ ہو ---- آپ نے نہیں دیکھا کہ سیدنا موسیٰ
علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والے جادو کا علم رکھتے تھے ---- جادو گر تھے
---- انھیں یہ علم کام دے گیا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو سانپ
بنتے ہوئے اور ان کے ڈھونگ کو نگلتے ہوئے --- دیکھتے رہے اور سمجھ گئے کہ
یہ جادو تو نہیں ہے پھر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔)

یوسفؑ وزیرِ خزانہ

سیدنا یوسف علیہ السلام نے وزارت خزانہ کا
منصب اور ذمہ داری سنبھالنے کے بعد
----- بادشاہ کے خواب کی تعبیر کی روشنی میں وہ تمام تر تدابیر شروع فرمادیں جو
مخلوقات کے لیے مفید اور بہتر ہو سکتی تھیں --- پہلے سات سال جو خوشحالی کے تھے،
اُن میں پیداوار اور زراعت کی طرف خصوصی توجہ دی --- خوب غلہ جمع کیا جسے
خوشوں میں ہی محفوظ کر لیا گیا --- آخر سات سال خوشحالی کے گزر گئے اور قحط سالی
کے سال شروع ہو گئے --- بارشیں بند ہو گئیں اور سرسبز و شاداب علاقوں میں
خاک اُڑنے لگی --- خوراک کا قحط مسلط ہو گیا --- لوگ اناج کے محتاج ہو گئے
--- مصر میں پڑنے والے اِس قحط کا اثر آس پاس کے علاقوں میں بھی پڑنے لگا ---
سیدنا یوسفؑ کا آبائی علاقہ کنعان بھی قحط کی لپیٹ میں آ گیا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے خوشحالی کے سات سالوں میں کثیر مقدار میں
پیدا ہونے والے اناج اور غلہ کو ایسی خوبصورتی اور حکمت عملی سے محفوظ فرمایا

تھا کہ قحط سالی کے زمانے میں صرف مصر کے اپنے عوام ہی کے لیے نہیں ارد گرد کے علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے لیے بھی غلّہ کی فراہمی شروع ہوگئی۔

کنعان کے رہنے والے بھی غلّہ لینے کے لیے عزیزِ مصر کی خدمت میں پہنچنے لگے ---- سیدنا یعقوبؑ نے بھی اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ: عزیزِ مصر ---- غریب پرور شخص ہے ---- اس نے اعلان کر رکھا ہے کہ آس پاس کے حاجت مند اور ضرورت مند بھی سخاوت کے اس سمندر سے اپنا حصّہ وصول کر سکتے ہیں۔ لہٰذا تم مصر جاؤ اور گھر والوں کے لیے اناج اور غلّہ خرید کر لاؤ۔

برادرانِ یوسفؑ، یوسفؑ کے دربار میں

برادران یوسف ---- غلّہ اور اناج لینے کے لیے دربار یوسفؑ میں پیش ہوئے ---- سیدنا یوسف علیہ السلام شاہی لباس میں مَلبُوس ---- شاہانہ شان و شوکت اور عزت و وقار کے ساتھ تخت و تاج کے مالک کی حیثیت سے تشریف فرما تھے ---- اللّٰہ کی قدرت دیکھیے کہ ---- برادرانِ یوسف کا یہ قافلہ اپنے اس بھائی سے غلّہ لینے چلا ہے۔ جس بھائی کو وہ اپنے گُمان میں کسی مصری گھرانے کا معمولی اور ادنیٰ غلام اور غلام بھی گمنام بنا چکے تھے ---- برادران یوسف کے وہم و گُمان میں بھی نہیں تھا ---- ان کے دماغ کے کسی کونے کھدرے میں بھی نہیں تھا ---- کہ جس یوسف کو انھوں نے کنویں میں پھینکا تھا ---- وہ یوسفؑ مصر کا وزیر خزانہ ---- مصر کے تخت و تاج کا مالک بھی ہو سکتا ہے ---- برادرانِ یوسف کے وہم و گُمان میں بھی نہیں تھا ---- کہ ہمارے ظلم و تشدد کا شکار یوسفؑ ---- آج مصر کا کرتا دھرتا اور بادشاہ ہے ---- اور آج اسی یوسفؑ کے سامنے ہم ایک محتاج اور سوالی اور حاجت مند کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔

جوں ہی بھائی ---- یوسفؑ کے دربار میں حاضر ہوئے تو سیدنا یوسف

علیہ السلام نے بھائیوں کو پہچان لیا ----- اور سیدنا یوسفؑ کو پہچانتے میں دقت کیوں ہوتی؟ ---- ان کا رنگ ڈھنگ ----- خد و خال --- نین نقشے --- بول چال ---- انداز و اطوار ---- لب و لہجہ ---- یہ سب ادائیں سیدنا یوسفؑ کی جانی پہچانی تھیں ----- اور یقیناً سیدنا یوسف علیہ السلام کو پہلے اطلاع بھی دی گئی ہوگی کہ کنعان سے دس بھائیوں کا وفد ملاقات کا خواہش مند ہے۔

برادرانِ یوسف ---- سیدنا یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے --- یوسفؑ کو پہچان بھی کس طرح سکتے تھے ---- چالیس سال پہلے جس چودہ سال کے بچے کو انھوں نے کنویں میں ڈالا تھا وہ آج چون (۵۴) سال کا یوسفؑ تھا --- چہرے کے انداز، اطوار، صورت و شکل سے کچھ وہم ہوتا بھی ---- تو یہ سوچ اس وہم کو فوراً دور کر دیتی کہ شاہانہ لباس میں ملبوس، زر نگار کرسی پر جلوہ افروز ---- جس کے حکم کی تعمیل کے لیے سینکڑوں ملازم دست بستہ کھڑے ہیں --- مصر کے تخت و تاج کا مالک ---- یہ وہ یوسفؑ کیونکر ہو سکتا ہے جسے ہم نے تاریک کنویں میں پھینکا تھا؟ --- یوسف اور تختِ شاہی بھلا یہ کیونکر ممکن ہے؟۔

قرآن مجید برادرانِ یوسف کا مصر آنا اور سیدنا یوسفؑ کے سامنے پیش ہونے کو اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿ وَ جَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴾

یوسف علیہ السلام کے بھائی (غلہ خریدنے کے لیے) مصر آئے۔ وہ جب یوسفؑ کے ہاں پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو اسی وقت پہچان لیا، اور بھائی یوسفؑ کو نہ پہچان سکے۔ (۱۲ : ۵۸)

بھائیوں سے بات چیت

برادرانِ یوسف نے اپنی گھریلو پریشانیوں کا تذکرہ کیا۔ اپنے معاشی حالات کی ابتری کی داستان سنائی، اپنی اور اپنے کنبے کی بھوک کا رونا رویا۔

اس دوران سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے جذبات کو پوری طرح قابو میں رکھا اور ایک اجنبی اور انجان آدمی کی طرح ان کے گھر کے معاملات اور حالات دریافت فرماتے رہے ---- کرید کرید کر حالات پوچھے تو معلوم کرلیا کہ میرا حقیقی بھائی بنیامین اور میرے والد مکرم زندہ ہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے پوری فراخ دلی اور وسعتِ قلبی سے بھائیوں کا ساز و سامان تیار کروایا ---- انھیں گیارہ بھائیوں کا غلہ عطا فرمایا ---- اور ساتھ ہی بھائیوں سے یہ بھی فرمایا کہ تم دوبارہ غلہ لینے کے لیے آؤ تو اپنے بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لانا۔ تاکہ مجھے پتا چل جائے کہ تم سچے ہو اور واقعی تمھارا گیارھواں بھائی بھی ہے۔

اور اگر تم اپنے بھائی بنیامین کو اپنے ساتھ نہ لائے تو پھر مجھ سے غلہ کی امید نہ رکھنا اور میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔

بھائی جواب میں کہنے لگے:

﴿سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ﴾ (۱۲ : ۶۱)

ہم بنیامین کو ساتھ لانے کا مطالبہ اپنے والد سے کریں گے اور ہم لازماً ایسا کریں گے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کی تدبیر

جب غلہ بوریوں میں بند ہو گیا اور بھائی رخصت ہونے لگے تو سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے ملازموں اور خادموں سے فرمایا:

﴿اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ﴾ (۱۲ : ۶۲)

ان کا سرمایہ اور غلہ کی قیمت ان کے سامان میں اس طرح رکھ دو کہ انھیں پتا بھی نہ چلے اور گھر جا کر سامان کھولیں تو اچانک معلوم ہو کہ غلہ کی قیمت واپس کردی گئی ہے ---- شاید اس طرح وہ جلدی میرے پاس دوبارہ آئیں

سیدنا یوسف علیہ السلام نے غلہ کی قیمت اپنے بھائیوں کو واپس فرمادی ---- اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

شاید اس لیے کہ غریب اور نادار بھائیوں سے غلہ کی قیمت وصول کرنا سیدنا یوسفؑ کے لطف و کرم سے بعید تھا۔ یا۔

شاید اس لیے کہ بھائیوں کے پاس دوبارہ غلہ لینے کے لیے سرمایہ نہ ہو اور اس وجہ سے وہ دوبارہ مصر نہ آسکیں۔ یا۔

شاید اس لیے کہ پیغمبر زادے ہیں ---- اور خود سیدنا یعقوب علیہ السلام، بقیدِ حیات ہیں ---- امین اور دیانت دار لوگوں کا گھرانہ ہے ---- میری واپس کی ہوئی پونجی کو حلال نہ سمجھیں گے۔ اس لیے دوبارہ مصر جلد از جلد آئیں گے۔ (مظہری، ابنِ کثیر)

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس کی ایک وجہ یہ تحریر فرمائی کہ:

سیدنا یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ والد گرامی قدر کی تنگدستی و فاقہ کشی کو اس تدبیر سے دور کیا جائے۔

بہر کیف ان وجوہات میں سے جو وجہ بھی سیدنا یوسف علیہ السلام کے دل میں تھی ---- اس کا سبب یہ تھا کہ بھائی جلد از جلد دوبارہ مصر آئیں اور میرے حقیقی بھائی بنیامین کو ساتھ لائیں تا کہ مدتوں بعد بھائی سے ملاقات ہو۔

ذرا دیکھیے تو سہی! ------ خون کا عظیم اور مضبوط رشتہ کیا کیا رنگ دکھا رہا ہے ---- بھائی کی محبت میں لطف و کرم کی کس طرح بارش ہو رہی ہے ---- سیدنا یوسف علیہ السلام کس کس طرح سے ---- اور کس کس حیلے سے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس لانے کی ---- اور اسے ملنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔

اور اس کے مقابلے میں ایک ہم ہیں ---- کہ خون سفید ہو گیا ہے

اور اتنا سفید ہو گیا ہے کہ بھائی کو قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے ----- اور قتل بھی چند ٹکوں کے لیے ---- چند گز زمین کے لیے ---- چھوٹی سی دکان کے لیے ---- ہم نے ان مقدس رشتوں کو اور رشتوں کی محبت کو عداوت اور دشمنی میں بدل دیا ہے ----- اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

بھائیوں کی واپسی

برادرانِ یوسف گھر پہنچے تو عزیزِ مصر سے ملاقات، گفتگو اور سفر کی تمام سرگزشت اپنے والدِ گرامی کو سنائی ---- کہ

﴿ يَآ اَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ ﴾ (۱۲ : ۶۳)

بابا --- ہم سے غلہ روک دیا گیا ہے --- اور عزیزِ مصر نے شرط لگائی ہے کہ اپنے بھائی بنیامین کو ساتھ لاؤ گے تو غلہ ملے گا، ورنہ مصر آنے کا قصد بھی نہ کرنا۔ لہذا:

﴿ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ (۱۲ : ۶۳)

آپ ہمارے ساتھ بنیامین کو بھیجیں، تا کہ ہم غلہ لا سکیں اور ہم یقیناً بنیامین کی حفاظت کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے مطالبہ کے جواب میں فرمایا:

﴿ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ﴾ (۱۲ : ۶۴)

کیا میں بنیامین کے بارے تم پر ویسے ہی اعتبار اور اعتماد کروں جس طرح اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف کے بارے میں اعتبار کر چکا ہوں۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کے اس ارشاد پر معمولی سا غور اور تھوڑا سا فکر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اعتبار بیٹوں سے اٹھ چکا تھا ----- وہ اس سے پہلے یوسفؑ کو اپنے ساتھ لے کر جانے لگے تھے، تب بھی کہا تھا: اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ یقیناً ہم یوسف کی حفاظت کریں گے ---- پھر انھوں نے یوسفؑ کی

کس خُوبصُورتی کے ساتھ حفاظت کی؟ ------ آج برادرانِ یوسف پھر وہی جُملہ دہرانے لگے ہیں۔ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ---- مگر ایک مرتبہ اعتماد اٹھ جائے تو پھر دوبارہ بحال ہونا ناممکن تو نہیں مگر محال ضرور ہے۔

آج سیدنا یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کے نہایت تاکیدی جُملے اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کے جواب میں فرما رہے ہیں ---- میں تمھیں اچھی طرح جانتا ہوں ---- میں تُمھاری حفاظت کے مؤکد وعدوں کی حقیقت سے بھی باخبر ہوں ---- مجھے تُمھارے وعدوں، قسموں اور اقراروں کا رتی بھر یقین اور اعتبار نہیں --- مگر غلے کا لانا مجبُوری ہے اور بادشاہ مصر نے قید لگادی ہے کہ جب تک گیارھویں بھائی کو اپنے ساتھ نہیں لاؤ گے تو پھر تم بھی غلے کے لیے مصر کا رخ نہ کرنا۔

اس لیے بنیامین کو تمھارے ساتھ روانہ کرنا پڑے گا --- مگر جس حفاظت و نگہبانی کا وعدہ تم مجھ سے کر رہے ہو --- تم کیا اور تُمھاری حفاظت کیا؟۔

﴿ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۖ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ (۱۲ : ۶۴)

پس اللہ بہتر محافظ اور مہربانوں میں سے سب سے زیادہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

محافظ حقیقی اللہ ہی ہے

سیدنا یعقوب علیہ السلام کے اس ارشاد سے معلُوم ہوا کہ حقیقی محافظ ---- اور ہر حال میں ہر انسان کی حفاظت اور نگہبانی کرنے والی ذات صرف اور صرف اللہ ربُّ العزت کی ہے ---- جس نے کنویں میں یوسفؑ کی حفاظت فرمائی اور جان بچائی ---- پھر زلیخا کے دربار میں یوسفؑ کی حفاظت فرمائی اور آن بچائی ---- جس نے سیدنا یعقوبؑ کے دادا جد الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی آگ میں حفاظت فرمائی اور ان کا ایک بال بھی بیکا نہ ہونے دیا ---- سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی میں حفاظت فرمائی ---- سیدنا یونسؑ کی حفاظت فرمائی مچھلی کے پٹ

میں ---- اصحابِ کہف کی حفاظت فرمائی غار میں سلا کے ---- سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور انھیں دشمنوں کے چنگل سے نکال کر آسمانوں پر اٹھا لیا ---- سیدنا اسماعیلؑ کی حفاظت فرمائی اور چھری کے نیچے سے بچا لیا ---- سیدنا موسیٰؑ کو حفاظت کے ساتھ دریا کے پار اتار دیا ---- وہی اللہ محافظِ حقیقی ہے جس نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبرؓ کی حفاظت فرمائی اور غار ثور میں دشمنوں کی بُری نظروں سے بچایا ---- پھر بدر میں حفاظت فرمائی اور دشمنوں کی تلواروں کو کند کر کے رکھ دیا ---- پھر خندق میں حفاظت فرمائی اور تیز آندھی چلا کر دشمن کے لشکر کو تتر بتر کر دیا ---- یہ بات اور یہ عقیدہ ذہن میں بٹھا لیجیے کہ ہمارا حقیقی محافظ صرف اور صرف اللہ ربُّ العزت ہے۔

سامان کھولا

اس گفتگو سے فارغ ہو کر اب انھوں نے اپنا سامان کھولا ---- تو حیران ہو گئے کہ غلے کی قیمت ان کو واپس کردی گئی ہے۔ یہ دیکھ کر کہنے لگے:

بابا! دیکھیے ہمیں اور کیا چاہیے ---- غلہ بھی مل گیا اور کریم النفس بادشاہ نے غلے کی قیمت بھی واپس کردی ہے ---- اب آپ بنیامین کو ہمارے ساتھ ضرور بھیجیے۔ ہم مصر جائیں اور گھر والوں کے لیے مزید غلہ لائیں۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کا اعتماد اور اعتبار بیٹوں سے اٹھ چکا تھا ---- یہ یوسفؑ کو لے جاتے وقت بھی حفاظت و نگہبانی کی بڑی باتیں کرتے تھے ---- مگر قحط سالی کی مجبوری پاؤں کی زنجیر بن گئی ---- فرمایا:

﴿ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ﴾ (۱۲ : ۶۶)

میں بنیامین کو تمھارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا، یہاں تک کہ تم اللہ کی قسم کھا کر میرے ساتھ مضبوط اور پختہ وعدہ اور عہد کرو کہ لازماً بنیامین کو واپس

میرے پاس لاؤ گے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ تم سب پر ایسی مصیبت ٹوٹ پڑے کہ تم سب اس مصیبت کے گھیرے میں آجاؤ۔

برادرانِ یوسف نے پختہ وعدہ اور مضبوط عہد کیا اور ہر طرح سے بابا کو یقین دلایا کہ ہم بنیامین کو ضرور واپس لائیں گے۔

تب سیدنا یعقوب علیہ السلام بنیامین کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ ہوئے اور فرمایا:

کیا تم اور کیا تمھارا وعدہ اور کیا تمھارا عہد ---- اور کیسی تمھاری حفاظت ---- ﴿ اَللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴾ (۱۲: ۶۶) ---- ہم سب کو اپنے اس معاملہ میں اللہ ربُ العزت کی حفاظت اور نگہبانی کی ضرورت ہے ---- لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی ہماری اس گفتگو ---- اور ہمارے اس عہد و پیمان کا ضامن اور نگہبان ہے۔

سیدنا یعقوبؑ کی بیٹوں کو نصیحت

برادرانِ یوسف اس قول و قرار اور عہد و پیمان کے بعد بنیامین کو ہمراہ لے کر جب مصر روانہ ہونے لگے تو سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ---- کہ مصر شہر میں ایک دروازے سے اکٹھے داخل نہ ہونا، بلکہ الگ الگ ہو کر مختلف دروازوں سے مصر میں داخل ہونا۔ (پہلے دور میں شہروں کے گرداگرد فصیل ہوتی تھی اور شہر میں داخل ہونے کے کئی دروازے ہوتے تھے جو رات کو بند کر دیے جاتے تو پورا شہر بیرونی خطرات سے محفوظ ہو جاتا تھا۔) تاکہ تمھارے حسن و شباب، تمھارے قد کاٹھ، تمھارے جاہ و جلال، تمھاری قوت و جوانی کو دیکھ کر تمھیں کسی بدخواہ کی نظر نہ لگ جائے۔

یہ بات تقریباً تمام مفسرین نے تحریر فرمائی ہے: خَافَ عَلَيْهِمُ الْعَيْنَ ---- کہ سیدنا یعقوبؑ نے یہ تدبیر اس خوف کی وجہ سے تجویز فرمائی کہ کہیں

بیٹوں کو نظر نہ لگ جائے۔ (دیکھیے تفسیر مظہری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر رازی)

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر جواہر القرآن میں فرماتے ہیں:

مصر میں سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ تاکہ تم کو کسی کی نظر بد نہ لگ جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حسن و جمال اور قوت و قامت کی خوبیاں عطا فرمائی تھیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا خیال ہے کہ:

پہلی مرتبہ برادرانِ یوسف جب مصر آئے تھے تو ان پر جاسوسی کا گمان کیا جا چکا تھا، اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ الزام نہ لگایا ہو لیکن مصریوں نے ضرور ان پر شبہ کیا تھا، اور حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹوں کی زبانی پوری تفصیلات سن چکے تھے۔ لہذا انھوں نے سوچا کہ اگر گیارہ نوجوان اس کروفر سے ایک ساتھ شہر میں داخل ہوں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ عزیز مصر کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی جاسوسی کے الزام میں گرفتار کر لیے جائیں۔ اس لیے نصیحت فرمادی کہ ایک جتھا بن کر شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ جدا جدا دروازوں سے مسافروں کی طرح داخل ہونا۔ (قصص القرآن)

سیدنا یعقوبؑ کی توحید پرستی

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نظر بند اور حسد کے اندیشہ سے یہ نصیحت فرمائی مگر اس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری سمجھا کہ اللہ کی تقدیر ---- اور اللہ کے فیصلوں کے آگے ---- میری بتائی ہوئی تدبیر کوئی فائدہ نہیں دے سکتی ---- میری بتائی ہوئی تدبیر اللہ کی مشیت ---- اور اللہ کی فیصلوں کو ٹال نہیں سکتی ---- فیصلہ اور اختیار تو صرف اللہ ہی کا چلتا ہے ---- فرمایا:

﴿ وَمَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ ۚ وَعَلَیْہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ﴾ (۱۲ : ۶۷)

اور میں تمھیں اللہ کی کسی تقدیر سے بچا نہیں سکتا۔ حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے ---- اسی اللہ پر میرا بھروسا ہے اور بھروسا کرنے والوں کو اسی اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے۔

مسئلہ سمجھ آ گیا

سیدنا یعقوب علیہ السلام کے اس ارشاد سے یہ بات اور یہ حقیقت۔ اور یہ مسئلہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا ---- کہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر مرحلے پر خوشی ہو یا غمی ---- صحت ہو یا بیماری ---- خوشحالی ہو یا تنگ دستی ---- سکھ ہو یا دکھ ---- مصیبت ہو یا راحت ---- امن ہو یا خوف ---- موت ہو یا زندگی ---- ہر ہر معاملے میں اختیار چلتا ہے تو صرف اللہ ہی کا چلتا ہے ---- اللہ کے سوا کسی دوسرے کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے ---- اگر مخلوق میں سے کسی کو اختیار حاصل ہوتا تو سیدنا یعقوبؑ کو حاصل ہوتا۔ اور اگر انھیں کچھ بھی اختیار حاصل ہوتا تو وہ یہ نہ فرماتے

مَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ میں اللہ کی تقدیر کے مقابلے میں تمھارے کسی کام نہیں آسکتا۔

سامعین گرامی قدر ! مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیجیے ---- یہ تو سیدنا یعقوب علیہ السلام ہیں ---- آج میں تمھیں ان کی بات سناؤں جو صرف نبی نہیں امام الانبیاء ہیں ---- جو صاحبِ قرآن ہیں ---- جو صاحب معراج ہیں ---- جو حوض کوثر کا ساقی ہے ---- جو مقام محمود کا دولھا ہے ---- جو مخلوقات میں سب سے اعلیٰ و برتر ہے ---- اولیٰ و بالا قدر ہے -------- سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زبان مقدس سے اعلان کروایا گیا:

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ﴾

میرے پیغمبر کہہ دیجیے میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے۔ (سورۂ اعراف ۷ : ۱۸۸)

قرآن نے ایک اور جگہ پر فرمایا :

﴿ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴾ (جن ۷۲ : ۲۱)

کہہ دیجیے میں تمھارے لیے کسی نقصان اور بھلائی کا مالک نہیں ہوں

جو الفاظ اور جو کلمات سیدنا یعقوبؑ نے استعمال فرمائے وہی کلمات اور وہی الفاظ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے۔

یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اِشْتَرُوْا اَنْفُسَکُمْ لَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔

اے قریش ! اپنے آپ کو دوزخ سے چھڑا لو۔ میں اللہ کے مقابلے میں تمھارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۲)

پھر آپؐ نے اپنے پیارے چچا حضرت عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

یَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَآ اُغْنِیْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔

اے عباسؓ میں اللہ کے مقابلے میں تیرے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔

پھر اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کو فرمایا :

یَا صَفِیَّةُ عَمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَآ اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔

پھر اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

یَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَلِیْنِیْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِیْ لَآ اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۲)

اے محمد عربی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بیٹی فاطمہؓ میرے مال میں سے جتنا چاہتی ہے مانگ لے مگر میں اللہ کے دربار میں تجھے کوئی فائدہ نہیں دے سکوں گا۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں :

بیٹو! ﴿ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ﴾ ----- حکم اور فیصلہ تو اللہ ہی کا چلتا ہے ---- ہوتا وہی ہے جو اللہ اکیلا چاہتا ہے۔

﴿ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ ﴾ ----- میں بھی بھروسا اور توکل صرف اس کی ذات پر کرتا ہوں ----- اور توکل اور بھروسے کے لائق ذات صرف اور صرف اسی کی ہے۔ ہر بھروسا کرنے والے کو اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔

حکم اور فیصلہ بھی اُسی کا چلتا ہے۔ کیونکہ مختارِ کُل اور متصرف فی الامور صرف اور صرف وہی ہے اور توکل اور بھروسا بھی صرف اُسی کی ذات پر کرنا چاہیے کہ مالک و مختار ہونے کے ساتھ ساتھ عالم الغیب بھی صرف اور صرف وہی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین
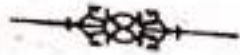
سیّدنا یوسف علیہ السّلام ۴

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰی اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ الخ۔ (۱۲ : ۶۹) (صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

گزشتہ خُطبہ میں آپ سُن چکے ہیں اور مَیں بیان کرچکا ہُوں کہ سیدنا یعقوب علیہ السّلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی تھی کہ مصر شہر میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا، بلکہ مُتفرق اور جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا ----- سیدنا یعقوب علیہ السّلام چاہتے تھے کہ بیٹے کسی مُصیبت اور پریشانی کا شکار نہ ہوجائیں۔

مگر قرآن کہتا ہے کہ بیٹے اپنے والد گرامی قدر کے حکم کے مطابق الگ الگ دروازوں سے داخل ہوئے، مگر-----

﴿مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا﴾ (سورۂ یوسف ۱۲ : ۶۸)

حضرت یعقوبؑ اللہ کی تدبیر کے حکم کو بیٹوں سے ٹال نہیں سکتے تھے۔ وہ تو صرف یعقوبؑ کے دل میں ایک خواہش تھی، جسے انھوں نے پُورا کیا۔

(آگے جا کر بھائی ایک بڑی مصیبت میں گرفتار اور ایک زبردست پریشانی کا شکار ہو گئے، میں اسے کچھ دیر بعد بیان کرتا ہوں)

کنعان سے مصر جاتے ہوئے راستے میں بنیامین کو بھائی تنگ کرتے رہے اور مختلف طعنوں سے زچ کرتے رہے ----- کبھی کہتے آخر ہمارا بابا تم سے اتنی محبت کیوں رکھتا ہے کہ لمحہ بھر کے لیے تیری جدائی برداشت نہیں کر سکتا ----- ہر وقت تجھے اپنی نظروں کے سامنے رکھتا ہے ----- اور کبھی حسد میں جل بھن کر کہتے کہ آخر کار عزیز مصر نے خاص کر کے تجھے کیوں بلایا ہے -----
بنیامین معصومیت سے اور مظلومیت سے یہ سب طعنے، پھبتیاں، مذاق سنتا رہا، اور خاموشی سے ہر دکھ سہتا رہا۔

﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْ اَنَا اَخُوْكَ﴾

اور جب سب بھائی یوسفؑ کے ہاں پہنچے اور یوسفؑ نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس جگہ دی اور اسے بتایا کہ میں تیرا بھائی یوسفؑ ہوں۔

(بنیامین پیغمبر زادہ ہے ----- ایک پیغمبر کی گود میں پروان چڑھا ہے ----- پیغمبر کی نگرانی میں پلا ہے ----- مگر اُسے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے بھائی یوسفؑ کے بارے کوئی علم نہیں ہے ----- جیتے جاگتے بنیامین کو ----- پیغمبر زادے کو یہ پتا نہیں ہے کہ سامنے بیٹھا ہوا وزیرِ خزانہ میرا حقیقی اور پیارا بھائی یوسفؑ ہے ----- آج لوگ فوت شدہ بزرگوں کے بارے عقیدہ رکھتے ہیں کہ انھیں قبر پر بیٹھے ہوئے پرندے کے بارے پتا ہوتا ہے کہ یہ پرندہ نر ہے یا مادہ؟۔

لوگو! خوب غور سے یہ مسئلہ سُن لو اور اپنے عقائد کی اصلاح کرلو کہ عالم الغیب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے ----- مخلوقات میں سے کوئی بھی اس صفت میں اللہ کے ساتھ شریک اور ساجھی نہیں ہے -----

قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے:

﴿ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ (نمل ۲۷ : ۶۵)

(آسمانوں میں رہنے والی مخلوق اور زمین میں بسنے والی مخلوق غیب نہیں جانتے۔ یہ خاصہ صرف اللہ ربُّ العزت کا ہے)

سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو تسلی دی کہ دکھوں اور مصیبتوں کا دور گزر گیا۔ بھائیوں کا ایذا رسانیوں اور ستانے کا زمانہ گزر گیا ---- ﴿ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ جو بدسلوکی اور جو کارروائی بھائی تُمھارے ساتھ کرتے رہے ہیں تو ان پر افسردہ اور غمگین نہ ہو۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے دوسرے بھائیوں کی خاطر مدارات اور مہمان نوازی میں بھی کمی نہیں فرمائی ---- انھیں شاہی مہمان بنایا ---- ان کے لیے پر تکلف کھانوں کا اہتمام فرمایا۔ جب بھائی رخصت ہونے لگے تو حسبِ منشاء ان کے اونٹوں کو غلے سے لاد دیا ---- سیدنا یوسف علیہ السلام کی دلی تمنا تھی کہ اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیں اور بنیامین کی آرزو بھی یہی تھی کہ اپنے وزیر خزانہ بھائی کے ہاں قیام کروں ---- مگر حکومتِ وقت کے دستور اور قانون کے مطابق وہ کسی غیر مصری کو ملک مصر میں روک نہیں سکتے تھے ---- اور سیدنا یوسف علیہ السلام کسی مصلحت کے تحت یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ عام لوگوں پر اور خاص کر کے بھائیوں پر یہ راز اور یہ حقیقت کھل جائے کہ میں یوسف ہوں۔

اس بنا پر دل پر پتھر رکھ کر انھوں نے اپنے بھائیوں کو اور خاص کر کے بنیامین کو رخصت کیا۔ مگر پیار و محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اتنا کیا کہ اپنا چاندی یا پیتل یا سونے کا پیالا بطور نشانی چپکے سے بنیامین کے کجاوے میں اس کی بوری کے اندر رکھ دیا۔

﴿ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ اَخِيْهِ ﴾

پھر جب ان کا اسباب تیار کر دیا تو پیالا اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھ دیا۔ جب قافلے میں یہ بھائی جا رہے تھے اس قافلے نے تھوڑی مسافت ہی طے کی ہو گی کہ اِدھر شاہی دربار میں شاہی برتنوں کی دیکھ بھال ہوئی۔ یا اس پیالے کی ضرورت پیش آئی ----- دیکھا، تلاش کیا۔ مگر پیالا ندارد ---- درباریوں نے سمجھا کہ شاہی محل میں کنعانیوں کے سوا کوئی اور نہیں آیا ---- اس لیے یہ پیالا انہی لوگوں نے چرایا ہو گا ---- درباری اور شاہی اہل کار دوڑے ---- کنعانی قافلے کا تعاقب کیا اور بلند آواز سے ایک پکارنے والے نے پکارا:

﴿ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴾ (۱۲ : ۷۰)

اے قافلے والو تم چور ہو۔

برادرانِ یوسف یہ سنگین الزام سُن کر مبہوت اور دہشت زدہ ہو گئے۔ اور مڑ کر پُوچھنے لگے:

﴿ مَاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴾ (۱۲ : ۷۱)

تُمھاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟۔

﴿ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ ﴾ (۱۲ : ۷۲)

شاہی کارندے کہنے لگے: بادشاہ کا پیمانہ (کٹورا) گم ہو گیا ہے ----- اور جو شخص اس پیمانے کو لائے اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ (یعنی غلّہ) انعام ہے اور میں اس انعام کا ضامن ہوں۔

برادرانِ یوسف نے کہا:

تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ (۱۲ : ۷۳)

اللہ کی قسم تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم زمین میں (یعنی تُمھارے ملک مصر میں) فساد اور شرارت کی غرض سے نہیں آئے۔ اور نہ ہم چور ہیں۔

برادرانِ یوسف نے دو چیزوں پر قسم کھائی ہے ----- ایک یہ کہ وہ مصر میں فتنہ و فساد اور شرارت کرنے کے لیے نہیں آئے ----- اور ان کی اس بات پر اور ان کے اس دعویٰ پر ان کا کردار ------ اور ان کا چال چلن واضح دلیل تھا ----- وہ اپنے جانوروں کے مُنہ بھی باندھ کر رکھتے تھے کہ بغیر اجازت کسی کے کھیت میں نہ چرتے رہیں --- اور وہ خود بھی عبادات و اعمال میں مشغُول و مصروف رہتے تھے۔ جو لوگ عبادات و معاملات میں اتنے مُحتاط ہوں وہ فسادی اور شرارتی کیونکر ہوسکتے ہیں؟۔

دُوسری بات جس پر انھوں نے قسم کھائی کہ ہم چور نہیں ہیں، اس کی دلیل یہ تھی کہ پہلی مرتبہ جب سیدنا یوسف علیہ السلام نے ان کی رقم ان کی بوریوں میں واپس رکھ دی تھی تو وہ رقم انھوں نے آکر شاہی کارندوں کو واپس کردی تھی ----- اور چور اس طرح نہیں کرتے۔

فسادی کون؟

برادرانِ یوسف کے اس جواب سے معلُوم ہوا کہ اصل فسادی وہ لوگ ہیں جو چوریاں کرتے ہیں --- ڈاکا زنی کرتے ہیں ----- رشوت اور سود کے ذریعے حرام مال کماتے اور کھاتے ہیں ---- ملک و قوم کے اربوں روپے کھاکر غیر ممالک میں اپنی جائیدادیں بنانے والے ---- اپنا سرمایہ غیر ملکی بینکوں میں مُنتقل کرنے والے اصل فسادی ہیں۔

آج پروپیگنڈے کے زور پر کہا جاتا ہے کہ "مولوی" فسادی ہے ---- مولوی اس وجہ سے فسادی ہے کہ تمھیں اور تُمھارے بچّوں کو قرآن اور دین کی تعلیم دیتا ہے ---- مولوی اس لیے فسادی ہے کہ روکھی سوکھی کھاکے دین کے گلشن کو آباد کیے ہوئے ہے ---- سردی ہو، گرمی ہو---- طوفان ہو یا ژالہ باری ہو پانچ وقت تمھیں نماز کے لیے بلاتا ہے۔

سنو ! اصل فسادی وہ ہیں جو عدالتوں میں جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں ---- جھوٹ بول کر سودا بیچتے ہیں ---- کم تولتے اور کم ماپتے ہیں ---- رشوت کا کاروبار کرتے اور فخر سے سود کھاتے ہیں ---- بینکوں سے قوم کے کروڑوں اور اربوں روپے کا قرضہ لے کر بغیر ڈکار کے ہضم کر جاتے ہیں ---- سڑکوں، اسکولوں، ہسپتالوں کی تعمیر میں ناقص میٹیریل استعمال کرکے اور کمیشن کے نام پر روپیہ ہضم کرکے ملک دشمنی اور ملت دشمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ برادرانِ یوسف نے کہا کہ ہم چور نہیں ہیں اور ہم یہاں مصر میں فساد کی غرض سے نہیں آئے۔

حضرت یوسفؑ کے کارندوں نے کہا اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے ---- اور تم میں سے کسی کی بوری میں وہ پیالا نکل آئے تو پھر اس چور کی سزا کیا ہونی چاہیے؟۔

برورانِ یوسف نے کہا:

اگر ہم میں سے کوئی چور ثابت ہوا تو اس کی سزا یہ ہے کہ چوری کے جرم میں اس کو غلام بنا کر آپ اپنے پاس رکھ لیں ---- (شریعتِ یعقوبؑ میں چور کی یہی سزا تھی) اب تمام معاملہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا تو انھوں نے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لینی شروع کی اور سب سے آخر میں بنیامین کے سامان کی تلاشی لی تو پیالا اس میں سے برآمد ہو گیا ---- بھائیوں کی اپنی تجویز کردہ سزا کے مطابق بنیامین کو پکڑ لیا گیا اور اسے سیدنا یوسفؑ نے اپنے پاس رکھ لیا۔

اللہ کی خُفیہ تدبیر

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ﴾ یوں ہم نے خُفیہ تدبیر کردی یوسفؑ کے لیے ورنہ تو وہ ---- ﴿ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾ ---- اپنے بھائی کو بادشاہِ مصر کے قانون کے مطابق

اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام اس طرح بنیامین کو پاکر بے حد مسرور ہوئے ---- اور اللہ رب العزت کی کارسازی اور خفیہ تدبیر پر شکر گزار ہوئے کہ جس بات پر میں پریشان اور بے قرار تھا کہ بنیامین کو کس طرح اپنے پاس رکھوں ----- اسے کس طرح روک لوں ----- مصر کے قانون میں اس کی اجازت نہیں تھی ---- مگر کوئی تدبیر میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی ----- اس کام کو میرے مشکل کشا مولا نے کتنے خوبصورت طریقے سے ----- اور کتنے احسن طریقے سے ---- اور کس قدر شاندار تدبیر سے آسان کر دیا۔

سامعینِ گرامی قدر ! اکثر مفسرین اور علماء کا خیال یہ ہے کہ سیدنا یوسفؑ اپنے بھائی بنیامین کو روکنا چاہتے تھے۔ مگر مصر کا قانون اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنا پیالا بنیامین کے سامان میں رکھ دیا تھا کہ اس طرح بنیامین چور بن جائے گا، اور میں اس کو اپنے پاس روک لوں گا۔

پھر ان مفسرین اور علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ سارا معاملہ ایک اسکیم تھی اور توریہ تھا۔ مگر میں نے جو کچھ بیان کیا ہے یہ صاحب قصص القرآن مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی تحقیق اور رائے کے مطابق بیان کیا ہے ----- اور اس بیان کے مطابق سیدنا یوسف علیہ السلام کا دامن توریہ اور مختلف اسکیموں سے پاک اور مبرا نظر آتا ہے۔

ایک مرتبہ پھر غور سے سنیے ---- کہ سیدنا یوسفؑ نے کسی سوچ سمجھ اسکیم کے تحت پیالا بنیامین کے سامان میں نہیں رکھا تھا، بلکہ بطور نشانی رکھا تھا، تاکہ بھائی کے پاس نشانی رہے ---- پھر اللہ رب العزت نے اپنی خفیہ تدبیر کے ذریعے اسی پیالا رکھنے کی وجہ سے سیدنا یوسفؑ کی دلی مراد کو پورا فرما دیا ----- اسی کی طرف اشارہ ہو رہا ہے :

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ---- یوں ہم نے یوسفؑ کے لیے خُفیہ تدبیر کر دی۔

برادرانِ یوسف کی بدحواسی

جب شاہی پیالا بنیامین کے سامان سے برآمد ہو گیا تو ان کی حاسدانہ رگ پھڑک اٹھی اور سیدنا یوسفؑ کے سامنے کہنے لگے:

﴿ اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ﴾ (۱۲: ۷۷)

اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو تعجب کی بات نہیں۔ اس سے پہلے اس کا بھائی (یوسف) بھی چوری کر چکا ہے۔

سیدنا یوسفؑ نے بڑے حوصلے اور صبر سے بھائیوں کی یہ دل آزار اور تکلیف دہ گفتگو سنی ---- ضبط سے کام لیا اور دل ہی دل میں اتنا کہا:

﴿ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴾ (۱۲: ۷۷)

تم بہت ہی برے لوگ ہو --- اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

اور کچھ مفسّرین نے کہا کہ ---- سیدنا یوسفؑ نے حقیقتِ حال کو تو ظاہر نہ فرمایا ---- مگر بھائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے اور انھیں شرمندہ کرتے ہوئے فرمایا ---- ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ ہم چوری کے قریب تک کبھی نہیں گئے اور اب غیر حاضر بھائی پر بھی چوری کا الزام لگا رہے ہو ---- اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ چوری کرنا تُمھارا خاندانی پیشہ ہے ---- یہ کیسا برا مقام ہے جو تم نے اختیار کیا ہے۔

برادرانِ یوسف کا باہمی مشورہ

برادرانِ یوسفؑ نے جب یہ رنگ اور یہ حالات دیکھے ---- بنیامین کی گرفتاری ---- تو بہت پریشان ہوئے اور کنعان سے رخصت ہوتے ہوئے اور بنیامین کو ساتھ لاتے ہوئے جو وعدے ---- اقرار ---- اور

جو پختہ عہد و پیمان انھوں نے کیے تھے وہ یاد آنے لگے ----- انھوں نے بنیامین کو حاصل کرنے کے لیے عزیزِ مصر (یوسف) کی منتیں کرنا شروع کیں ---- لہجہ خوشامدانہ اپنا لیا ----- وہی بھائی جو کبھی شعلے کی طرح لپکتے اور بھڑکتے تھے اب رونے، لجاجت و منت کرنے اور ہاتھ جوڑ کر زاریاں کرنے پر آ گئے۔

﴿یَاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا﴾ (۱۲ : ۷۸)

ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے اور اس سے پہلے وہ اپنے ایک بیٹے کی جدائی کا غم اور دکھ برداشت کر رہا ہے ---- اسے بنیامین سے بہت محبت اور پیار ہے۔ آپ ہم پر کرم اور مہربانی کر کے بنیامین کو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ ہم میں سے جس کو چاہیں اپنے پاس روک لیں۔

کرے کوئی اور بھرے کوئی

سیدنا یوسفؑ نے فرمایا ----
مَعَاذَ اللّٰهِ ---- اللہ کی پناہ ---- یہ کس طرح ہو سکتا ہے اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ مال تو کسی سے برآمد ہو اور چور کسی دوسرے کو بنا کر رکھ لوں ----- کیسی بات کر رہے ہو اور کس طرح کی سفارش کر رہے ہو۔ (کسی شریعت میں اور کسی بھی قانون میں سزائے بدنی میں مبادلہ جائز نہیں ہے۔)

اگر ہم اس طرح کی بے انصافی کریں گے تو ہمارا شمار بھی بے انصافوں میں ہوگا۔

جب عزیزِ مصر سے مایوس ہو گئے تو آپس میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور مشورہ کرنے لگے ----- بڑے بھائی نے کہا:

﴿اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَیْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ﴾ (۱۲ : ۸۰)

تم اچھی طرح جانتے ہو کہ بابا نے بنیامین کے متعلق کتنا پختہ اور مضبوط

عہد ہم سے لیا ہے ---- اور تم سمجھتے ہو جو کچھ یوسفؑ کے معاملے میں اِس سے پہلے تُم زیادتی کرچکے ہو اِس لیے مَیں تو اس زمین سے اور اس جگہ سے ٹلنے والا نہیں ---- مَیں تو بابا کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پاتا ---- تُم جاؤ اور بابا کو صحیح صُورتِ حال اور اصل واقعات سے آگاہ کرو۔

برادرانِ یوسف والد کی خدمت میں

برادرانِ یوسف رنجیدہ اور غم زدہ بوجھل بوجھل قدموں سے والدِ گرامی قدر کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور سارا واقعہ مِن و عن ان کے سامنے بیان کیا ---- اور ساتھ ہی کہا اگر آپ کو ہم پر اعتماد اور اعتبار نہیں ہے تو آپ اس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیجیے جس بستی میں ہم تھے اور جہاں یہ واقعہ پیش آیا ---- اور اس قافلہ والوں سے پوچھ لیجیے جس قافلے کی ہمراہی میں ہم نے سفر کیا ہے ---- بابا! آپ یقین فرمائیں کہ ﴿ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾ ---- ہم یقیناً سچے ہیں۔

سیّدنا یعقوبؑ کا جواب

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی (مبنی بر حقیقت) گفتگو سُن کر فرمایا:

﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ﴾ (۱۲ : ۸۳) ---- حضرت یعقوب علیہ السلام اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کے بارے میں بیٹوں کی صداقت کا تجربہ کرچکے تھے ---- اس لیے آج بھی انھیں جھوٹا اور فریب دینے والا سمجھ رہے ہیں ---- فرمایا: نہیں نہیں بات اس طرح نہیں جس طرح تم بیان کر رہے ہو بلکہ تم نے ایک بات گھڑلی ہے اور بنالی ہے۔

﴿ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ﴾ (۱۲ : ۸۳) خیر اب میرے لیے صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں اور صبر بھی ایسا جو بہتر سے بہتر ہو۔

کیا سیّدنا یعقوبؑ عالم الغیب ہیں

سامعین گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہریے۔ ایک مسئلہ۔ اور عقیدے کا مسئلہ سمجھانے کے لیے آپ کی توجہ چاہتا ہوں۔

آج بیٹوں کی بات سُن کر جو کلمات حضرت یعقوبؑ نے ادا فرمائے ---- ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾ (۱۲ : ۸۳) یہ بعینہٖ وہی الفاظ ہیں جو سیدنا یعقوبؑ نے اس وقت کہے تھے جب بیٹے یوسف کو کنویں میں ڈالنے کے بعد ---- یوسفؑ کے کرتے کو جھوٹ موٹ کا خون لگا کر رات کو روتے ہوئے باپ کے پاس آئے تھے اور ایک غلط اور جھوٹا واقعہ (بھیڑیے کے کھانے کا) حضرت یعقوبؑ کو سنا دیا تھا۔ اس دن بھی حضرت یعقوبؑ نے کہا تھا: ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾ (۱۲ : ۱۸)

ذرا غور فرمائیے کہ یوسفؑ کو کنویں میں ڈال کر جس دن بیٹے آئے تھے اس دن وہ واقعی جھوٹے تھے ---- انھوں نے ایک جھوٹا واقعہ اور کہانی بنائی تھی ---- مگر آج بنیامین کے بارے اِطلاع دینے میں انھوں نے اپنی طرف سے کوئی کہانی نہیں بنائی ---- کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ بنیامین پر اپنی طرف سے کوئی الزام نہیں لگایا ---- تو پھر آج سیدنا یعقوبؑ یہ کیوں فرما رہے ہیں کہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تُم بیان کر رہے ہو ---- بلکہ تُمھارے نفسوں نے ایک غلط بات گھڑ لی ہے۔

اگر سیدنا یعقوبؑ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہوتے تو آج بیٹوں کی مبنی بر حقیقت بات کو سُن کر یہ جُملے کبھی نہ فرماتے ---- معلوم ہوا سیدنا یعقوبؑ نہ عالم الغیب تھے اور نہ ہی حاضر و ناظر ---- یہ دونوں صفتیں مخلوق کی نہیں خالق کی ہیں۔

سیدنا یعقوبؑ نے یہ جملے ارشاد فرما کر بیٹوں سے رخ پھیر لیا، اور کہا:
﴿ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ ﴾ (۱۲ : ۸۴) آہ یوسفؑ کا دردِ فراق ---
ہائے یوسفؑ کی جدائی کی غم انگیزی (بنیامین کی جدائی اور دکھ بھری خبر سُن کر پرانا غم ایک مرتبہ پھر تازہ ہو گیا---- آج پھر یوسفؑ شدت سے یاد آئے)
یوسفؑ کا غم آپ کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا--- یوسفؑ کی جدائی میں روتے روتے ان کی آنکھیں سپید ہو گئی تھیں ---- ﴿ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴾ (۱۲ : ۸۴) ---- وہ غم سے بھرے ہوئے تھے۔ (کظیم اس مشک کو کہتے ہیں جسے لبالب بھر کر اس کا مُنہ بند کر دیا جائے)
بیٹوں نے بابا کی اِس بے قراری اور یوسفؑ کے ساتھ دلداری کو دیکھا تو کہنے لگے:
﴿ تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴾ (۱۲ : ۸۵)
اللہ کی قسم آپ ہمیشہ ایسے ہی رہو گے کہ یوسفؑ کی یاد میں لگے رہو، یہاں تک کہ گھل جاؤ یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جاؤ۔
حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کا بیگانہ بیگانہ سا رویہ دیکھ کر اور ان کی حاسدانہ بات سُن کر فرمایا: ----- میں تمھیں تو کچھ نہیں کہہ رہا----- تم نے جو کچھ کرنا تھا وہ کچھ کر چکے ہو---- میں نے تم سے نہ شکوہ کیا ہے نہ کبھی تمھیں ستایا ہے---- بلکہ
﴿ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ (۱۲ : ۸۶)
---- مَیں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اپنے اللہ کے آگے رکھتا ہوں۔
﴿ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (۱۲ : ۸۶)
---- میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

یعنی مجھے معلوم ہے کہ انبیاء پر آزمائشوں اور امتحانوں کے بعد ---- اور تنگی و پریشانی کے ایام کے بعد آسانی اور راحت اور خوشی کے دن بھی آتے ہیں۔

یا مطلب یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ یوسفؑ زندہ ہے ---- اور اس کی دلیل اور علامت یوسفؑ کا وہ خواب ہے جو انھوں نے بچپن میں دیکھا تھا ----- حضرت یعقوبؑ کو یقین تھا کہ یوسفؑ سے ان کی ملاقات ضرور ہوگی اور یوسفؑ کا خواب پورا ہو کر رہے گا ----- یہی وہ بات تھی جسے حضرت یعقوبؑ تو جانتے تھے ---- مگر ان کے بیٹے نہیں جانتے تھے۔ اسی لیے فرمایا ---- میرے بیٹو -----

﴿ اِذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ ﴾ (١٢ : ٨٧) جاؤ اور یوسفؑ اور بھائی کا سراغ لگاؤ ----- انھیں ڈھونڈو ----

﴿ وَ لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ﴾ (١٢ : ٨٧) ----- اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہونا کیونکہ اللہ کی رحمت سے نا امید ہونا مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کے ساتھ یوسفؑ کی تلاش کا حکم اور تذکرہ فرمایا ---- حالانکہ اس مقام پر یوسفؑ کی تلاش اور سراغ کا کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا ---- بیٹوں نے بھی یوسفؑ کی تلاش پر تعجب کا اظہار نہیں کیا ----- معلوم ہوتا ہے کہ اب اللہ رب العزت نے سیدنا یعقوبؑ کے غم، پریشانی، دکھ اور مصیبت کی زندگی کے ایام ختم کرنے کا ارادہ فرما لیا تھا ---- اور حضرت یعقوبؑ کو شاید وحی کا اشارہ ہو گیا تھا کہ دکھ کی گھڑیاں اور غم کے ایام ختم ہونے کو آگئے ہیں۔

برادرانِ یوسف دربارِ یوسفی میں

حضرت یعقوبؑ کے کہنے پر ---- بلکہ اصرار پر برادرانِ یوسف نے مصر جانے کا ارادہ کر لیا۔ قحط سالی اور غلّہ کی کمی بلکہ نایابی نے بھی انھیں مصر جانے پر مجبور کر دیا ----- بھوک کی مصیبت، اور غلّہ کا فقدان اور اناج کی طلب کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ مصر پہنچ کر اور دربارِ

یوسفی میں حاضر ہو کر نہ انھوں نے بنیامین کے بارے کوئی بات کی ---- نہ بڑے بھائی یہودا کا حال معلوم کیا ---- کہا تو صرف یہ کہا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا ٱلضُّرُّ ﴾ (١٢ : ٨٨)

اے عزیزِ مصر! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو بہت دکھ اور مُصیبت کا سامنا ہے ---- ہم سب کو قحط نے پریشانی اور غم میں مُبتلا کر دیا ہے ---- آج ہمارے پاس سرمایہ اور رقم بھی پوری نہیں ---- ہم حقیر اور معمُولی سی پونجی ---- ﴿ مُّزْجَاةٍ ﴾ (١٢ : ٨٨) کا معنیٰ ایسی رقم اور ایسی قیمت جس کو قبول نہ کیا جائے، بلکہ مسترد کر دینے کے لائق ہو۔ ہم قیمت اور رقم حقیر اور معمُولی لائے ہیں۔

﴿ فَأَوْفِ لَنَا ٱلْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَآ ﴾ (١٢ : ٨٨) ---- ہماری درخواست ہے کہ ازراہِ کرم ہمیں غلّہ اور اناج پورا دیا جائے اور ہمیں حاجت مند، مُستحق اور ضرورت مند سمجھ کر صدقہ و خیرات کے طور پر غلّہ عنایت کیا جائے۔

مولانا ابوبکر غزنویؒ کا عجیب استنباط

اہلِ حدیث مکتبۂ فکر کے ایک بہت بڑے عالم مولانا داؤد غزنویؒ ہوئے ہیں ---- ان کے بیٹے مولانا پروفیسر ابوبکر غزنویؒ کہتے ہیں کہ میں حج بیت اللہ کے لیے گیا تو ملتزم پر میں نے دعا مانگتے ہوئے اور روتے ہوئے اپنے اللہ کے سامنے اسی آیت کو تلاوت کیا:

﴿ وَجِئْنَا بِبِضَٰعَةٍ مُّزْجَىٰةٍ فَأَوْفِ لَنَا ٱلْكَيْلَ ﴾

مولا! میں عمل کی پونجی تو معمُولی، حقیر اور کھوٹی لایا ہوں ---- مگر تو اپنی رحمت سے میرے نامۂ اعمال کو نیکیوں سے بھر دے۔

حضرت یوسفؑ کا پیمانۂ صبر لبریز

سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین، بھائیوں اور گھر والوں کی یہ داستانِ غم سنی ---- بھائیوں کی اس اِلتجا، دردمندانہ درخواست

اور غمگین لہجہ کو دیکھ کر سیدنا یوسفؑ کو ترس آگیا، دل بھر آیا ----- اب ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے ----- اب صبر کا پیانہ لبریز ہو گیا ----- اب ان کے بس میں نہ رہا کہ اپنے آپ کو مزید چھپائیں اور اپنا راز ظاہر نہ ہونے دیں ----- بھائیوں کی دردمندانہ گفتگو سن کر فرمایا:

﴿ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ ﴾ (۱۲ : ۸۹)

کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی (بنیامین) کے ساتھ کیا سلوک اور کیا معاملہ کیا تھا جب تم نادان تھے۔

عزیزِ مصر کے اس سوال پر وہ ایک دم چونک اٹھے ----- اس وقت یہ سوال ان کے لیے یقیناً غیر متوقع تھا ----- اس ایک سوال نے ہی بھائیوں پر ساری حقیقت حال کھول دی ----- بھائیوں نے یوسفؑ کے لب و لہجہ پر غور کیا ----- مبہوت ہو گئے کہ عزیز مصر کو یوسف اور ہمارے معاملے کا علم کیسے ہو گیا ----- کہیں یہ یوسف ہی تو نہیں؟ ----- اپنی حیرت و استعجاب کو دور کرنے کے لیے کہنے لگے:

﴿ ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ﴾ (۱۲ : ۹۰) ----- کیا تم ہی یوسف ہو؟

حضرت یوسفؑ نے فرمایا:

﴿ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَا اَخِيْ ﴾ (۱۲ : ۹۰) ----- ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ بنیامین میرا بھائی ہے۔

﴿ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ﴾ (۱۲ : ۹۰) اللہ ربُّ العزت نے ہم پر انعام و احسان فرمایا۔

اللہ کی رحمت و احسان ہی تو ہے کہ اللہ نے طویل جدائی کے بعد ہم دونوں کو اکٹھا کر دیا ----- ذلت کو عزت سے بدل دیا ----- دکھ کو سکھ سے تبدیل کر دیا ----- مصیبت کو راحت سے بدل دیا ----- تنگی کی جگہ کشادگی نے

لے لی ---- جس بھائی کو تم نے ہلاک کرنے کے لیے کنویں میں ڈال دیا تھا اسے اللہ نے مصر کی حکومت عطا فرما دی ہے ---- آج میں تخت پر ہوں اور تم زندگی کی سانسیں برقرار رکھنے کے لیے میرے پاس غلّہ کی خیرات مانگ رہے ہو۔

برادرانِ یوسف کا اعترافِ خطا

سیدنا یوسف علیہ السلام کا یہ جواب سُن کر ان کے سارے کارنامے ان کی آنکھوں کے آگے پھرنے لگے ----- اب حقیقتِ حال کھل گئی تھی ---- اب ان کے پاس شرمساری، ندامت اور خفت کے سوا کچھ نہیں بچا تھا ---- اب ان کے لیے اعترافِ حقیقت اور اعترافِ جرم کے بغیر کوئی راستہ نہیں تھا ---- کہنے لگے:

﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ ﴾ (۱۲ : ۹۱)

اللہ گواہ ہے کہ اس نے آپ کو ہم سب پر برتری و بلندی اور فضیلت عطا فرمائی ہے اور بلاشک وشبہ ہم ہی خطا کار اور قصور وار تھے۔

سیدنا یوسفؑ کی فراخ دلی

سیدنا یوسف علیہ السلام نے محسوس کیا کہ بھائی دل ہی دل میں ڈر رہے ہیں کہ عزیزِ مصر (یوسفؑ) ہماری سابقہ زیادتیوں اور مظالم پر شاید مواخذہ کرے ---- تو حضرت یوسفؑ نے انھیں تسلّی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ﴾ (۱۲ : ۹۲)

آج کے دن میری طرف سے تم پر کوئی گرفت اور کسی قسم کی کوئی سرزنش نہیں ---- اللہ رب العزت تمھیں معاف فرمائے۔

(امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن دس ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ کے فاتح بن کر مکہ میں داخل ہوئے ---- تو اس روز بھی آپؐ کی برادری کے لوگ ---- یوسف کے بھائیوں کی طرح ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہے تھے

---- آپ ہمارے برادر زادہ ہیں ---- عم زاد ہیں ---- ہمیں معاف کردیا جائے۔

آپ نے فرمایا: آج میں وہی جملے کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہے تھے۔

﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ﴾ (۱۲ : ۹۲)

آج تم پر کوئی گرفت، ملامت اور سرزنش نہیں، اللہ تمھیں معاف فرمائے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد۹ صفحہ ۱۱۸)

یوسفؑ کا کُرتا اور یعقوبؑ کی بینائی

سیدنا یوسف علیہ السلام کو بنیامین کے ذریعہ یقیناً اپنے والد گرامی اور گھر والوں کے حالات معلوم ہوتے ہوں گے ---- فراقِ یوسف میں رو رو کر والد کی آنکھوں کی بینائی کا روٹھ جانا ---- ان سب باتوں کا تذکرہ ہوا ہوگا، آج سب بھائی جمع ہیں ---- پچھلے دکھ اور والد گرامی کی پریشانی ---- سب باتوں کے تذکرے ہُوئے ہوں گے ---- سیدنا یوسفؑ نے اپنا کرتا عطا فرمایا کہ اسے لے جاؤ اور بابا کے چہرے پر ڈالو۔ وہ دیکھنے لگیں گے ---- پھر انھیں اور سب گھر والوں کو لے کر گاؤں کی زندگی کو خیرآباد کہہ کے سب کے سب میرے پاس مصر آجاؤ۔

﴿اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا﴾ (۱۲ : ۹۳)

برادرانِ یوسف کے لیے اس سے بڑھ کر خوش نصیبی اور خوش بختی اور سعادت کیا ہوسکتی تھی کہ وہ یوسف کو کنوئیں میں ڈال کر ---- یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر اور ایک فریب اور مکر بنا کر ---- یوسف کے کرتے کو بابا کے پاس لائے تھے ---- اور اس طرح انھیں پریشانیوں اور غموں میں دھکیل دیا تھا ---- آج وہ اسی یوسف کا کرتا لے کر جائیں گے تاکہ اس زخم کا مرہم بنے ---- دکھ سکھ میں، غم راحت میں اور رنج خوشی میں بدل جائے۔

کُرتے کی خوشبو کنعان میں

برادرانِ یوسف مصر سے اپنے گھر کنعان کی جانب روانہ ہوئے۔ سیدنا یوسفؑ کا کُرتا ان کے پاس تھا--- دوسری طرف سینکڑوں میل دور بیٹھے حضرت یعقوبؑ نے فرمایا:

﴿اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ﴾ (۱۲ : ۹۴)

اگر تم یہ نہ کہو کہ بڈھا سٹھیا گیا ہے (کہ بڑھاپے میں عقل ماری گئی ہے اور بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے) تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ مجھ کو یوسف کی مہک اور خوشبو آ رہی ہے۔

جو قریب بیٹھے تھے، انھوں نے کہا:

﴿اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ﴾ (۱۲ : ۹۵)

اللہ کی قسم آپؑ تو (پرانی محبت کے) خبط میں گرفتار ہو--- اتنا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی یوسف یوسف کر رہے ہو۔

ایک اہم مسئلہ کی وضاحت

کچھ ضعیف الاعتقاد لوگ اس واقعہ کو بیان کرکے بے چارے لاعلم عوام کے عقائد خراب کرتے ہیں--- وہ کہتے ہیں کہ مصر سے کنعان کا سفر اُونٹوں کے ذریعے سے تقریباً آٹھ دن میں طے ہوتا تھا--- اِتنے دُور سے سیدنا یعقوبؑ نے یوسفؑ کی خُوشبو سونگھ لی۔ معلُوم ہوتا ہے وہ عالم الغَیب ہیں۔

سامعینِ گرامی! ذرا غور فرمائیے آج سینکڑوں میل کی مسافت سے اپنے جُدا شدہ بیٹے یوسفؑ کی خُوشبو محسُوس کرنے لگے--- مگر جب تقریباً تین میل کی مسافت پر یوسف ایک کنویں میں تین دن پڑے رہے اس وقت حضرت یعقوبؑ کو پتا نہ چل سکا--- اِس سے معلُوم ہُوا انبیاءِ کرامؑ عالم الغَیب نہیں ہوتے بلکہ وہ اتنا ہی جانتے ہیں جتنا اللّٰہ تعالیٰ انھیں بتا دیتا ہے--- مصر سے چلنے

والے کُرتے کی خوشبو کا سونگھ لینا سیدنا یعقوبؑ کا مُعجزہ ہے اور اسے اطلاع علی الغَیب سے تعبیر کیا جائے گا، اسے علم غیب سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔

شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کو اپنے شعروں میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیر خرد مند

کسی نے حضرت یعقوبؑ سے دریافت کیا تھا کہ اے عقلمند روشن خیال بوڑھے ذرا ہمیں بھی یہ فلسفہ سمجھاؤ اور یہ گتھی سُلجھاؤ۔

ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی — چرا در چاہِ کنعانش ندیدی

مصر سے آپ نے کُرتے کی خوشبو سونگھ لی ---- مگر کنعان کے کنویں میں یوسفؑ کو کیوں نہ دیکھ سکے۔

بگفت احوال ما برقِ جہان است — دمے پیدا و دیگر دم نہان است

حضرت یعقوبؑ نے جواب دیا ہماری حالت آسمان پر چمکنے والی بجلی کی طرح ہے۔ ایک لمحہ کے لیے چمکتی ہے تو پورے عالم کو روشن کر دیتی ہے اور دوسرے لمحہ (جب نہیں چمکتی) اندھیرا اس طرح چھا جاتا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہیں دیتا۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم — گہے بر پُشت پائے خود نہ بینیم

آسمانی بجلی کی طرح جب وحیِ الٰہی کی بجلی روشن ہوتی ہے تو ہمیں سینکڑوں میلوں کی مسافت کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں اور جب وحیِ الٰہی نہ آئے تو ہمیں پاؤں کی پُشت کا بھی پتا نہیں ہوتا۔

یاد رکھیے ---- قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی کُتب سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ علم غیب خاصہ انبیاء و اولیاء اور ملائکہ و جنات کا نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ ربّ العزت کا ہے ---- اللہ ربّ العزت غیب کی ایک یا زیادہ خبروں پر اپنے انبیاء کو اطلاع دیتا ہے، مگر اسے علم غیب نہیں کہتے۔

اِسے اِطلاع علی الغیب کہتے ہیں۔

سیدنا یعقوبؑ کی بینائی لوٹ آئی

برادرانِ یوسف --- سیدنا یوسف علیہ السلام کا کُرتا لے کر کنعان پہنچ گئے اور وہ کُرتا حضرت یعقوبؑ کے چہرے پر ڈالا تو ان کی آنکھیں روشن ہوگئیں ---- بینائی واپس لوٹ آئی۔

کُرتے میں شفاء

کچھ ضعیف الاعتقاد اس واقعہ سے بھی عوام الناس کے عقائد اور ان کے ذہن خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں ----- اور اس واقعہ کو پیش کر کے ثابت کرتے ہیں کہ بزرگوں کے تبرکات میں شفا ہوتی ہے ---- پھر لوگوں کو مٹی چاٹنے اور پتھر، جسم پر رگڑنے کی تلقین کرتے ہیں۔

تو یہ بات یاد رکھیے کہ یوسفؑ کے کُرتے میں شفا ---- سیدنا یوسفؑ کا مُعجزہ ہے اور مُعجزہ اپنے مورد میں بند ہوتا ہے ---- اور مُعجزہ کا فاعل پیغمبر نہیں، اللہ تعالیٰ ہوتا ہے ---- مطلب یہ کہ مُعجزے میں ہاتھ پیغمبر کا ہوتا ہے اور اختیار اور مرضی اللہ ربُّ العزت کی ہوتی ہے ---- یوسفؑ کے کُرتے میں بھی شفاء وحیِ الٰہی سے معلوم ہوئی تھی ---- تفسیر خازن میں ہے :

قَالَ الْمُحَقِّقُوْنَ اِنَّ عِلْمَ یُوْسُفَ بِاَنَّ اِلْقَآءَ ذٰلِكَ الْقَمِیْصِ عَلٰی وَجْهِ یَعْقُوْبَ یُوْجِبُ رَدَّ الْبَصَرِ کَانَ بِوَحْیِ اللّٰهِ۔

اسی طرح کُرتے کی خوشبو کا حضرت یعقوبؑ تک پُہنچنا بھی مُعجزے کے طور پر تھا ---- امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں تحریر فرمایا :

وَالتَّحْقِیْقُ اَنْ یُّقَالَ اَنَّهٗ تَعَالٰی اَرْسَلَ تِلْكَ الرَّآئِحَةَ اِلَیْهِ عَلٰی سَبِیْلِ اِظْهَارِ الْمُعْجِزَاتِ۔

تحقیقی بات یہی ہے کہ یوسفؑ کے کُرتے کی خوشبو حضرت یعقوب تک

اللہ رب العزت نے معجزۃً پہنچائی تھی۔

یوسف ؑ کے کُرتے کے کرشمے

سیدنا یوسف علیہ السلام کے کُرتے نے تین مواقع پر کرشمہ دکھایا اور کُرتے نے حقیقت حال کی عکاسی کی ------

سب سے پہلے -- ﴿جَآءُوْا عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ﴾ (۱۲ : ۱۸)

جب برادرانِ یوسف ---- یوسف کے کُرتے پر جھوٹا خون لگا کر لائے --- مگر کُرتے کو پھاڑنا بھول گئے ---- کُرتے نے راز فاش کر دیا کہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح برادرانِ یوسف بیان کر رہے ہیں، بلکہ معاملہ کچھ اور ہے۔

دوسری مرتبہ یوسف ؑ کے کُرتے نے اس وقت کرشمہ دکھایا جب زلیخا نے کمرے سے باہر نکل کر اپنے خاوند کے سامنے تمام تر الزام یوسف ؑ کے سر ڈال دیا تھا۔ اور ایک گواہی دینے والے نے گواہی دی تھی :

﴿اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ﴾ (۱۲ : ۲۶)

یوسف ؑ کے کُرتے کو دیکھو ---- اگر کُرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا سچ بول رہی ہے اور قصور یوسف ؑ کا ہے۔

﴿وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (۱۲ : ۲۷)

اور اگر کُرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو پھر زلیخا جھوٹی ہے اور یوسف ؑ سچا ہے۔

آج تیسری مرتبہ یوسف ؑ کے کُرتے کی وجہ سے معجزۃً ایک کرشمہ سامنے آیا کہ کُرتا حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر رکھتے ہی وہ روشن ہو گئیں۔

دن سب سے قیمتی متاع ہے

یہاں تفسیر قرطبی نے ایک عجیب بات نقل فرمائی ہے کہ آج سیدنا یعقوب کے لیے بڑی خوشی کا دن تھا ---- تینوں بیٹے بھی مل گئے ---- یوسف کی زندگی اور خوشحالی کی خبر تقریباً چالیس سال کے بعد ملی ----

اور آنکھوں کی بینائی بھی واپس ہوئی --- مگر جب سیدنا یوسفؑ کی زندگی کی خوشخبری ملی تو سیدنا یعقوبؑ نے فرطِ جذبات و محبت میں مغلوب ہو کر یہ نہیں پوچھا --- اچھا میرا یوسف زندہ ہے؟ ---- کیا کرتا ہے؟ ---- اِتنے دِن کہاں رہا؟ --- اُس نے شادی کی ہے؟ ---- اُس کے بیٹے بیٹیاں ہیں؟ ---- نہیں نہیں کچھ بھی نہیں پوچھا ---- بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا:

عَلٰی اَیِّ دِیْنٍ تَرَکْتَ یُوْسُفَ ---- مجھے یوسفؑ کی زندگی کی خبر دینے والے مجھے بتا میرا یوسفؑ کس دین پر ہے؟۔

(انبیاءؑ کی نگاہ میں سب سے زیادہ اہمیت دین کی ہے ---- اس لیے کہ دین دنیا و آخرت میں سب سے قیمتی متاع اور انمول نعمت ہے۔)

خوشخبری دینے والے نے کہا: ---- عَلَی الْاِسْلَامِ ---- یوسفؑ دینِ اسلام پر ہے ---- اپنے آباء و اجداد کے دین پر ہے ---- یہ سُن کر حضرت یعقوبؑ نے فرمایا: اَلْاٰنَ تَمَّتِ النِّعْمَةُ ---- اب یہ خبر اور یہ خوشخبری سن کر اللہ کی نعمت پوری ہوئی ہے۔

خاندانِ یعقوبؑ کی مصر روانگی

حضرت یعقوب علیہ السلام سیدنا یوسف علیہ السلام کے کہنے پر اپنے پُورے خاندان کو لے کر مصر روانہ ہُوئے ---- جب یہ قافلہ مصر کے قریب پُہنچا تو سیدنا یوسف علیہ السلام نے شہر سے باہر آکر اپنے والد گرامی قدر کا اِستقبال کیا --- سیدنا یعقوبؑ نے مدتوں سے بچھڑے ہُوئے بیٹے کو دیکھا تو سینے سے چمٹا لیا ---- یہ منظر بڑا رقت انگیز بھی تھا اور مسرت افزا بھی ---- چودہ سال کا یوسف آج چؤن سالہ بوڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ رہا تھا ---- ملاقات اور استقبال کے بعد سیدنا یوسفؑ اپنے خاندان کے افراد کو عزت و احترام اور کر و فر سے شہر میں اور اپنے محل میں لائے۔

یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز

سیدنا یوسف علیہ السلام جب ان تمام مصروفیات سے فارغ ہوئے تو ارادہ فرمایا کہ اربابِ حکومت کا بھی اپنے بزرگ والد گرامی اور میرے خاندان کے لوگوں سے تعارف ہوجائے ---- اور تمام درباری ان کے عزت و احترام سے باخبر اور واقف ہوجائیں ---- چنانچہ دربار منعقد ہوا ---- درباری اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے ---- سیدنا یوسف علیہ السلام نے والدین کو تخت شاہی پر ہی جگہ دی ---- تمام انتظامات مکمل ہوجانے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام دربار میں جلوہ افروز ہوئے تو اسی وقت تمام درباری حکومت کے دستور اور اس زمانے کے رواج کے مطابق تخت کے سامنے تعظیم کی غرض سے سجدہ میں گرپڑے ---- اس صورتِ حال کو دیکھ کر خاندانِ یعقوب علیہ السلام کے تمام افراد نے بھی اسی طرح کیا ---- تمام بھائی بھی جھک گئے ---- والدین بھی جھک گئے۔

یہ دیکھ کر سیدنا یوسف علیہ السلام کو فوراً بچپن میں دیکھا ہوا وہ خواب یاد آگیا:

﴿اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ﴾ (۱۲ : ۴)

اور اپنے بابا سے کہنے لگے:

﴿هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ٘ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا﴾ (۱۲ : ۱۰۰)

یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اس خواب کو سچا ثابت کردیا۔

سجدہ کی حقیقت

یہاں سے کئی ضعیف الاعتقاد لوگ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کے لیے استدلال کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔ اگر ہم انبیاء اور اولیاء کی قبروں کو سجدہ کرلیں تو اس میں کیا حرج ہے۔

امیرِ شریعت سید عطاء اللہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ دہلی میں تقریر فرما رہے تھے ---- موضوع توحید تھا ---- غیر اللہ کے سجدے کی حرمت اور اس کے شرک ہونے پر گفتگو شروع ہوئی تو حسن نظامی جو دہلی کے بڑے ادیب ہوئے ہیں، انہوں نے کہا ---- شاہ جی! یوسفؑ کے بھائیوں نے یوسفؑ کو سجدہ کیا تھا ---- وہ جائز تھا تو آج ناجائز کیوں؟۔

شاہ جی نے فرمایا: ---- حسن نظامی! یوسفؑ کے بھائیوں نے پہلے کون سے اچھے کام کیے تھے، جو یہ اچھا کام کیا ہے ---- اگر یوسفؑ کے سجدے کو دلیل بنانا ہے تو پہلے اپنے چھوٹے بھائی کو کنویں میں بھی ڈالنا ہوگا۔

یاد رکھیے! یوسفؑ کو سجدہ ---- اس کے سجدۂ تعظیمی ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ---- تمام علماء کا خیال یہی ہے کہ یہ سجدہ ---- تعظیمی سجدہ تھا ---- ہاں اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا یہ اسی طرح کا سجدہ تھا جس طرح کا سجدہ ہم نماز میں کرتے ہیں ---- یعنی ماتھے کو زمین پر ٹیکنا ---- یا سجدہ سے مراد انحناء یعنی صرف جھک جانا ہے ---- اگر مراد صرف انحناء (یعنی معمولی جھک جانا) ہو، جس طرح دوسرے کو سلام کرتے وقت بھی بعض دفعہ انسان جھک جاتا ہے ---- تو پھر اس پر اعتراض وارد نہیں ہوتا ---- محض معمولی سا جھک جانے پر بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟۔ اور اگر سجدہ سے مراد وہی سجدہ ہو جس میں پیشانی زمین پر ٹیکتے ہیں اور "خَرُّوْا" کا لفظ بھی اسی معنیٰ کی تائید کر رہا ہے۔

تو پھر اس کا مفہوم بعض مفسرین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ:

در اصل یہ سجدہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو تھا اور حضرت یوسفؑ بمنزلہ قبلہ کے تھے ---- تفسیر قرطبی میں حضرت حسن بصری تابعیؒ کا قول منقول ہے:

المعنی "خَرُّوْا" شُکْرًا لِلّٰہِ وَیُوْسُفُ کَالْقِبْلَۃِ۔

مراد یہ ہے کہ اللہ کے انعامات پر بطور شکر اللہ کے آگے سجدہ ریز

ہو گئے اور یوسف بمنزلہ قبلہ کے تھے۔

اور بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ سجدہ حضرت یوسف علیہ السلام ہی کو تھا مگر یہ سجدہ ---- تعظیمی سجدہ تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ مگر ہماری شریعت میں حرام ہے --- یاد رکھیے! سجدۂ عبادت کسی شریعت میں بھی غیر اللہ کے لیے جائز نہیں تھا --- سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیمی میں فرق صرف آدمی کی نیت اور ارادے کا ہے ---- اگر مسجودلہ (یعنی جس شخصیت کو سجدہ کر رہا ہے) کو عالم الغیب، مختارِ کل، متصرف فی الامور، کارساز اور نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر سجدہ کرے گا تو یہ سجدۂ عبادت ہوگا، جو مخلوق کا نہیں خالق ہی کا حق ہے۔

اور اگر یہ نیت دل میں نہ ہو تو یہ تعظیمی سجدہ ہوگا، جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا---- مگر آخری شریعت میں غیر اللہ کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔

سجدۂ تعظیمی کی حرمت

تعظیمی سجدہ کے ناجائز اور حرام ہونے پر کئی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں، جن میں تعظیمی سجدہ کی حرمت صراحت سے بیان ہوئی ہے۔

حضرت قیس بن سعد سے روایت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَآءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ بِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۲)

اگر میں کسی کو دوسرے کے آگے سجدے کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، اس حق کی وجہ سے جو اللہ نے مردوں کا عورتوں پر رکھا ہے۔

(اگر غیر اللہ کا سجدہ جائز ہوتا تو پھر میں عائشہؓ کو کہتا کہ محمد کریمؐ کو سجدہ کرے ---- پھر میں حفصہؓ کو حکم دیتا کہ میرے آگے سجدہ کرے --- پھر میں اُمّ حبیبہؓ، میمونہؓ، زینبؓ، جویریہؓ کو حکم دیتا کہ میرا سجدہ کریں۔)

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کتنی صراحت کے ساتھ اور کتنے شدید الفاظ کے ساتھ فرمایا:

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَ النَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِھِمْ مَسَاجِدًا۔

اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۷۳)

علاوہ ازیں تمام فقہاء نے سجدۂ تعظیم کو حرام کہا ہے اور بعض نے اسے کفر بھی قرار دیا ہے۔

(حوالہ کے لیے دیکھیے فتاویٰ عالم گیری جلد ۵ صفحہ ۴۰۴، البحرالرائق جلد ۸ صفحہ ۴۲۶)

سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی سے مخاطب ہوکے کہہ رہے ہیں ---- میرے سامنے آپ سب کا سجدہ ریز ہونا درحقیقت اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا---- بابا میرے پالنہار نے مجھ پر کتنا عظیم احسان فرمایا۔ جب مجھے قید خانے سے نکال کر مصر کا بادشاہ بنا دیا، ورنہ مجھ جیسے زرخرید غلام، مسافر و لاوارث شخص کا جیل سے باہر آنا آسان نہیں تھا۔

(جیل خانہ سے نکلنے کا تذکرہ فرمایا اور کنویں سے نکلنے کا ذکر نہیں کیا --- یہ سیدنا یوسفؑ کی شائستگی، مروت اور اخلاق کی بلندی ہے کہ کنویں کے تذکرہ سے بھائی شرمندہ ہوں گے۔)

پھر اللہ رب العزت نے ایک اور احسان فرمایا کہ تم سب کو کنعان جیسے گاؤں سے نکال کر مصر جیسے عظیم شہر میں لے آیا اور ہم سب کو اکٹھا فرما دیا کہ آپس میں پیار و محبت سے رہیں ورنہ شیطان نے تو ہم بھائیوں کو جدا کرنے کا فتنہ کھڑا کر دیا تھا۔

(یہاں بھی بھائیوں کے درمیان جدائی کے فتنے اور آزمائش کو سیدنا یوسف علیہ السلام نے شیطان کی طرف منسوب فرمایا تاکہ بھائیوں کی طبیعت پر منفی

اثر نہ پڑے اور وہ شرمسار نہ ہوں۔)

کسی شاعر نے شاید اسی موقع کے لیے کہا ہے : ع

شُنیدم کہ مردانِ راہِ خدا دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

سامعینِ گرامی قدر! مظلومیت، بے کسی اور بے چارگی کی حالت میں صبر کرلینا اور بدلہ نہ لینا --- بڑی اونچی بات ہے ---- مگر طاقت و قوت اور اختیارات کے باوجود انتقام اور بدلہ نہ لینا اور معاف کردینا اور ظلم کرنے والوں کا تذکرہ تک نہ کرنا سب سے بڑی عظمت اور انتہائی درجے کا کمال ہے۔ اسے قرآن نے اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (شوریٰ ۴۲ : ۴۳) ---- فرمایا ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کی سیرت میں یہ دونوں مقام جمع ہوگئے ہیں --- جب سیدنا یوسفؑ مظلوم تھے، بے چارگی تھی، بے کسی اور ناداری کا عالم تھا تو شکوہ و شکایت کا ایک لفظ تک زبان پر نہیں آیا ---- اُف تک نہ کی ---- اور جب اقتدار ملا اور طاقت و قوت ہاتھ میں آئی تو اِنتقام اور بدلے کا وہم و گمان بھی یوسفؑ کے دل و دماغ میں نہیں آیا۔

آخر میں مناجاتِ یوسفی

سیدنا یوسف علیہ السلام والد اور بھائیوں سے خطاب کرنے کے بعد اور اِحساناتِ اِلٰہی کا اِعتراف کرنے کے بعد ---- اس ہستی کی طرف متوجہ ہوئے جس ہستی نے آج تک آپ پر یہ سب احسان و انعام فرمائے تھے ---- سیدنا یوسفؑ اپنی داستان اور بیتے ہوئے واقعات کا اختتام اس دعا پر کرتے ہیں ---- میرے مولا! میرے پالنہار۔ میری نشو و نما کرنے والے! مجھے پروان چڑھانے والے ---- میرے پروردگار! جن نعمتوں سے آج تک تو نے مجھے نوازا اور سرفراز فرمایا ان میں سے کوئی ایک نعمت بھی میں نے تجھ سے طلب

نہیں کی۔ مجھ پر جتنے احسان، کرم نوازیاں اور نوازشات ہوئیں بن مانگے ہوئیں ---- میں نے تجھ پر مصر کی بادشاہی نہیں مانگی، تو نے بلا طلب عطا فرمائی ---- میں نے کبھی التجا اور تمنا نہیں کی کہ میرے والدین اور برادران اور قبیلے کے لوگ میرے سامنے آکر جھکیں ---- اس طرح میری تعظیم کریں۔

لیکن مولا! آج میں التجا کر رہا ہوں ---- آج میں دامن پھیلا رہا ہوں ---- آج میں مناجات کر رہا ہوں ---- دعا مانگ رہا ہوں۔

﴿ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (۱۲ : ۱۰۱)

میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت بھی عطا فرمائی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی دیا۔ (دعا کے اس حصے میں ان احسانات اور انعامات کا ذکر ہے جن سے آپ کو بہرہ مند اور سرفراز کیا گیا۔)

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ---- اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے۔ (دعا کے اس حصے میں اللہ کی قدرتِ کاملہ ---- اِختیارات اور بادشاہی کا ذکر ہے۔)

اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ------ مولا! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا سرپرست، دوست، کارساز ہے۔ (دعا کے اس حصے میں اپنی بے بسی اور بے کسی اور بے چارگی کا اِظہار ہے۔)

اتنی حمد و ثنا اور رب کی تعریفوں کے بعد اور اظہار بے بسی کے بعد سیدنا یوسفؑ نے مانگا تو کیا مانگا ----

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ----- میرے پروردگار ---- میرے مہربان ---- میرے قادر و مدبر مولا ---- اس دنیا سے جب میرے

جانے کا وقت آئے تو میں اس حال میں یہاں سے روانہ ہوں کہ میری زبان تیری الوہیت کے گیت گا رہی ہو ---- جسم کا ایک ایک حصہ تیری توحید کی گواہی دے رہا ہو ---- میرے جسم کا ایک ایک بال تیری کبریائی و عظمت کا اعتراف کر رہا ہو ---- میرا دل تیری طرف مائل ہو ---- سر تیرے دربار میں جھکا ہوا ہو ---- تیری نافرمانی اور حکم عدولی کا کوئی داغ اور دھبہ میرے دامن پر نہ ہو ---- مجھے موت آئے تو تیری فرمانبرداری کی حالت میں آئے ---- اس طرح دنیائے فانی سے میری روانگی ہو اور مرنے کے بعد نیک لوگوں کے ساتھ مجھے ملا دے ---- مجھے صالح بندوں کی رفاقت اور سنگ نصیب فرما۔

اَلصَّالِحِیْنَ سے مراد گزشتہ انبیاء کرامؑ ہیں ---- جن میں سیدنا ابراہیم، سیدنا اسماعیل، سیدنا اسحاق اور سیدنا یعقوب (علیہم السلام) بھی شامل ہیں)

دُعاء میں پہلے حمد و ثنا

سیدنا یوسف علیہ السلام کی اس خوبصورت دعا سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ کے آگے کوئی درخواست اور دعا کرنے سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا اور اس کی تعریف و توصیف کرنا ضروری ہے۔

سیدنا یوسفؑ کے جد امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بھی اسی انداز سے دعائیں مانگی ہیں۔ (دیکھیے سورۃ الشعراء ۲۶ : ۷۸ و سورۃ ابراہیم ۱۴ :)

سورۃ الفاتحہ کا بھی ایک نام "تعلیم المسئلہ" ہے ---- یعنی ایسی سورۃ جس میں اللہ ربُّ العزت نے اپنے سے مانگنے کا اور دعا کرنے کا طریقہ سکھایا ہے ---- اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ----

سامعینِ گرامی قدر! جس طرح آپ نے یہ سارا واقعہ سنا ---- اس سے پتا چلا کہ کس طرح سیدنا یعقوبؑ کا خاندان مصر میں آباد ہو گیا ---- حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کی اولاد آگے جا کر بنی اسرائیل کہلائی اور بارہ قبیلوں میں

تقسیم ہوگئی ---- سیدنا یوسف علیہ السلام نے ایک سو دس سال کی طویل عمر پائی ---- مصر میں ان کا انتقال ہوا اور ان کی تدفین بھی مصر ہی میں ہوئی۔

قصۂ یوسفؑ احسن القصص کیوں؟

قرآن مجید نے جتنے انبیاءِ کرامؑ کے واقعات اور حالات بیان کیے ہیں ان سب میں سے اس واقعہ اور اس داستان کو "احسن القصص" سب سے حسین قصہ ---- سوہنا بیان کہا ہے ---- اس لیے کہ یہ قصہ اپنے اندر بصیرت اور نصیحت، اِستقامت، ضبط نفس، ایثار و قربانی، صبر و شکر، عفّت و دیانت، امانت و راستی، عفو و درگزر، معافی و مہربانی، جذبۂ تبلیغ، توحیدِ الٰہی کو بیان کرنے کا جذبۂ صادق، شرک کی مذمت اور توحید کے دلائل و براہین۔ یہ تمام کی تمام باتیں قِصّۂ یوسفؑ میں بیان ہوئی ہیں۔

اس واقعہ سے سبق ملا کہ حسد بری بلا ہے اور حسد کا نتیجہ ہمیشہ ذلت و خواری کے طور پر نکلتا ہے۔

اسی واقعہ سے سبق ملا کہ جھوٹ بولنا اور جھوٹی داستانیں گھڑ کر بیان کرنا ---- آخر کار شرمندگی اور جان کا وبال بن جاتا ہے۔

اس واقعہ سے سبق ملا کہ مصائب اور تکالیف اور رنج و الم میں گھر کر جزع فزع اور بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ کہہ کر اللہ کی قضا پر راضی برضا رہنا چاہیے۔

اسی واقعہ سے معلوم ہوا کہ دین کا سچا داعی اور مبلغ جس حال میں بھی ہو ---- ماحول جیسا ہی کیوں نہ ہو---- سننے والے چاہے کسی اور غرض سے آئے ہوں ---- وہ داعی اور مبلغ توحید بیان کرنے کا راستہ نکالتا ہے۔

یہ واقعہ نصائح و عبرت اور موعظت و نصیحت کا مرقع ہے۔ اس لیے "احسن القصص" قرار دیا گیا۔

مولانا حسین علی کا خیال

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ چونکہ اس واقعہ کے ایک ایک موڑ سے ---- اور اس واقعہ کے ایک ایک جوڑ سے ---- اور اس واقعہ اور اس قصہ اور اس بیان کے ایک ایک لمحہ اور ایک ایک لحظہ سے دو مسئلے ثابت ہو رہے ہیں۔ اس لیے اسے "احسن القصص" کہا گیا ہے۔

ایک مسئلہ یہ کہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر اللہ کے سوا دوسرا کوئی نہیں ---- نہ حضرت یعقوبؑ اور نہ حضرت یوسفؑ ---- اور دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مُختارِ کل اور مُتصرّف فی الامور اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ---- نہ سیدنا یعقوبؑ اور نہ سیدنا یوسفؑ ---- وہ دونوں ہماری مرضی کے تابع اور فرمانبردار تھے ---- جو کچھ انھوں نے چاہا وہ کچھ نہیں ہوا ---- بلکہ وہی کچھ ہوا جو اللہ رب العزت نے چاہا ---- وہ دونوں ہمارے پیارے اور محبوب بندے تھے --- وہ عالم الغیب اور مُختارِ کل نہیں تھے۔ اس لیے وہ عبادت کے لائق نہیں --- بلکہ یہ دونوں صفتیں (عالم الغیب ہونا، مُختارِ کل ہونا) صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں اس لیے عبادت و پکار بھی صرف اسی کی ہونی چاہیے۔

سامعینِ گرامی قدر! میں نے سیدنا یعقوبؑ و یوسفؑ کے واقعہ اور قصہ کو بڑی تفصیل اور بڑی وضاحت کے ساتھ کئی خُطبات میں بیان کیا ہے ---- میں اس موضوع کو ختم کرتے ہوئے امام الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ایک ارشادِ گرامی سنانا چاہتا ہوں ---- جس ارشاد سے سیدنا یوسفؑ کی عظمت و شان، ان کے اخلاقِ کریمانہ، اوصافِ حسنہ اور صفاتِ عالیہ نکھر کر سامنے آتے ہیں۔

امام الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

اَلْکَرِیْمُ بْنُ الْکَرِیْمِ بْنِ الْکَرِیْمِ بْنِ الْکَرِیْمِ ---- یُوْسُفُ بْنُ یَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحَاقَ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ۔ وہ سلسلۂ نسب جو چار پشتوں سے کراماتِ

نبوت سے مستفیض ہے وہ یوسفؑ کا سنہری سلسلہ ہے ----- یوسفؑ خود کریم ---- ان کا والد کریم ---- ان کا دادا کریم ---- اور ان کا پڑدادا ابراہیمؑ کریم ہیں۔

ایک موقع پر امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

اَکْرَمُ النَّاسِ یُوْسُفُ نَبِیُّ اللّٰہِ بْنِ نَبِیِّ اللّٰہِ بْنِ نَبِیِّ اللّٰہِ بْنِ خَلِیْلِ اللّٰہِ۔ (بخاری کتاب التفسیر)

وما علینا الا البلاغ المبین
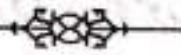
سیدنا موسیٰ و ہارون علیہما السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ج فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ج اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ ﴾ (۲۸ : ۷) (صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ)

سامعین گرامی قدر! جو آیات میں نے خطبہ میں تلاوت کی ہیں ---- ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ ربُ العزت نے ایک اولوالعزم اور جلیل القدر پیغمبر حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا ذکرِ خیر فرمایا ہے ---- میں آج کے خطبہ میں حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سیرت و کردار اور حیاتِ طیبہ کے متعلق کچھ باتیں آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن مجید کے صفحات میں جن انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے ان انبیاء کرامؑ میں حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نمایاں، منفرد اور ممتاز نظر آتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکرِ خیر باقی انبیاء کرامؑ کی نسبت قدرے تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

تقریباً پانچ سو چودہ (۵۱۴) مقامات پر سیدنا موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا

تذکرہ موجود ہے اور قرآن مجید میں ایک سو سات جگہوں پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا اسمِ گرامی موجود ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآنِ مقدس میں

سیّدنا موسیٰؑ کا تذکرہ کثرت کے ساتھ کیوں؟

کثرت کے ساتھ اور تفصیل کے ساتھ بے شمار مقامات پر امام الانبیاء سیدنا محمد رسُول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو شجاعت اور حوصلہ دینے کے لیے کیا گیا ---- نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو تسلی دینے کے لیے حضرت موسیٰؑ کا ذکر کثرت کے ساتھ ہوا ---- اللّٰہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر اور محبوب نبی کو بتانا چاہتے ہیں کہ میرے پیارے پیغمبر ---- اگر اعلانِ حق سنانے اور توحید کی تبلیغ کرنے اور قرآن بیان کرنے کے سلسلے میں ---- مصائب اور دکھ آئیں ---- تکالیف اور غموں کا سامنا ہو ---- پتھروں کی بارش ہونے لگے ---- راستے میں کانٹے بچھنے لگیں ---- گلے میں رسیاں ڈالی جائیں ---- فتوے لگیں ---- پھبتیاں کسی جانے لگیں --- مذاق اڑایا جائے ---- وطن سے بے وطن کرنے کی تدبیریں ہونے لگیں ---- قتل کی سازشیں بننے لگیں ---- ساتھیوں کو ستایا جانے لگے ---- تو میرے پیارے پیغمبر گھبرانا نہیں ---- پریشان نہیں ہونا ---- دکھوں، مصیبتوں ---- پریشانیوں اور مخالفتوں کے وقت میں میرے موسیٰ کلیم اللّٰہؑ کے حالات و واقعات پر نظر ڈالنی ہے کہ

انھوں نے کس بہادری سے ---- کتنی جرأت سے --- کس قدر پامردی سے --- کیسی دلیری سے --- کتنے تحمّل سے اور کس قدر حوصلے سے فرعون کے دربار میں ---- ہاں اس فرعون کے دربار میں جو صرف بادشاہی کا نہیں ---- اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ---- کا دعویدار تھا ---- وہ اپنے وقت میں سیاہ و سفید کا مالک بنا ہوا تھا ---- اس فرعون کے سامنے --- ہاں اس کے بھرے دربار

میں ---- اس کے وزیروں، مشیروں کے سامنے ---- نعرۂ تکبیر اور نعرۂ توحید بلند کیا تھا ---- اور فرعون کی جھوٹی خدائی کے خلاف اعلانِ بغاوت کیا تھا۔

میرے محبوب پیغمبر! آپ بھی سیدنا موسیٰؑ کی طرح بہادر اور شجاع ہو کر اعلانِ توحید کریں اور اس دعوت و تبلیغ کے راستے میں دکھ اور مصائب آئیں تو صبر و حوصلہ سے کام لیں۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ نے مصائب اور تکالیف برداشت کی تھیں۔ حضرت موسیٰؑ نے ---- کتنے رنج اٹھائے اور کتنے ظلم سہے ---- کتنے طعنے برداشت کیے ---- کتنی پریشانیاں تھیں انھیں۔

کبھی دشمنوں سے واسطہ ہے ---- کفار سے مقابلہ ہے ---- فرعون اور اس کے گروہ سے ٹکر ہے ---- مصر کی حکمران جماعت سے جنگ ہے ---- مصائب ہیں ---- دکھ ہیں ---- غم ہیں ---- پے در پے پریشانیاں ہیں۔

اور جب اللہ ربُ العزت نے اپنی رحمت اور مدد سے ---- فرعونیوں کو غرق کر کے نجات عطا فرمادی تو اب قوم (بنی اسرائیل) ایسی ملی جو حضرت موسیٰؑ کو ذہنی طور پر پریشان اور حیران کر کے رکھ دیتی ہے ---- اکھڑ، بد مزاج، اور بے دید اور ناشکرے ---- قوم ان پر بے جا اعتراضات، اور لایعنی سوالات کی بوچھاڑ کر دیتی ہے ---- اللہ کے احکام قبول کرنے میں لیت و لعل سے کام لیتی ہے ---- حجت بازیاں کرتی ---- کبھی کہتے یہ بڑے سخت احکام ہیں اور اللہ ---- کریم اللہ اور مہربان و رحیم اللہ اِتنے سخت احکام نہیں دیتا ---- کبھی سونے اور چاندی سے بنے ہوئے بچھڑے کو معبود مان کر حضرت موسیٰؑ کی چالیس سالہ محنت پر پانی پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں ---- غرضیکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے ---- دشمنوں اور دوستوں کی جانب سے بے شمار دکھ اور پریشانیاں اٹھائیں ---- مگر وہ صبر و تحمل سے اور جرأت و بہادری سے مسلسل آگے بڑھتے رہے۔

اور اس لیے بھی حضرت موسیٰؑ کا تذکرہ قرآن میں زیادہ کیا گیا کہ ان کے واقعہ میں بہت سی نصیحتیں، عوام و خواص کے لیے عبرتیں ---- اور مواعظ موجود ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا واقعہ ---- کوئی داستان اور قصہ نہیں ہے بلکہ یہ واقعہ اپنے اندر بے شمار عبرتیں اور لاتعداد بصیرتیں لیے ہوئے ہے۔

حق و باطل کا معرکہ اس میں ---- ظلم و انصاف کی جنگ اس میں --- آزادی و غلامی کی کشمکش اس میں ---- مجبور و فقیر کی سربلندی اس میں ---- جابر و متکبر کی پستی و ہلاکت اس میں --- حق کی فتح و کامرانی اس میں ---- باطل کی شکست و ذلت اس میں ---- جرأت و بہادری کی داستان اس میں --- ناشکری کے برے نتائج کا بیان اس میں --- غرضیکہ اس واقعہ میں بڑی عبرتیں، نصیحتیں اور بصیرتیں موجود ہیں ---- اس لیے قرآن نے اس واقعہ کو دوسرے انبیاء کرامؑ کی نسبت ذرا تفصیل سے بیان فرمایا۔

بنی اِسرائیل کے مصر میں حالات

قرآن مجید نے سیدنا یعقوبؑ کی اولاد کا تذکرہ سورۃ یوسف میں صرف اس قدر کیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی آل اولاد کو حضرت یوسف علیہ السلام نے کنعان سے مصر بلوا لیا تھا ---- اور حضرت یعقوبؑ اپنی اولاد کے ساتھ مصر میں مُقیم اور آباد ہو گئے تھے۔

مگر اس کے صدیوں بعد سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں قرآن ایک مرتبہ پھر اولادِ یعقوب (یعنی بنی اِسرائیل) کے واقعات و حالات تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

بنی اِسرائیل ---- جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا ---- یہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد تھے ---- "اِسرائیل" حضرت یعقوبؑ کا

لقب ہے ----- عبرانی زبان کے اس لفظ کا معنی ہے "عبداللہ" ---- یعنی اللہ کا بندہ۔

حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے اور ان بارہ بیٹوں کی اولاد بنی اِسرائیل کہلائے ---- ہر بیٹے کی اولاد نے ایک الگ قبیلے کی صورت اختیار کرلی اور اس طرح بنی اِسرائیل بارہ قبیلوں میں تقسیم ہوگئے۔ بنی اِسرائیل کا اصل وطن مصر نہیں تھا--- بلکہ یہ حضرت یوسفؑ کے زمانے اور دَور میں ---- مصر میں آباد ہوگئے تھے۔

مصر کے مقامی باشندے بنی اِسرائیل کو تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ---- معاشی اور سماجی اعتبار سے اپنے برابر کا شہری سمجھنے اور ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

مصری انھیں اپنے سے کم تر---- پست اور گھٹیا سمجھتے اور انھیں معاشرہ میں دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا۔

بلکہ مصری ----- بنی اِسرائیلیوں کو اپنا غلام، نوکر اور ملازم سمجھتے ---- ان سے بیگار پر کام لیتے ---- اور ان کی عورتوں کو نوکرانیاں اور ملازمہ سمجھ کر اُن سے گھر کے کام کاج لیتے ---- گویا کہ بنی اِسرائیل مصر میں قیدیوں جیسی زندگی --- ذلت و رسوائی کی زندگی ---- اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

مصر کا بادشاہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے وقت مصر کے بادشاہ کا نام بعض مؤرخین ولید بن مُصعب بن ریان بتاتے ہیں ----- اور کچھ مُصعب بن ریان کہتے ہیں اور بعض محققین علماء کا کہنا یہ ہے کہ اس کا نام ریان تھا اور اس کی کنیت ابومرہ تھی۔ فرعون اس کا نام نہیں تھا بلکہ مصر کے بادشاہ کو فرعون کہتے تھے ---- گویا کہ فرعون اس کا لقب تھا۔

بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل

بعض مؤرخین نے کہا کہ فرعون کو بنی اسرائیل کے ساتھ اس لیے دشمنی اور عداوت اور مخالفت ہو گئی تھی کہ اسے نجومیوں کاہنوں نے اطلاع دی تھی کہ بنی اسرائیل کا ایک فرزند تیرے تخت و تاج کو الٹ دے گا۔

اور بعض تاریخی روایات میں ہے کہ فرعون نے اس طرح کا کوئی خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر یہ بتلائی گئی کہ بنی اسرائیل کا ایک بچہ بڑا ہو کر تیری حکومت و سلطنت کے لیے خطرہ بن جائے گا۔

مگر یہ دونوں باتیں دل کو نہیں بھاتیں ---- بنی اسرائیل کے قتل اولاد کی اصل وجہ یہ ہے کہ فرعون ایک ملک کا بادشاہ تھا ---- ملکی اور اس وقت کے عالمی حالات پر اس کی نظر ہوگی ---- جانتا تھا کہ بنی اسرائیل سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد ہیں ---- اور یہ بھی جانتا تھا کہ نبوت اور حکومت عطا کرنے کا اللہ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے ---- یہی خطرہ اسے قتل اولاد پر ابھارنے لگا کہ کہیں ان میں سے کوئی نبوت کا مدعی بن کر نہ اٹھ کھڑا ہو ---- اور میری حکومت کے لیے چیلنج نہ بن جائے ---- ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے خطرہ ہو کہ بنی اسرائیل عددی اعتبار سے زیادہ ہو گئے ---- اور مصر میں ان کی اکثریت ہو گئی تو کل یہ میری حکومت اور تخت و تاج کے لیے خطرہ بن جائیں گے ---- اس لیے اس نے بنی اسرائیل کے نومولود بچوں کو قتل کرنے کا حکم جاری کیا۔

سیدنا موسیٰؑ کا ولادت

جس زمانے میں فرعون اسرائیلی بچوں کو قتل کرنے کا حکم دے چکا تھا ---- اس زمانے میں عمران نامی ایک اسرائیلی کے گھر حضرت موسیٰؑ نے جنم لیا ---- اب حضرت موسیٰؑ کی والدہ اور باقی گھر کے لوگ بے حد پریشان اور مغموم تھے کہ موسیٰؑ

کو کس طرح فرعونیوں کی نگاہ سے اور ظالموں کی دسترس سے محفوظ رکھیں ----
اس کٹھن اور سخت مرحلے اور نازک وقت میں اللہ ربُ العزت نے ان کی مدد فرمائی ---- قرآن اِس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے :

﴿ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡہِ ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَیۡہِ فَاَلۡقِیۡہِ فِی الۡیَمِّ وَ لَا تَخَافِیۡ وَ لَا تَحۡزَنِیۡ ۚ اِنَّا رَآدُّوۡہُ اِلَیۡکِ وَ جَاعِلُوۡہُ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝ ﴾

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰؑ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلاتی رہ۔ پھر جب تجھے ڈر اور خوف محسوس ہو تو اس کو ڈال دے دریا میں اور خوف اور غم نہ کر۔ ہم پہنچا دیں گے موسیٰؑ کو تیری طرف اور اسے رسول بھی بنائیں گے۔ (۲۸ : ۷)

(وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی ---- موسیٰؑ کی ماں کو حکم دیا ---- یہ حکم کس طرح دیا ---- ظاہر بات ہے کہ یہاں وحی سے مُراد نبوت والی وحی نہیں ہے۔ اس لیے کہ کوئی عورت نبی نہیں ہُوئی ---- علماء نے کہا : وحی سے مُراد اِلہام ہے ---- یعنی دِل میں یہ بات ڈال دی۔ جیسے وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ ---- شہد کی مکھی کو اللہ نے حکم دیا ---- یا خواب میں اُمِّ موسیٰؑ کو ساری حقیقت دکھادی اور سمجھادی ---- مگر سب سے راجح قول یہ ہے کہ جس طرح بشری لباس میں حضرت مریم کے پاس فرشتہ آیا تھا اور خوشخبری سنائی تھی اِسی طرح اُمِّ موسیٰؑ کے پاس بھی فرشتے نے اِنسانی لباس میں ---- آ کر اللہ کا یہ پیغام اور یہ حکم پہنچایا۔)

حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے اللہ ربُ العزت کا حکم پا کر حضرت موسیٰؑ کو ایک صندوق میں بند کیا ---- اس پر روغن کی پالش کی تا کہ پانی اندر نہ جاسکے ---- پھر دریا کی تیز و تند موجوں کے حوالے کر دیا اور اپنی بڑی بیٹی سے کہا کہ وہ صندوق کے بہاؤ کے ساتھ کنارے کنارے ---- انجان بن کر چلتی رہے ----- صندوق کو اپنی نگاہوں میں رکھے ---- اور دیکھے کہ اللہ ربُ العزت کا وعدہ کس طرح پورا ہوتا ہے ---- جو وعدہ اس نے میرے ساتھ کیا ہے کہ موسیٰؑ کو

تیری جانب لوٹائیں گے بھی سہی اور اسے پیغمبر بھی بنائیں گے۔

فرعون کے گھر تربیت

سیدنا موسیٰؑ کی بہن صندوق کو نگاہوں میں رکھ کر اور انجان بن کر دریا کے کنارے کنارے چلی جارہی ہے ----- پھر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ صندوق تیرتے تیرتے شاہی محل کی دیواروں کے ساتھ آلگا ---- اور کنارے بھی اس وقت آلگا جب فرعون کی بیوی آسیہ محل کی چھت سے دریا کی موجوں کا نظارہ کررہی تھی ---- آسیہ نے اپنے ملازموں اور شاہی محل کے کارندوں کو حکم دیا کہ صندوق اٹھا کر لایا جائے ---- صندوق شاہی محل میں پہنچا --- صندوق کھولا گیا تو سب دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک انتہائی خوبصورت بچہ آرام سے لیٹا ہوا اپنا انگوٹھا چوس رہا ہے۔

آسیہ نے معصوم اور خوبصورت بچے کو پیار کیا ---- اللہ ربّ العزت نے حضرت موسیٰؑ کو بچپن ہی سے ایسی صورت اور دلکشی اور کشش بخشی تھی کہ جو بھی ایک مرتبہ دیکھتا وہ آپ سے محبت و پیار کرنے لگتا۔

﴿ وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ﴾ (طٰہٰ ۲۰ : ۳۹) ----- اور میں نے (اے موسیٰؑ) اپنے فضل و کرم سے تجھ پر محبت کا سایہ ڈال دیا کہ جو اجنبی تجھے دیکھتا تجھ سے محبت کرنے لگتا۔

شاہی محل میں اس عجیب و غریب انداز میں بچے کی آمد نے سب کو حیران کردیا تھا ----- فرعون بھی بھاگتا ہوا آگیا ---- اربابِ اقتدار اور کارندے بھی پہنچ گئے ---- کسی کارندے نے کہا یہ تو اسرائیلی بچہ معلوم ہوتا ہے اور کہیں یہ وہی بچہ نہ ہو جس کے متعلق نجومیوں نے اور معبّرین نے اطلاع دی ہے ---- اور اولادِ ابراہیم میں سے یہی بچہ کہیں ہماری حکومت و تخت کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔ لہٰذا اس کو قتل کردینا ضروری ہے ---- فرعون

نے بھی اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا ----- فرعون کی بیوی آسیہ نے
رعون کے تیور دیکھے تو کہنے لگی :

﴿ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوهُ ۖ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا
وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ ﴾ (سورۃ القصص ۲۸ : ۹)

(اسے قتل نہ کرو بڑا پیارا بچہ ہے) یہ میری اور تیری آنکھوں کی
ٹھنڈک ہے ----- ہو سکتا ہے یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں اور
ان کو انجام کا کچھ علم نہ تھا (کہ جسے ہم اپنے لیے نفع مند سمجھ رہے ہیں کل کلاں یہی
بچہ ہماری حکومت کے لیے خطرہ بن کر کھڑا ہو جائے گا۔)

یوں اللہ رب العزت نے خوبصورت تدبیر سے موسیٰ کو شاہی محل میں پہنچا
دیا ----- اور فرعون کی بیوی کا محبوب اور پیارا بنا دیا ---- تقدیر الٰہی کو کون ٹال
سکتا ہے ----- قدرت کی کرشمہ سازیاں دیکھیے کہ اے فرعون جس بچے کو پیدا
ہوتے ہی تو نے مار ڈالنے کا حکم دے رکھا تھا ---- دیکھ ہم اسے تیرے محل میں
لے آئے ہیں ----- تیری بیوی اس پر سو جان سے فدا اور قربان ہے ---- شب
و روز اس کی خدمت میں سرشار رہتی ہے ---- اور خود تو بھی اسے گود میں
اٹھاتا اور پیار کرتا ہے ---- اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔

او جھوٹی خدائی کے لعنتی دعویدار ---- دیکھ سچے اور حقیقی رب نے
تیرے دشمن کو کس شان سے تیری گود میں پالا -- اور یہی تیرا پیارا ایک دن
تیرے لیے باعثِ غم ---- تیرے تخت و تاج کا دشمن ---- اور تیری تباہی و
بربادی کا پیغام بن جائے گا۔

اُمِ موسیٰؑ سے کیا ہوا وعدہ وفا ہوا

معصوم موسیٰؑ فرعون کے
محل میں ہیں ---- انھوں

نے رونا شروع کیا ---- بھوک نے ستایا ---- دودھ پلانے کے لیے دایہ کو بلایا گیا ---- مگر اللہ ربّ العزت نے موسیٰؑ کی ماں سے کیے گئے وعدہ کو پورا کرنے کے لیے موسیٰؑ کی طبیعت میں یہ بات پیدا کردی کہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا ---- شاہی دائیاں تھک ہار کر بیٹھ گئیں۔ لاکھ کوشش کی مگر موسیٰؑ کسی دایہ کا دودھ پینے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن یہ سارا ماجرا اور سارا حال دیکھ رہی تھی ---- اس نے انجان بن کر کہا:

﴿ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ ۝ ﴾

(سورۂ قصص ۲۸: ۱۲)

میں تم کو ایک گھر والوں کی خبر دوں جو اس بچّے کو پال دیں اور وہ اس کا بھلا چاہنے والے ہیں۔ فرعون کی بیوی نے دایہ کو لانے کا حکم دیا ---- حضرت موسیٰؑ کی بہن خوشی و مسرت سے جھومتی اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی اور اپنی ماں کو جا کر سارا ماجرا سنایا، اور بتایا کہ اب آپ کو فرعون کے دربار میں موسیٰؑ کو دودھ پلانے کے لیے چلنا ہوگا۔

اس خبر سے پہلے ام موسیٰ ---- موسیٰؑ کو صندوق میں بند کرکے دریا کے سپرد تو کر بیٹھی تھی ---- مگر ماں کی ممتا بے قرار تھی ---- وہ مسلسل تڑپ رہی تھی اور اتنی بے چین ہو گئی تھی کہ اپنے راز کو اور اس ساری حقیقت کو ظاہر کردیں ---- اس کا دل بچے کی یاد کے سوا ---- اور بچے کے خیال کے سوا ہر خیال سے خالی ہو گیا تھا۔

اسی اضطراب ---- پریشانی اور بے چینی کی حالت میں اللہ ربّ العزت نے اس پر اپنے فضل و احسان اور رحمت کی برکھا برسادی ---- ان کے قلب پر اطمینان و سکون اور تسکین کی بارش برسادی ---- اور ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا

تھا کہ بیٹی نے آ کر پوری داستان سنا دی ---- اور اس طرح حضرت موسیٰؑ کی ماں شاہی شان و شوکت کے ساتھ اور عزت و وقار کے ساتھ شاہی دربار کی طرف روانہ ہوئیں ---- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ (۲۸ : ۱۳)

پھر ہم نے پہنچا دیا موسیٰؑ کو اپنی ماں کے پاس تا کہ (موسیٰؑ کو دیکھ کر) ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غمگین نہ ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر بہت لوگ نہیں جانتے۔

اس طرح اللہ رب العزت نے ام موسیٰؑ سے کیا ہوا پہلا وعدہ پورا فرما دیا ---- اب سیدنا موسیٰؑ فرعون کے محل میں شاہی شان و شوکت سے پروان چڑھ رہے ہیں ---- اور شہزادوں جیسی زندگی گزار رہے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ ایک مدت تک شاہی محل میں پروان چڑھتے رہے ---- جوانی اور شباب کے دور میں داخل ہوئے تو انتہائی طاقت ور، مضبوط جسم والے اور شجاع و بہادر جوان نکلے ---- انتہائی صحت مند ------ بے حد قوت والے، بارعب، چہرے سے باوقار ---- گفتگو میں اعتماد ٹپکتا تھا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس دوران معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل سے ہیں اور مصری خاندان اور فرعون کے کنبے سے ان کا کوئی تعلق اور رشتۂ قرابت نہیں ہے۔

وہ مسلسل یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ میری قوم بنی اسرائیل ظلم و ستم کی چکی میں پس رہی ہے ---- وہ مظلومیت و محکومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں ---- وہ مصر میں اپنی قوم کی ذلت و رسوائی کا مشاہدہ بھی کر رہے تھے ---- یہ دیکھ کر ان کا خون کھولنے لگتا کہ ان کی قوم کی بیٹیوں سے گھر کے کام کاج بھی لیے جاتے اور

ان کی عزتوں سے بھی کھیلا جاتا ---- ان کی قوم کے لڑکوں کو قتل کر دیا جاتا ----
یہ سب مظالم اور زیادتیاں دیکھ دیکھ کر سیدنا موسیٰؑ اکثر و بیشتر اپنی قوم بنی اسرائیل کی حمایت اور مدد کرنے میں پیش پیش رہتے۔

اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰؑ کو جسمانی قوت و طاقت عطا کرنے کے ساتھ ساتھ روحانی پاکیزگی، قلب و نظر کی طہارت، دانش مندی و فہم و فراست اور حکمت و دانائی سے بھی مالا مال کیا تھا۔

﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰىٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾ (۲۸ : ۱۴)

اور جب موسیٰؑ اپنے جوبن پر پہنچے تو ھم نے اسے قوتِ فیصلہ اور علم عطا فرمایا۔

مصری اور اسرائیلی کا جھگڑا

ایک دن حضرت موسیٰؑ شہر میں آئے تو دیکھا کہ ایک مصری ---- ایک اسرائیلی سے لڑ رہا ہے ---- مصری ---- اسرائیلی سے بیگار لینے کے لیے اسے گھسیٹ رہا ہے ---- اسرائیلی نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھا تو مصری کے خلاف فریاد کرنے لگا اور مدد کی درخواست کرنے لگا۔

حضرت موسیٰؑ مصری کی اس ظالمانہ حرکت پر سخ پا ہوگئے ---- اسے سختی سے منع کرنے لگے کہ اس ظلم سے باز آجاؤ ---- مگر مصری نہ مانا ---- حضرت موسیٰؑ نے غصہ اور طیش میں آکر مصری کو ایک مکا اتنے زور سے مارا کہ مصری اس کی ضرب برداشت نہ کرسکا اور موقع پر ہی مر گیا۔

سیدنا موسیٰؑ اپنے اس فعل پر نادم ہوئے ---- ان کا ارادہ جان سے مارنے کا نہیں تھا ---- ویسے بھی مکے سے عادتاً کوئی بندہ نہیں مرتا ---- مگر اس کے باوجود انھوں نے اپنے اللہ کے دربار میں معافی کی درخواست کی ----
اللہ رب العزت نے ان کی غلطی کو معاف فرمادیا۔

شہر میں مصری کے قتل کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی ---- مصریوں کے لیے بڑا دھچکا تھا کہ کوئی اِسرائیلی بھی مصری پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے ---- وہ اس قتل پر پیچ پا تھے --- مگر قاتل کے بارے کچھ معلوم نہ تھا ---- فرعون کے ہاں دعویٰ دائر ہُوا --- اس نے کہا کہ پُوری بنی اِسرائیل قوم سے تو بدلہ نہیں لیا جا سکتا --- ہاں تم قاتل کا پتا چلاؤ تو اُسے سخت سے سخت ترین سزا دی جا سکتی ہے۔

عجیب اتفاق دیکھیے کہ دُوسرے دِن حضرت موسیٰؑ شہر میں پہنچے ----- ڈرتے ہُوئے سہمے ہُوئے کہ راز فاش نہ ہو جائے ----- حضرت موسیٰؑ نے دیکھا کہ وہی کل والا اِسرائیلی آج ایک اور مصری سے جھگڑ رہا ہے ---- حضرت موسیٰؑ کو دیکھ کر آج بھی اِسرائیلی نے مصری کے خلاف مدد کرنے کی درخواست کی --- یہ منظر دیکھ کر حضرت موسیٰؑ نے دوہری ناگواری محسُوس کی ----- ایک طرف مصری کا اِسرائیلی پر ظلم و ستم اور تشدد تھا ---- اور دُوسری جانب اِسرائیلی کی شرارت کہ آج پھر جھگڑے میں مصروف ہے ----- پھر کل کا واقعہ اور حادثہ بھی آنکھوں کے سامنے تھا ---- اِسی اِضطراب اور اِسی پریشانی میں وہ آگے بڑھے ---- مصری کو ظلم و ستم سے باز رہنے کی تلقین کرنے لگے اور ساتھ ہی اِسرائیلی کو بھی تنبیہ فرمانے لگے ----

﴿اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (۲۸ : ۱۸)

---- بلاشبہ تو واضح بے راہ اور گمراہ ہے ----- تیرا کام ہر روز کسی نہ کسی سے جھگڑنا اور لڑنا ہی رہ گیا ہے ---- اِسرائیلی نے حضرت موسیٰؑ کو ہاتھ بڑھاتے ---- اور اپنے مُتعلق تلخ اور تیز الفاظ کہتے سنا تو سمجھا کہ موسیٰؑ مُجھ کو مارنے کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہیں ---- وہ گزشتہ روز حضرت موسیٰؑ کے مُکّے کا کرشمہ بھی دیکھ چکا تھا ---- وہ گھبرا کر کہنے لگا:

﴿اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا ۢ بِالْاَمْسِ﴾ (۲۸ : ۱۹)

جس طرح تم نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اسی طرح آج مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو؟۔

موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ

مصری نے اسرائیلی کی زبان سے یہ جُملہ سنا تو فوراً فرعون کو جا کر تمام تر داستان سنائی ---- کہ کل قتل ہونے والے مصری کا قاتل موسیٰؑ ہے۔

فرعون نے درباریوں سے مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ موسیٰؑ کو اس قتل کے جرم میں گرفتار کر لیا جائے اور پھر اسے قتل کر دیا جائے۔

درباریوں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو دل و جان سے حضرت موسیٰؑ سے محبت رکھتا اور اسرائیلیوں کا ہمدرد تھا ---- وہ فرعون کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا ---- اس نے فرعون کا یہ فیصلہ ---- اور یہ حکم سنا تو فرعونی پولیس سے پہلے ہی دربار سے نکل کر دوڑ پڑا اور حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا:

﴿ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ (۲۸ : ۲۰)

اے موسیٰؑ دربار والے تیرے متعلق مشورہ کرتے ہیں کہ تجھ کو قتل کر دیں پس تو مصر سے بھاگ جا۔ میں یقیناً تیرا خیر خواہ ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام مدین پہنچے

حضرت موسیٰؑ نے مصر سے ہجرت کرتے ہوئے مدین کی بستی کا انتخاب فرمایا ---- مدین حضرت شعیب علیہ السلام کا مسکن تھا ---- کچھ علماء نے کہا کہ ہجرت کے لیے مدین جانے کا فیصلہ اس لیے کیا گیا کہ وہاں بسنے والا قبیلہ ---- حضرت موسیٰؑ کے قرابت دار تھے ---- کیونکہ حضرت موسیٰؑ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور مدین میں بسنے والا قبیلہ حضرت اسحاقؑ کے بھائی مدین بن ابراہیم کی اولاد تھا۔

حضرت موسیٰؑ چونکہ قتل کے خوف سے بھاگے تھے اس لیے اس سفرِ ہجرت

میں ان کے ہمراہ نہ کوئی رفیقِ سفر تھا --- نہ کوئی دوست --- نہ کوئی غم گسار اور نہ زادِ راہ --- تیز روی کی وجہ سے برہنہ پا تھے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس تمام راستے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوراک درختوں کے پتے تھے --- اور برہنہ پا ہونے کی وجہ سے --- اور طویل سفر کی بنا پر پاؤں کے تلووں کی کھال تک اڑ گئی تھی ------ بھوکے پیاسے --- پریشان حال موسیٰؑ مصر سے اکیلے ہجرت کر کے مدین کے علاقے میں داخل ہوئے۔

مدین کا کنواں

اور شہر سے باہر کنویں پر دیکھا کہ پانی حاصل کرنے کے لیے --- اور مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے لوگوں کا ہجوم ہے ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کنویں سے کچھ فاصلے پر دیکھا کہ دو لڑکیاں شرم و حیا کا مجسمہ بنے کھڑی ہیں اور اپنے جانوروں کو کنویں کے قریب جانے سے روک رہی ہیں۔

حضرت موسیٰؑ اپنی خداداد فہم سے سمجھ گئے کہ یہاں مدین میں بھی وہی کچھ ہو رہا ہے جس کا مشاہدہ اور تجربہ انھیں مصر میں ہو گیا تھا --- یعنی ظالم اور طاقت ور --- اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر مظلوموں اور کمزوروں پر ظلم ڈھاتے اور ان کے حق سے پہلے اپنا حق مقدم سمجھتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ نے ان لڑکیوں سے یوں الگ تھلگ کھڑے ہونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا:

﴿لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۔ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ﴾ (قصص ۲۸ : ۲۳)

ہم مجبور ہیں یہ بڑے ظالم اور ہٹ دھرم لوگ ہیں ---- اگر ہم آگے بڑھیں تو یہ لوگ زبردستی ہمیں پیچھے ہٹا دیتے ہیں ---- ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں --- اس لیے جب تک یہ سب لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر واپس نہیں

چلے جاتے اس وقت تک ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں ---- یہی ہمارا روزانہ کا معمول ہے۔

(اَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ ----- ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں ----- اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ اب اس عمر میں ان ظالموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے ----- اور ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ہمارے والد تندرست و جوان ہوتے تو اس کام کے لیے ہم کبھی گھر سے باہر نہ آتیں ----- عورت کا کام عوام اور ہجوم میں آنا نہیں بلکہ گھر کی چار دیواری میں وقار و آرام کے ساتھ رہنا ہے۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لڑکیوں کی مظلومانہ داستان سنی تو غصے میں آ گئے ---- ہجوم کو چیرتے ہوئے اور ہٹاتے ہوئے آگے بڑھے اور کنویں کے قریب جا پہنچے اور بڑا ڈول جسے کئی آدمی مل کر نکالتے تھے حضرت موسیٰؑ نے اکیلے نکالا اور لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا ----- لوگ حضرت موسیٰؑ کی پر وقار صورت دیکھ کر ---- اور پھر طاقت و قوت کا مشاہدہ کر کے مرعوب اور بکے بکے رہ گئے۔ جب دونوں لڑکیاں گھر پہنچیں تو خلافِ عادت اور خلافِ معمول جلد واپسی پر والد گرامی کو تعجب ہوا ---- دریافت کرنے پر لڑکیوں نے تمام واقعہ اپنے والد کے سامنے بیان کیا۔ والد نے بیٹیوں کی بات سنی تو ایک بیٹی سے کہا ---- جاؤ اور اس جوان کو بلا کر میرے پاس لاؤ تا کہ میں اسے اس کے اس احسان اور نیکی کا اجر اور بدلہ دوں۔

سبحان اللہ ! ادھر باپ اور بیٹی کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی ہے اور ادھر حضرت موسیٰؑ بے حد بھوک کے ستائے ہوئے قریب ہی ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ کر ستانے لگے ---- مسافری کی حالت، اجنبیت، غربت ----- تینوں باتیں جمع ہو گئی تھیں ----- بھوک اتنی شدید کہ پیٹ پیٹھ سے لگ گیا ہے ---- چل چل کے پاؤں شدید زخمی ----- پھٹے ہوئے کپڑے ----- نہ

کوئی رفیق اور نہ کوئی غم گسار ----- نہ کوئی ٹھکانا نہ آسرا اور نہ سر چھپانے کے لیے کوئی جگہ ------ اس حالت میں اپنے داتا کے آگے التجا کی :

﴿رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ﴾ (قصص ۲۸ : ۲۴)

میرے مولا ! تو جو بھی چیز اچھی اور بہتر میری طرف اُتار دے، مَیں اُس کا مُحتاج ہُوں۔

(مَیں منگتا ہُوں ---- مَیں سوالی ہُوں ---- مَیں گدا ہُوں ----- مَیں فقیر اور مُحتاج ہُوں تیرے دروازے کا۔)

سب فقیر داتا صرف اللہ

سامعینِ گرامی قدر ! حضرت موسیٰؑ کو ابھی تک نبوت و رسالت تو نہیں ملی ----- مگر کیا پیغمبر اور رسُول نبوت کے عطا ہونے سے پہلے کوئی عام یا معمُولی آدمی ہوتا ہے؟ ----- ہرگز نہیں ---- وہ نبوت کے ملنے سے پہلے بھی اللہ کا پیارا، اور اللہ کی نگہبانی میں رہنے والا ہوتا ہے ----- اولیاء اللہ سے تو بہر حال اعلیٰ، عظیم اور اونچا ہوتا ہے ---- یہاں ایک لمحہ کے لیے رکیے اور خدا را غور کیجیے حضرت موسیٰؑ بھوک سے نڈھال ہیں اور التجا و اقرار کر رہے ہیں کہ میں فقیر اور مُحتاج ہوں ---- مُجھے یہ بتانے کی قطعًا ضرورت نہیں کہ فقیر کا معنی دینے والا نہیں مانگنے والا ہے ---- فقیر کا معنی عطا کرنے والا نہیں سوال کرنے والا ہے ---- لوگو ! ہماری دعوت کو مان لو ----- ہماری بات کو تسلیم کر لو کہ تمام مخلوق اللہ کے دروازے کی فقیر ہے ----- انبیاء بھی اور اولیاء بھی ----- فرشتے بھی اور جنات بھی ---- پیر بھی اور بزرگ بھی ---- سب اللہ کے دروازے کے فقیر ہیں ----- منگتے ہیں ----- سوالی ہیں ----- مُحتاج ہیں ---- داتا اور غنی صرف اور صرف اللہ ربُّ العزت ہے۔

قرآن بولتا ہے :

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴾

اے لوگو! تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز ہے خوبیوں والا ہے۔ (سورۂ فاطر ۳۵ : ۱۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں دعا مانگتے ہوئے کہا:

اَنَا الْبَآئِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ۔

میں دکھیارا محتاج اور فریادی پناہ چاہنے والا لرزاں و ترساں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی فقیری و تنگدستی اور مفلسی کی فریاد اپنے اللہ رب العزت کے سامنے کر رہے تھے کہ وہ لڑکی بھی وہاں پہنچ گئی ---- اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی کی شرم و حیا اور حیا کے ساتھ چلنے کو عجیب انداز میں بیان فرمایا:

﴿ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ﴾ (۲۸ : ۲۵)

ان دو لڑکیوں میں سے ایک موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی وہ چلتی تھی شرم و حیاء سے۔

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ تعالیٰ ---- تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ کا معنی کرتے تھے ---- لڑکی اتنے شرم اور اتنی حیاء سے آرہی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے حیاء کی سڑک بچھادی ہو اور وہ حیاء کی سڑک پر چل کر آرہی ہو۔

عورت اور حیاء

سامعینِ گرامی قدر! عورت میں ہوتی تو حیا ہی ہے ---- اگر اس میں حیا موجود نہیں تو پھر وہ عورت نہیں ---- اگر وہ مردوں کے شانہ بہ شانہ کام کرتی ہے ---- مردوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی ہے ---- کندھے مٹکا مٹکا کر بازاروں میں بے پرد گھومتی ہے ---- محفلوں میں رقص کرتی اور اپنے بدن کی نمائش کرتی ہے ---- اگر اس کی آنکھوں میں شرم و حیا نہیں ہے تو وہ عورت نہیں ہے ---- ایسی عورت شریعت کی باغیہ ہے۔

تاریخ و سیرت کی کتابوں نے نقل کیا کہ ایک صحابیہ کا جوان اکلوتا بیٹا میدانِ جنگ میں شہید ہو گیا---- اسے بیٹے کی شہادت کی اطلاع دی گئی---- یہ خبر سُن کر وہ تڑپ گئی، اس کا جگر گوشہ چھن گیا، اس کا سکون لٹ گیا، اس کی آنکھوں کا نور سلب ہو گیا، اس کے دل کا قرار ختم ہو گیا---- اس کی دنیا اجڑ رہی تھی ---- وہ اس خبر کی تصدیق کے لیے امام الانبیاء ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ---- اس حالت میں کہ چہرہ چادر سے چھپا ہوا ہے ---- باپردہ ہے ---- شرم و حیا کے ساتھ آئی ---- نسوانی غیرت کے ساتھ آئی، کسی کے مُنھ سے یہ جُملہ نِکلا:

دیکھو جی! اس کا بیٹا شہید ہو گیا ہے اور یہ چادر و پردہ کی پابندی کو ملحوظ رکھے ہوئے ہے---- اس صحابیہ کے کان تک یہ بات پہنچی تو کہتی ہے:

میں نے بیٹا کھویا ہے شرم و حیا تو نہیں کھوئی۔

یہ ہے اِسلام کی تصویر---- یہ ہے غیرت مند، باحیا اور شرم کا مجسمہ عورت ---- اس کے برعکس ہماری عورت مغربی عورتوں کی اندھی تقلید کرتی ہے ---- یہ یورپ کے فیشن کی دلدادہ ہے ---- فاطمہؓ کی نام لیوا دوپٹے سے بے نیاز ہے ---- عائشہؓ کی نام لیوا نیم عریاں لباس میں ملبوس ہے ---- زینبؓ کی نام لیوا بازاروں میں بے پردہ پھرتی ہے ---- اور اس بے حیائی کو آزادی اور ترقی سمجھ رہی ہے ---- ہائے اسے کون سمجھائے کہ عورت گھر کی زینت ہے محفلوں کا چراغ نہیں ---- یہ گھر کا وقار ہے، مجلسوں کی شمع نہیں ---- عورت کا وقار اور عزت اس میں ہے کہ اس کے چہرے پر کسی غیر محرم کی نظر نہ پڑے ---- غیرت مند اللہ اور غیور پیغمبر مُسلمان عورت کو غیرت مند، باوقار، باحیا اور شرم و نفاست کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں۔

مگر آج کی عورت نے ---- فریب خوردہ عورت نے ترقی کسے سمجھ لیا

---- اس نے آزادی کسے سمجھ لیا؟ ---- ایک روپے کی ڈبیہ پر اس کی نیم برہنہ تصویر ہو یہ آزادی ہے ----- اسے بسوں اور ویگنوں میں کنڈیکٹر بھرتی کر لیا جائے اور وہ مُسکرا مُسکرا کر ہر مسافر کو پانی پیش کرے اور نوکرانی بن کر ان کے نخرے برداشت کرے۔ کیا اس کا نام آزادی ہے؟۔

اے مُسلمان عورت تو نے ترقی اسے سمجھا کہ تیری تصویریں اخبارات، رسائل اور جرائد میں شائع ہوں اور پھر پاؤں میں روندی جائیں۔

خیر میں عرض کر رہا تھا کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی شرم و حیا سے چلتی ہوئی حضرت موسیٰؑ کے پاس آئی اور کہا:

﴿ اِنَّ اَبِیۡ یَدۡعُوۡكَ لِیَجۡزِیَكَ اَجۡرَ مَا سَقَیۡتَ لَنَا ﴾ (۲۸ : ۲۵)

میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ وہ آپ کو اس احسان کا بدلہ دیں جو آج آپ نے ہم پر کیا ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام تیار ہو گئے ---- انھوں نے محسُوس کیا کہ میری دعا اللہ ربُّ العزت نے نقد قبول کر لی ہے ---- وہ اس لڑکی کے ساتھ چلتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچ گئے ------ حضرت موسیٰؑ نے چلتے ہوئے لڑکی کو ہدایت کی کہ وہ میرے آگے نہ چلے بلکہ میرے پیچھے پیچھے چلے اور ٹھیکری یا اشارے سے راستے کی راہنمائی کرے ---- حضرت موسیٰؑ اس لڑکی کے ساتھ چلتے ہوئے اس کے گھر پہنچ گئے --- وہاں ایک بزرگ کو پایا ---- انھوں نے عزت سے بٹھایا ----- کھانا کھلایا ---- پھر اطمینان سے انھوں نے حضرت موسیٰؑ سے تمام حالات سنے ----- حضرت موسیٰؑ نے اپنی ولادت، بچپن، فرعون کے بنی اسرائیل پر مظالم اور مصری کا ان کے ہاتھ سے قتل ---- اور ان کے قتل کا فیصلہ ---- تمام حالات تفصیل سے سنائے۔

تمام داستان سُننے کے بعد اس بزرگ نے تسلی دیتے ہوئے کہا:

---- اب اطمینان رکھو اور شکر کرو کہ تمھیں ظالموں کے پنجے سے نجات مل گئی ہے ---- یعنی فرعون کی دسترس مدین تک نہیں ہے۔

بزرگ سے رشتۂ دامادی

حضرت موسیٰؑ اور اس بزرگ کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اس لڑکی نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے گئی تھی ---- اپنے باپ سے کہا:

﴿ یٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴾ (۲۸ : ۲۶)

بابا! اس نوجوان کو نوکر رکھ لیجیے (مویشیوں کے چرانے اور پانی مہیا کرنے کے لیے) نوکر اور ملازم وہی بہتر ہوتا ہے جو طاقت ور بھی ہو اور امانت دار بھی ہو۔

والد کو لڑکی کی یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوئی ---- پھر لڑکی سے دریافت کیا کہ تو نے اس مسافر کی قوت اور امانت کا اندازہ کس بات سے لگایا۔

لڑکی نے جواب دیا ---- میں نے اس مسافر کی طاقت اور قوت کا اندازہ اس ڈول کے کھینچنے سے کیا جسے کئی آدمی مل کر نکالتے تھے، اسے موسیٰؑ نے اکیلے نکال لیا ---- اور اس کی امانت کا اندازہ اس سے کیا کہ میں اسے بلانے گئی تو اس نے میری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور نظریں جھکا کر مجھ سے گفتگو کرتا رہا اور جب یہاں آنے کے لیے چلنے لگا تو مجھ کو اپنے پیچھے چلنے کو کہا اور خود آگے آگے چلا اور میں صرف اشاروں سے راستے کی راہنمائی کرتی رہی۔

(تفسیر ابن جریر سورۂ قصص)

تین شخص قیافہ شناس

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین شخص بڑے مردم شناس واقع ہوئے ہیں ---- ان میں پہلا شخص عزیز مصر ہے جس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے بعد بازار سے گھر تک آتے ہوئے پہچان لیا تھا ---- اور اپنی بیوی

سے کہنے لگا----

﴿ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ ﴾ (۱۲: ۲۱)

اسے عزت و اکرام سے رکھ---- یہ بچہ عام بچوں کی طرح نہیں ہے
---- شاید یہ بچہ ہمارے لیے نفع مند ثابت ہو۔

دوسرے مردم شناس یہ لڑکی ہے جس نے ایک دو نظروں میں سیدنا موسیٰؑ کی طاقت وقوت اور امانت و دیانت کو پرکھ لیا۔

تیسرے مردم شناس سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قابلیت و صلاحیت کو پرکھ کر اپنے بعد خلافت و امامت کے لیے نامزد فرمایا۔ (ابن کثیر)

مدین کے دو بزرگ اپنی بیٹی کی باتیں سُن کر انتہائی خوش اور مسرور ہوئے اور حضرت موسیٰؑ سے کہا اگر تم آٹھ سال تک میرے پاس رہو اور میرے گھر کے کام کاج کرو تو میں اپنی ایک بیٹی کا نکاح تُمھارے ساتھ کرنے کو تیار ہوں ---- اور اگر تم آٹھ سال کی مدت کو بڑھا کر دس سال پُورے کردو تو تُمھاری طرف سے مہربانی اور احسان ہوگا---- یہی میری خدمت کرنا اس لڑکی کا مہر ہوگا۔

حضرت موسیٰؑ نے اس شرط کو منظور کرلیا اور کہا کہ یہ میری مرضی اور میری خوشی پر چھوڑ دیجیے کہ میں دونوں مدتوں میں سے کونسی مدت پُوری کروں گا----- پھر حضرت موسیٰؑ اور مدین کے بزرگ کی رضامندی سے یہ نکاح اور یہ شادی ہوئی۔

مدین کے بزرگ کون؟

قرآن مجید نے کسی ایک جگہ پر بھی مدین کے اس بزرگ کا نہ نام بتلایا اور نہ تعارف کروایا---- اسی وجہ سے مدین کے بزرگ کے نام میں مؤرخین اور مفسرین علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

مفسرین کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ مدین کے اس بزرگ کا نام

حضرت شعیب علیہ السلام ہے ----- تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر نے مشہور تابعی حضرت حسن بصریؒ سے یہی قول نقل فرمایا ہے ----- اور یہی قول سب سے زیادہ مشہور اور معروف بھی ہے۔ مگر ساتھ ہی ابن جریر اور ابن کثیر یہ بھی فرماتے ہیں کہ مدین کے بزرگ کے نام کے بارے میں کوئی روایت صحت کو نہیں پہنچتی اور جتنی روایات اس سلسلہ میں نقل کی گئی ہیں ان سے یہ استدلال کرنا مشکل ہے کہ مدین کے بزرگ کا نام حضرت شعیبؑ ہے ---- اس لیے جس طرح قرآن مجید نے مدین کے بزرگ کا تذکرہ بغیر نام لیے کیا ہے اسی طرح ہم بھی ان کے نام کی کھوج میں نہیں لگتے اور ان کے نام کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے علم کے حوالے کرتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۴۸)

کوہِ طور پر نبوت سے سرفرازی

تقریباً تمام مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے دس سال کی مدت پوری فرمائی ---- مدت پوری کرنے کے بعد وہ اپنے اہل و عیال اور بکریوں کے ریوڑ کو لے کر اپنے آبائی وطن ---- مصر کی جانب روانہ ہوئے اور چلتے چلتے مصر کا راستہ بھول گئے ---- رات کا وقت ----- ہر طرف اندھیرا ----- موسم سخت سرد اور بیوی دردِ زہ میں مبتلا ----- کتنے سارے مصائب اور کتنی پریشانیوں نے حضرت موسیٰؑ کو گھیر لیا ---- موسم سرد اور آسمان پر کالے بادل ---- ایسے وقت میں آگ کی جستجو کسے نہیں ہوتی ----- اچانک سامنے طور سینا پر نظر دوڑائی تو آگ کا ایک شعلہ نظر آیا ---- حضرت موسیٰؑ نے دیکھا تو اپنی رفیقۂ حیات سے کہا:

﴿ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴾

تم یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس میں سے کوئی چنگاری تمہارے لیے لے آؤں۔ (کہ اس چنگاری سے آگ روشن کریں اور اس طرح

سردی دور ہونے کا سامان ہو جائے۔) (طٰہٰ ۲۰ : ۱۰)

اور اگر دوری کی وجہ سے انگارہ یہاں تک نہ لا سکوں ---- تو آگ جل رہی ہے لازماً کوئی جلانے والا بھی ہو گا تو اس سے مصر کا راستہ دریافت کر لوں گا۔

حضرت موسیٰؑ آگ کی جانب بڑھے تو دیکھ کر حیران ہو گئے کہ آگ پیچھے ہٹ گئی ہے ---- جوں جوں آگے بڑھتے ہیں آگ اور دور ہوتی جاتی ہے ---- اور لطف کی بات یہ ہے کہ آگ ایک درخت پر روشن ہے مگر نہ آگ درخت کو جلاتی ہے ---- اور نہ بجھتی ہے، بلکہ درخت کے سبزہ کو زیادہ نکھار رہی ہے ---- یہ دیکھ کر حضرت موسیٰؑ کو انجانا سا خوف محسوس ہوا ----- انھوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا ---- واپس مڑے تو آگ بالکل قریب آ گئی اور آواز آئی :

﴿ یٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (۲۸ : ۳۰)

اے موسیٰؑ میں تمام جہانوں کا پروردگار اللہ ہوں۔

ایک اور جگہ پر یوں ارشاد ہوا :

﴿ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ ﴾

اے موسیٰؑ (جسے تم آگ سمجھ رہے ہو وہ آگ نہیں ہے) میں تمھارا پروردگار ہوں، آپ طویٰ کی پاکیزہ وادی میں کھڑے ہیں اس لیے اپنی جوتیاں اُتار دیجیے۔ (طٰہٰ ۲۰ : ۱۱۔۱۲)

(سامعینِ گرامی قدر !. آگے بڑھنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے یہاں ٹھہریے ---- حضرت موسیٰؑ ابھی نبوت و رسالت سے سرفراز تو نہیں ہوئے ---- مگر چند لمحوں کے بعد یہ عظیم منصب انھیں عطا ہونے والا ہے ----- اور یاد رکھیے کہ پیغمبر نبوت کے عطا ہونے سے پہلے بھی اتنا عظیم المرتبہ ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کی پوری جماعت مل کر بھی اس کے قدم نہیں چھو سکتی ---- ذرا ملاحظہ فرمائیے حضرت موسیٰؑ مصر کا راستہ بھول گئے ہیں ---- قرآن نے بھی اس طرف

اشارہ کیا کہ کسی سے راستے کا پتا پوچھنا چاہتے ہیں ----- اللہ ربُ العزت نے یہاں مسئلہ سمجھایا کہ جو راستہ بھول جاتا ہے وہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہیں ہو سکتا ---- اور جو عالم الغیب ہوتا ہے وہ کبھی بھولا نہیں کرتا۔

دوسری بات یہ سمجھ آئی کہ اگر حضرت موسیٰؑ کو پہلے سے علم ہوتا کہ میں ایک مقدس وادی میں کھڑا ہوں تو وہ جوتیوں سمیت کبھی نہ جاتے ---- بلکہ اللہ ربُ العزت کے حکم دینے سے پہلے ہی جوتیاں اتار دیتے۔ معلوم ہوا علم غیب انبیاء اور اولیاء کا خاصہ نہیں بلکہ اللہ ربُ العزت ہی کی صفت ہے۔)

پھر اللہ ربُ العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى﴾ (طٰہٰ ۲۰: ۱۳)

میرے موسیٰؑ تم تو آگ لینے کے لیے آئے تھے اور اس لیے آئے تھے کہ یہاں کسی سے مصر کا راستہ پوچھ لوں گا۔ تم لوگوں سے مصر کا راستہ پوچھنے کے لیے آئے تھے اور میں نے تجھے وقت کا پیغمبر بنا دیا ہے کہ بھٹکے ہوئے اور گمراہ لوگوں کو جنّت کا اور میری رضا کا راستہ دکھاؤ۔

کسی شاعر نے کتنے خوبصورت انداز میں اس کی عکاسی کی ہے: ؎

خدا کے فضل کا موسیٰؑ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

بعض مفسّرین کا خیال یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جس روشنی کو آگ سمجھا تھا وہ آگ نہ تھی بلکہ تجلّی الٰہی کا نور تھا ---- مگر جو آواز سنی تھی وہ فرشتے کی آواز تھی ---- اور اس کے واسطے سے اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو شرفِ ہم کلامی بخشا ----

یہ اللہ کی آواز نہیں تھی اس لیے کہ: ع

قولِ اُو را لحن نے آواز نے

مگر صحیح اور جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ براہِ راست اللہ کی آواز

تھی اور موسیٰؑ نے اس آواز کو مِن ورایہ حجاب براہِ راست سنا تھا۔

اب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نبوت و رسالت کے عظیم الشان منصب پر فائز ہوگئے ---- اللہ تعالیٰ نے انھیں دینِ توحید کی تبلیغ و دعوت کے لیے منتخب فرمالیا ---- اور پہلی وحی ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ﴾ (۲۰ : ۱۴) کے خوبصورت الفاظ سے ساتھ اتاری ---- کہ وہ توحید کا نعرہ لگائیں اور شرک و کفر کے خلاف علمِ جہاد بلند کریں۔

معجزے سے سرفرازی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب وحی کی اس آواز کو سنا ---- اور محسوس کیا کہ آج ان کے حصے میں وہ دولت آگئی ہے جو انسانی شرافت کا اعلیٰ نشان ہے ---- اور اللہ کا انتہائی قرب ہے، تو خوشی و مسرت کے جذبات سے حیران ہوگئے ---- اور اسی حیرانی میں خاموش ---- گم سم کھڑے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی :

﴿ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴾ (۲۰ : ۱۷)

موسیٰؑ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔؟

(اللہ رب العزت جانتا تھا کہ موسیٰؑ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ مگر اللہ رب العزت نے اپنی قدرتِ کاملہ سے معجزۃً اس لاٹھی کو سانپ کی صورت میں تبدیل کرنا تھا ---- اس لیے حضرت موسیٰؑ کی زبان سے اقرار کروانا چاہتے تھے۔)

اللہ تعالیٰ کے پوچھنے پر صرف اتنا کہنا کافی تھا : هِيَ عَصَايَ ------ یہ میری لاٹھی ہے ---- مگر آج کلام کس سے ہو رہا ہے ---- آج بغیر واسطہِ فرشتے کے پوچھ کون رہا ہے؟۔ پوچھنے والا محبوب حقیقی ہے اور جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ مُحِبِّ صادق ہے۔ ع

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

فرطِ محبت میں یہ خیال بھی نہ رہا کہ جواب اتنا ہی دوں جو سوال میں پوچھا گیا ہے ---- اور وہ ہے ھِیَ عَصَایَ ---- یہ میری لاٹھی ہے ---- مگر عقیدت و محبت سے آج محبوبِ حقیقی سے ہم کلامی ہو رہی ہے تو جواب دینے میں کلام کو طول دینا چاہتے ہیں۔

﴿ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ ﴾ (۲۰ : ۱۸)

مولا ! میرے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ (بکریاں چراتے چراتے تھک جاتا ہوں) تو اس پر ٹیک اور سہارا لیا کرتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لیے اس کے ذریعہ پتے جھاڑتا ہوں۔

(سامعینِ گرامی قدر ! آگے بڑھنے سے پہلے ایک لمحہ کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب پر غور فرمائیے ---- اور دیکھیے کہ جو اللہ قرآن میں نماز کی رکعتیں ذکر نہیں کرتا ---- زکوٰۃ کی تفصیل بیان نہیں کرتا ---- اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کے اس حصے کو بھی ذکر فرما دیا ---- اللہ تعالیٰ یہود کو بتانا چاہتے ہیں کہ جس موسیٰؑ کو تم اپنا الٰہ اور معبود مانتے ہو ---- انھیں عالم الغیب اور مختار کل سمجھتے ہو ---- ذرا سنو وہ کیا کہہ رہا ہے ---- کہ لاٹھی کے سہارے کھڑا ہوتا ہوں ---- جو بکریاں چراتے چراتے تھک جاتا ہو ---- اور جو لاٹھیوں کے سہارے اور ٹیک کا محتاج ہو وہ مختار کل اور مشکل کشا نہیں ہو سکتا ---- مختار کل، مشکل کشا اور حاجت روا وہ ہے جو ساری خلقت کو بنا کر بھی نہیں تھکتا ---- جو زمین و آسمان کی حفاظت کرتا ہے وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا (البقرہ ۲ : ۲۵۵) جس کی صفت ہے۔)

حضرت موسیٰؑ اپنے محبوب حقیقی سے محو گفتگو ہیں ---- دل کرتا ہے کہ بات کو طویل کرتا چلا جاؤں۔ مگر یکایک جذبۂ محبت و شوق کی جگہ محبوب کا پاسِ ادب دل میں چٹکی لیتا ہے ---- کہ موسیٰ کہاں اور کس کے دربار میں کھڑے ہو

---- کہیں یہ طویل گفتگو سوءِ ادب کے زمرے میں شمار نہ ہونے لگے ----

سوچا اور کہا:

﴿ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ﴾ (۲۰ : ۱۸)

میرے لیے اس لاٹھی میں اور بھی فوائد اور ضروریات ہیں۔

(کہیں دشمن کا سامنا ہوجائے تو لاٹھی ضرب لگانے کے کام آتی ہے ---- موذی جانور سانپ وغیرہ کو مارنے کے کام آتی ہے ---- پست و بلند جگہ پر اس کو ٹیک کر چلا جاسکتا ہے۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دل ہی دل میں کہا ہوگا:

مولا! دل کا جذبہ، روح کی ولولہ، اور محبت کی بے تابی کا تقاضا ہے کہ تجھ سے باتیں کرتا رہوں --- اور اس ہم کلامی کا لطف اور کیف اور مزہ حاصل کرتا رہوں --- مگر تیرا ادب مانع ہے --- ادب کہتا ہے خاموش رہو، ورنہ داستانِ محبت و عقیدت تو بڑی طویل ہے۔

کسی شاعر نے کتنی خوبصورت بات کہی ہے: ؎

عشق کہتا ہے جنوں کا جوش رہنا چاہیے
ضبط کی تاکید ہے خاموش رہنا چاہیے

قصۂ موسیٰؑ سبق ہے ہوش والوں کے لیے
کس طرح عشاق کو خاموش رہنا چاہیے

اب اللہ ربُّ العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ﴾ (۲۰ : ۱۹)

اے موسیٰ اپنی اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دیجیے ---- اور دیکھیے جب اختیار

اور مرضی آپ کی چلتی تھی تو یہ لاٹھی ٹیک لگانے کا کام آتی تھی ---- اب اختیار آپ کا نہیں میرا چلنے لگا ہے ---- اب مرضی آپ کی نہیں میری چلنے لگی ہے ---- اب یہی لاٹھی سانپ بن کر دوڑنے لگے گی -----

﴿ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ﴾ (۲۰ : ۲۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا۔ پس اسی وقت وہ اژدہا بن کر دوڑنے لگا۔

(سامعین گرامی قدر! قرآن مجید نے مُختَلِف جگہوں پر حضرت موسیٰؑ کے اس مُعجزے کو مُختَلِف تعبیروں کے ساتھ بیان کیا ہے ---- کہیں اسے حَیَّةٌ ---- کہیں ثُعْبَانٌ (اژدہا) ---- اور کہیں جَآنٌّ (پتلا سانپ) کہا گیا۔

مُفسّرین کہتے ہیں عصائے موسیٰؑ کی سانپ بننے کی تعبیرات اگرچہ مُختَلِف ہیں ---- مگر حقیقت اور معنی کے اعتبار سے مُختَلِف نہیں ---- بلکہ ایک حقیقت کے مُختَلِف اوصاف ہیں۔ جِنس کے اعتبار سے اسے حَیَّةٌ سے تعبیر کیا ----- جِسم کے لحاظ سے اسے ثُعْبَان (اژدہا) کہا گیا ---- مگر باوجود اژدہا کے دوڑتا پتلے سانپوں کی طرح تھا ---- اس لحاظ سے اسے جَآن کہہ دیا گیا۔)

حضرت موسیٰؑ کا خوف اور پریشانی

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ مُحیّرُالعُقُول واقعہ دیکھا ---- کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی لاٹھی سانپ بن کر دوڑ رہی ہے ---- تو گھبرا گئے ---- اور بشری تقاضے کے تحت ڈر کر لگے بھاگنے ---- قرآن کہتا ہے ﴿ وَلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ﴾ (۲۸ : ۳۱) ----- پیٹھ دے کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے ----- اب منظر کچھ اس طرح تھا کہ حضرت موسیٰؑ آگے آگے اور سانپ ان کے پیچھے پیچھے ----- کہ اللہ نے آواز دی : ---

﴿ لَا تَخَفْ ﴾ ڈرو نہیں ----- اَقْبِلْ سامنے آؤ ---- اسے پکڑلو -----

﴿ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْأُوْلٰى ﴾ (۲۰ : ۲۱) ------ ہم اس کی اس کی اصل حالت پر لوٹا دیں گے۔

(سامعینِ گرامی قدر! آگے بڑھنے سے پہلے ایک لمحہ کے لیے ٹھہریے ---- ایک اہم مسئلہ حل کرتے جائیں ---- لاٹھی کا سانپ بننا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مُعجزہ تھا ---- مُعجزہ یقیناً برحق ہے اور اس کا مُنکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے ---- مگر اتنی بات ذہن میں رکھیے کہ مُعجزے میں اختیار اور مرضی پیغمبر کی نہیں ہوتی ---- بلکہ مُعجزہ میں ہاتھ پیغمبر کا ہوتا ہے اور کام کرنے والی ذات اللہ ربُ العزت کی ہوتی ہے ... اختیار اور مرضی اللہ کی چلتی ہے ---- یہاں دیکھیے مُعجزہ (لاٹھی کا سانپ بننا) حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ سے صادر ہو رہا ہے، مگر اس کی حقیقت کا انھیں علم نہیں تھا۔ اگر حقیقت حال کا علم ہوتا تو لاٹھی کے سانپ بن جانے کے بعد نہ وہ ڈرتے اور نہ پیٹھ دے کر کبھی بھاگتے۔)

دُوسرا معجزہ

اس عظیم مُعجزے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک اور معجزہ عطا ہو رہا ہے۔

﴿ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً أُخْرٰى ﴾ اپنے ہاتھ کو اپنے بغل کے ساتھ ملائیے، وہ بغیر کسی مرض (برص وغیرہ) کے روشن اور چمکتا ہوا نکلے گا۔ (طٰہٰ ۲۰ : ۲۲)

یہ دو بڑے نشان اور مُعجزے ہیں ---- تیری نبوت و رسالت کی صداقت و سچائی کے لیے ---- یہ دونوں مُعجزے تُمھارے پیغامِ حق سنانے اور نعرۂ توحید لگانے کی خوب تائید و تصدیق کریں گے۔

اب نبوت و مُعجزات کے عطا کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہو رہا ہے:

﴿ اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهٗ طَغٰى ﴾ (طٰہٰ ۲۰ : ۲۴)

جاؤ فرعون کے ہاں ---- وہ بڑا سرکش ہوگیا ہے ---- اس نے نافرمانیوں کی انتہا کردی ہے --- وہ بادشاہی کے غرور اور تکبر میں ظلم کی ساری حدیں پھلانگ چکا ہے ---- جاؤ اور جاکر اسے دعوتِ توحید دو ---- جاؤ اور اسے بتاؤ کہ رب تو نہیں ہے بلکہ رب وہ ہے جس نے ساری کائنات کو پیدا فرمایا ہے ---- تیری قوم (بنی اسرائیل) کو اس نے غلام بنا رکھا ہے ---- اپنی قوم کو اس کی غلامی سے نجات دلاؤ۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا جواب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت کا حکم سُن کر عرض کیا: مولا! مجھے خوف محسوس ہوتا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم میری تکذیب کریں گے اور بہت عرصہ پہلے ایک مصری میرے ہاتھوں قتل ہوگیا تھا ---- کہیں وہ مجھے اس مقدمہ میں قتل نہ کردیں۔

﴿ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ﴾ (شعرا ۲۶ : ۱۴)

پھر اس عظیم منصب اور بہت بڑے فریضہ سے عہدہ برا ہونے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب العزت کے حضور کچھ دعائیں مانگیں جنھیں قرآن نے ذکر کیا:

﴿ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ۝ ﴾ (طٰہٰ ۲۰ : ۲۵-۳۲)

اے میرے پالنہار مولا! (اس عظیم کام کے لیے) میرا سینہ کھول دے (شرح صدر کردے تاکہ مشکل سے مشکل کام آسانی کے ساتھ کرلوں) اور اس اہم خدمت اور کام کو میرے لیے آسان بنادے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں اور میرے بھائی ہارون کو میرا

شریکِ کار بنادے تاکہ میرا دست و بازو بنے ----- میری قوّت مضبوط ہو۔

قبولیتِ دُعا

اللہ رَبُّ العزت نے اپنی رحمت و فضل سے اور خُصُوصی مہربانی و نوازش سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمام دعاؤں کو شرفِ قبولیت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ---- کام میں آسانی و کامیابی کی خوشخبری بھی سنائی۔

زبانؔ کی گرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں زبان کی گرہ کھولنے کی دعا مانگی ہے ----- اس گرہ اور لکنت کے مُتعلق بعض مُفسّرین نے ایک واقعہ نقل کیا ہے ----- کہ حضرت موسیٰؑ بچپن میں ایک روز فرعون کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے اور فرعون آپ سے پیار کر رہا تھا ---- فرعون کی داڑھی موتیوں اور جواہرات سے چمک رہی تھی ---- بچپن کی فطرت کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی داڑھی کو پکڑ کر کھینچا، اور چند موتیوں کے ساتھ فرعون کی داڑھی کے کُچھ بال بھی حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں آگئے ---- فرعون نے غصّے اور غضب میں مغلوب ہو کر حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا ---- فرعون کی بیوی نے شوہر کے غصّے کا یہ رنگ دیکھا تو کہنے لگی: موسیٰ ابھی لاشعُور ہے --- بچپن کے ایام گزار رہا ہے --- بے سمجھ ہے، اسے قتل نہ کرو، اسے اس عمر میں شاہی آداب کا کیا علم؟ اس کے نزدیک تو تمرۃ (کھجور) اور جمرۃ (انگارا) دونوں برابر ہیں --- یہ تو ان دونوں میں امتیاز نہیں کر سکتا۔

فرعون اپنی بیوی کی بات سُن کر کہنے لگا: میں ابھی اس کی آزمائش کرتا ہوں ---- اگر موسیٰ نے کھجور اور انگارے میں تمیز کرلی تو اسے ابھی قتل کروادوں گا۔

اللہ رَبُّ العزت نے موسیٰ سے نبوت و رسالت کا کام لینا تھا ----

اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری کا وعدہ اُن کی والدہ سے کر چکا تھا ---- اس لیے جب فرعون نے ایک تھال میں چند کھجور کے دانے اور چند انگارے رکھ کر موسیٰ کے سامنے کیا تو قدرت نے موسیٰ کا ہاتھ پکڑ کر انگارے پر رکھ دیا، اور یوں انھوں نے ایک دہکتے ہوئے انگارے کو اٹھا کر مُنھ میں رکھ لیا ---- اور یوں حضرت موسیٰؑ کی زبان داغ دار ہو گئی اور اس میں لکنت پیدا ہو گئی ---- اس طرح تسلسل کے ساتھ گفتگو کرنے میں رکاوٹ ہونے لگی ---- وادیٔ مقدس میں اللہ ربُّ العزت کے سامنے موسیٰؑ نے اسی کو وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ سے تعبیر کیا۔

مگر صاحب قصص القرآن مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اگرچہ ذکر کیا ہے مگر وہ اسے قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے ---- ان کی رائے یہ ہے کہ یہ سب تکلفات ہیں ---- یہ اطمینان بخش باتیں نہیں ---- وہ کہتے ہیں کہ کھری ہوئی اور صاف ستھری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ ایسی حالت میں پیدا ہوئے کہ ان کی زبان میں معمولی لکنت تھی اور تسلسل کے ساتھ گفتگو کرنے میں انھیں دقت ہوتی تھی ---- اس کے برعکس ان کے بڑے بھائی ہارون فصیح اللسان اور بلیغ الکلام تھے ---- اس لیے حضرت موسیٰؑ نے اپنے متعلق صرف اس قدر دعا مانگی کہ زبان کی یہ لکنت اور رکاوٹ اس قدر نہ رہے کہ گفتگو میں عاجز ہونا پڑے ---- صرف اس قدر خواہش کا اظہار کیا کہ لوگ میری گفتگو اور میرے بیان کو اچھی طرح سمجھ لیں ---- اور میری دوسری خواہش یہ ہے کہ اس بھاری اور عظیم خدمت کی انجام دہی کے لیے میرے بھائی کو بھی میرے ہمراہ کر دیا جائے ---- تاکہ وہ میرا دست و بازو بنے اور اس کے ساتھ مجھے قوت و طاقت عطا ہو۔

مصر میں آمد

حضرت موسیٰؑ منصبِ نبوت سے سرفراز ہو کر ---- اور شرفِ ہم کلامی کے بعد اپنے اہل و عیال کے ساتھ اپنے وطن مصر کی طرف روانہ ہوئے ---- منزلیں طے کرتے کرتے جب مصر پہنچے تو رات کا وقت تھا ---- آپ سیدھے اپنے آبائی گھر تشریف لائے۔ مگر والدہ پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ میں تیرا وہی بیٹا ہوں جسے صندوق میں بند کر کے سمندر کی بے رحم موجوں کے حوالے کیا تھا ---- میں تیرا وہی موسیٰ ہوں ---- تیرا لختِ جگر جو دس سال مسافری کی زندگی گزار کر آج تیرے دروازے پر موجود ہوں ---- بلکہ حضرت موسیٰؑ نے والدہ کے سامنے اپنے آپ کو ایک مسافر کے رُوپ میں پیش کیا ---- جسے مصر میں رات آ گئی ہے اور اس نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ یہاں رات گزارنی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی والدہ کا یہ گھرانا بنی اسرائیل کا مہمان نواز گھرانا مشہور تھا ---- حضرت موسیٰؑ کی والدۂ محترمہ نے اپنی گنجائش کے مطابق ان لوگوں کی خدمت کی ---- مہمان نوازی کی ---- انھیں خوش آمدید کہا ---- کہ اتنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام تشریف لے آئے ---- انھیں حضرت موسیٰؑ کے مصر پہنچنے سے پہلے نبوت عطا ہو چکی تھی ---- اور اس بات کی اطلاع بھی ہو چکی تھی کہ عنقریب حضرت موسیٰؑ بھی مصر پہنچنے والے ہیں۔

والدہ نے حضرت ہارونؑ سے کہا کہ ہمارے گھر مہمان آئے ہیں ---- ان کے ساتھ بکریوں کا ریوڑ بھی ہے اور معصوم بچے بھی ہیں۔

حضرت ہارونؑ نے مُسکراتے ہوئے اپنی والدہ محترمہ کو بتلایا کہ آنے والا مہمان ---- کوئی عام یا معمولی مہمان نہیں ہے، دس سال سے گم شدہ تیرا بیٹا موسیٰؑ ہے۔

حضرت ہارونؑ بیتابی سے اپنے بھائی کے ساتھ لپٹ گئے ---- تمام

خاندان کے لوگ ایک دوسرے کو ملے ---- بچھڑے ہوئے لوگوں نے ایک دوسرے کو گزشتہ زندگی کے بیتے ہوئے لمحات اور سرگزشت سنائی ---- والدہ موسیٰ اور ان کے اہل وعیال کو دیکھ دیکھ کر خوش اور نہال ہوتی رہیں اور انھیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرتی رہی۔

واقعۂ موسیٰ میں آنے والے واقعات آئندہ جمعۃ المبارک کے خُطبہ میں اِن شاء اللّٰہ بیان کروں گا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سیدنا موسیٰ علیہ السلام ۔ ۲

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَھُمَا ط اِنْ کُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ۝ ﴾ (صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم) (۲۶ : ۲۳۔۲۴)

فرعون کہنے لگا کیا معنی ہے رب العالمین کا موسی نے کہا پروردگار آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اگر تم یقین کرو۔

سامعین گرامی قدر ! پچھلے خُطبۂ جُمعہ المبارک میں آپ سماعت فرماچکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلاکر اللہ ربُّ العزت نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ---- اور پھر ان کی دعا کے سبب ان کے بڑے بھائی حضرت ہارونؑ کو بھی یہ عظیم [illegible] عطا فرمایا۔

اب حضرت موسیٰؑ سفر کرتے کرتے مصر بھی پہنچ چکے تھے ---- اور انھیں یہ حکم بھی مل چکا تھا :

﴿ اِذْھَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْکَ بِاٰیٰتِیْ وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ ﴾ (طٰہٰ ۲۰ : ۴۲)

اے موسیٰؑ اب تو اور تیرا بھائی (ہارونؑ) دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں کوتاہی نہ کرو۔

﴿ اِذْھَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی ﴾ (۲۰ : ۴۳)

تم دونوں (بھائی) فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ سرکشی میں بہت بڑھ گیا ہے۔ (اتنا سرکش، مغرور اور متکبر ہوگیا ہے کہ ----- اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (نازعات۷۹ : ۲۴) ----- کا دعویٰ کرتا ہے، غریبوں اور بے کسوں پر ظلم کے پہاڑ توڑتا ہے ---- انصاف نام کی کسی چیز سے گویا کہ واقف ہی نہیں ہے۔)

﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ﴾ (۲۰ : ۴۴)

(پھر جب اس متکبر و مغرور کے دربار میں پہنچو تو سختی کے ساتھ پیش نہ آنا) بلکہ نرمی سے بات کہنا۔

﴿ لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾ (۲۰ : ۴۴)

ہوسکتا ہے کہ نصیحت حاصل کرے یا (عذاب سے) ڈر جائے۔

قَوْلًا لَّيِّنًا کا مفہوم

بعض کتمان حق کرنے والے علماء ------- قَوْلًا لَّيِّنًا کو آڑ بنا کر سمجھتے ہیں کہ حق بات کو چھپانا قَوْلًا لَّيِّنًا ہے ----- توحید کو واضح اور صاف لفظوں میں بیان نہ کرنا قَوْلًا لَّيِّنًا ہے ----- شرک کی صاف الفاظ میں تردید نہ کرنا ----- بدعات کا رد نہ کرنا ---- قرآن کو بیان نہ کرنا قَوْلًا لَّيِّنًا ہے -------- قَوْلًا لَّيِّنًا نرم گفتگو ---- نرم لہجہ کا یہ مفہوم نہیں کہ بیان کرتے ہوئے بات کو گول مول بیان کیا جائے اور بات سُننے والے کو سمجھ نہ آئے ---- حق اور سچ پر پردہ ڈالنے کو قَوْلًا لَّيِّنًا نہیں کہتے، بلکہ اسے مداہنت اور کتمانِ حق کہتے ہیں ----- قَوْلًا لَّيِّنًا کا مطلب یہ ہے کہ لہجہ نرم ہو اور مسئلہ گرم ہو ---- مسئلہ آئینے کی طرح صاف اور سورج کی طرح واضح ہو ----- توحید کو کھول کھول کر بیان کیا جائے ----- شرک کی باریک سے باریک رگوں کو کاٹ کر رکھ دیا جائے ---- بدعات و رسومات کی واضح تردید ہو مگر لہجہ اور انداز نرم ہو ----- مہذبانہ ہو ---- باوقار ہو ---- مدلل ہو ---- اخلاق سے گری ہوئی گفتگو نہ ہو

------ فحش کلامی نہ ہو ------ کسی کے اکابر کو برا بھلا نہ کہا جائے ------ گالی اور بد زبانی سے پرہیز کیا جائے ---- کسی مخالف پر ذاتی حملے نہ کیے جائیں۔

حضرت موسیٰؑ وہارونؑ کا جواب

حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ نے اللہ کا حکم پاکر عرض کیا ----

مولا ! تیرے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہم فرعون کے دربار میں نعرۂ حق لگانے کے لیے جاتے تو ہیں مگر ہمیں خوف ہے کہ وہ ہماری بات اور ہماری دعوت اور ہمارے پیغام کو سُننے سے پہلے ہی ہماری مخالفت پر اتر آئے یا اپنی بادشاہی اور طاقت کے گھمنڈ میں سرکشی کرے ---- مولا ! ہماری توہین کرے، یہ تو برداشت ہوسکتا ہے مگر تیرا پیغام ---- تیری توحید کا بیان ہو اور وہ نہ سنے تو پھر بڑی تکلیف دہ بات ہوگی ---- اللہ نے جواب میں فرمایا اور خوب فرمایا ------ لُطف ہی آگیا ----- سبحان اللہ ----- رب العالمین کو اپنی توحید سے ---- مسئلہ الوہیت سے کتنا پیار ہے ---- فرمایا :

﴿ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ﴾ (۲۰ : ۴۶)

خوف نہ کرو۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ وہاں صرف تم دونوں ہوگے ---- نہیں بلکہ میں بھی تُمھارے ساتھ ہوں گا۔ تم جا کر میرا پیغام سناؤ ---- اگر کسی نے نہ سنا تو میں سنوں گا بھی سہی اور دیکھوں گا بھی سہی۔

اللہ کے پیغام کے سنانے کے ساتھ ساتھ فرعون سے یہ بھی کہو کہ :

﴿ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۵ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ﴾

ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ ہماری قوم بنی اِسرائیل کو ہمارے ساتھ روانہ کردے ---- بنی اِسرائیل کو غلامی کی زندگی سے آزاد کردے اور ان پر ظلم وتشدد کا سلسلہ بند کردے۔ (سورۂ طٰہٰ ۲۰ : ۴۷)

دونوں بھائی اللہ کے حکم کی تعمیل میں ---- فرعون کے دربار میں اللہ کے

پیغام کو سنانے کے لیے تیار ہو گئے ---- اور جانے کی تیاری کرنے لگے۔
بعض علماء نے لکھا ہے کہ والدہ کے سامنے دونوں بھائیوں نے اس کا تذکرہ کیا تو ماں کی مامتا نے ---- شفقت کے ہاتھوں مجبور ہو کر انھوں نے روکا ---- کہ فرعون بڑا ظالم ہے، وہ بلا شرکتِ غیر مصر کا حکمران ہے ---- ظالم بھی ہے اور متکبر بھی ---- فرعون کے ہاں تمارا جانا اور سمجھانا بے سود ہوگا ---- اندیشہ ہے کہ تمھیں نقصان پہنچائے ---- دونوں بھائی اپنی والدۂ محترمہ کو سمجھاتے ہیں کہ اللہ ربُّ العزت کا حکم ٹالا نہیں جاسکتا ---- اور ہمارے مولا نے وعدہ کیا ہے کہ آخری فتح اور کامیابی ہمارا مقدر رہے گی۔

فرعون کے دربار میں پیغامِ حق

حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ فرعون کے دربار میں پہنچے اور بغیر کسی خوف و خطر اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اندر داخل ہو گئے۔
ایک منٹ کے لیے ذرا تصور کیجیے کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کا دربار سجا ہوا ہے ---- صرف بادشاہ نہیں اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا دعویدار ہے ---- ظالم بھی ہے، مغرور بھی اور متکبر بھی ہے ---- اس کے زیر حکم فوج بھی اور پولیس بھی ---- دولت کے انبار بھی ---- اس کا پورے ملک میں دبدبہ بھی ہے ---- رعب بھی ہے ---- اس کا نام سُن کر بڑے بڑے لوگ تھر تھر کانپنے لگتے ہیں ---- اس کے ایک اشارۂ ابرو پر لوگوں کے سر قلم ہو جاتے ہیں۔
دوسری طرف دو آدمی ہیں ---- جو فرعون کی غلام قوم سے تعلق رکھتے ہیں ---- جن کی نہ کوئی جماعت ہے، نہ جتھا نہ پارٹی ---- جن کے پاس نہ دولت نہ اقتدار اور نہ ہتھیار ---- اس بے سرو سامانی کے عالم میں ان کی جراَت مندانہ تبلیغ کا رنگ دیکھیے ---- شجاعت و بہادری سے لبریز گفتگو کا

ڈھنگ دیکھیے ---- کتنے پُراعتماد لہجے میں کہتے ہیں :

﴿ اِنَّا رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ اَنۡ اَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۝ (۲۶ : ۱۶-۱۷)

ہم بلا شک و شبہ جہانوں کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں اور یہ پیغام لے کر آئے ہیں کہ بنی اِسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔

ہم تجھے یہ پیغام سنانے آئے ہیں کہ رب تو نہیں ہے بلکہ رب العالمین وہ ہے۔ جس نے ہمیں نبوت سے سرفراز کرکے تیرے پاس بھیجا ہے ---- وہی معبود حقیقی اور ساری کائنات کا الٰہ ہے ---- تو اس کی ربوبیت کو بھی مان اور اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کر ---- اور دوسرا پیغام یہ ہے کہ ظلم سے باز آجا۔ ہماری قوم بنی اِسرائیل کو اپنی غلامی سے نجات دے ---- انھیں آزاد کردے اور ان پر ظلم و زیادتی سے رک جا۔

فرعون کا جواب

فرعون نے جب اس پیغام کو ---- اور حضرت موسیٰ علیہ کی اعتماد سے بھری ہوئی گفتگو کو بھرے دربار میں سنا ---- تو حضرت موسیٰؑ کی تحقیر کرنے کے لیے اور اپنی خفت مٹانے کے لیے حضرت موسیٰؑ کی شخصیت سے بحث شروع کردی ---- مصری کے قتل والا معاملہ اٹھایا ---- اور حضرت موسیٰؑ پر اپنے گھرانے کے احسان جتلانے لگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا :

﴿ فَعَلۡتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّیۡنَ ۝ فَفَرَرۡتُ مِنۡكُمۡ لَمَّا خِفۡتُكُمۡ فَوَهَبَ لِیۡ رَبِّیۡ حُكۡمًا وَّ جَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝ ﴾ (سورۃ شعراء ۲۶ : ۲۰-۲۱)

مجھے اعتراف ہے اور میں مانتا ہوں کہ مصری میرے ہاتھ سے قتل ہوگیا تھا اور میں اس وقت چوک جانے والوں میں سے تھا۔ پھر میں خوف اور ڈر کی وجہ سے بھاگ گیا ---- پھر اللہ کا خصوصی فضل اور مہربانی ہوئی کہ اُس نے مجھے اپنی سب سے عظیم نعمت نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دوسری بات کہ تیری پرورش میں نے کی ہے ---- اس کا بڑا ہی خوبصورت اور مسکت جواب دیا:

﴿ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَاءِيلَ ﴾ (شعراء ۲۶ : ۲۲)

اور میری پرورش کا یہ احسان جس کو تو (بڑے فخر سے) جتا رہا ہے ---- کیا ایسا احسان ہے ---- اور اتنا بڑا احسان ہے کہ اس کے بدلے تو میری قوم کو غلام بنائے رکھے۔

یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ---- یہ احسان جتلاتے ہوئے تجھے شرم نہیں آرہی ---- تو نے میری قوم کو غلام بنایا ہوا تھا ---- ان کے بیٹوں کو تو قتل کر دیا کرتا تھا ---- اس ڈر سے میری ماں نے مجھے صندوق میں بند کرکے پانی کی لہروں کے حوالے کیا تھا ---- صندوق تیرے محل کی دیواروں کے قریب پہنچا تو مجھے تیری گھر والی نے اٹھایا اور یوں میری پرورش تیرے گھر میں ہوئی ---- اگر تیری طرف سے یہ ظلم نہ ہوتا تو میں تیرے ہاں پرورش نہ پاتا بلکہ اپنے گھر میں پرورش پاتا۔

رب کون ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس خوبصورت جواب نے فرعون کو مبہوت اور لاجواب کردیا ---- اس نے اپنی خفت مٹانے کے لیے اور درباریوں کو مطمئن کرنے کے لیے بحث کا رُخ دُوسری جانب موڑنے کی کوشش کی اور کہنے لگا:

﴿ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴾ (۲۶ : ۲۳)

کیا معنی ہے رب العالمین کا؟

حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ نے دعوت کی ابتداء میں کہا تھا ---- إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ (۲۶ : ۱۶) ---- ہم رب العالمین کے فرستادہ اور بھیجے ہوئے ہیں ---- ان کے اِس کہنے پر فرعون ضد، ہٹ دھرمی اور عناد کی

راہ سے بولا کہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کیا چیز ہوتی ہے ---- میرے ہوتے ہوئے کسی اور کو رب کہنے کا کیا مطلب ہے ---- فرعون نے تو اپنی قوم کے سامنے یہ دعویٰ کر رکھا تھا --- مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ---- (میں اپنے علاوہ تمہارے لیے کوئی اور معبود نہیں سمجھتا۔)

اس نے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا برملا اعلان بھی کر رکھا تھا ---- لوگ اس کی پوجا پاٹ کرتے تھے ---- اسے اِلٰہ اور رب مانتے تھے۔

آج حضرت موسیٰؑ نے بھرے دربار میں ---- برملا اور اعلانیہ کسی اور رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کا نام لے دیا ---- تو کہنے لگا: اپنے رب العالمین کی حقیقت بیان کر اور بتا وہ کون ہے؟۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ (۲۶ : ۲۴)

اگر تجھ میں یقین اور صحیح ایمان کی گنجائش ہے تو تجھے سمجھ لینا چاہیے کہ میں جس ہستی کو رب العالمین کہتا ہوں وہ ایسی ذات ہے جس کے قبضۂ قدرت میں آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام مخلوقات کی ربوبیت ہے۔

اے فرعون! اب تو بتا ---- کیا تو دعویٰ کر سکتا ہے کہ زمین و آسمان اور اُن کے مابین کی تمام مخلوقات کی پرورش ---- تو کر رہا ہے؟ ---- اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر میرے دعویٰ کو مان لے کہ رب العالمین وہی ہے جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے۔

فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی دِل نشین دلیل کو سنا ---- تو بات کو گڈمڈ کرنے کے لیے ---- حضرت موسیٰؑ کی بات کو بے وزن کرنے کے لیے ---- اپنے درباریوں کو مطمئن کرنے کے لیے کہنے لگا: ---- ﴿ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴾ (۲۶ : ۲۵) --- کیا تم سُنتے ہو ---- موسیٰؑ کیسی عجیب و غریب بات کر رہا ہے

---- کیا تم میں کوئی تصدیق کرنے کے لیے تیار ہے کہ میرے سوا زمین و آسمان میں کوئی اور رب ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کے درباریوں کے اس تعجب اور حیرانی کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور اپنی بات اور اپنے دلائل کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

﴿ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ (۲۶ : ۲۶)

رب العالمین وہ ہستی ہے جو تمہارا بھی پالنہار ہے اور تمہارے آباء و اجداد کا بھی پالنہار ہے ---- وہ صرف فرعون اور اس کے درباریوں کا ہی رب نہیں ہے بلکہ تمہارے بڑوں کا بھی خالق اور رب ہے ---- اے فرعون! تو اپنے وجود میں رب العالمین کا محتاج ہے ---- تیرے جسم کا ایک ایک حصہ اور ایک ایک عضو ---- رب العالمین کی مرضی سے کام کر رہا ہے ---- اور سُن جب دنیا میں تیرا نام و نشان بھی نہیں تھا ---- تو تیرے باپ دادا کی پرورش بھی اس نے کی تھی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تقریر دلپذیر درباریوں پر اپنا اثر دکھا رہی تھی ---- درباریوں کے چہروں پر ان کے دلائل کا اثر اپنا رنگ دکھا رہا تھا ---- فرعون کے پاس ان دلائل کا کوئی معقول جواب نہیں تھا ---- تو وہ اپنی خفت مٹانے کے لیے درباریوں سے کہتا ہے:

﴿ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴾ (۲۶ : ۲۷)

مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جو رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے مجنون اور پاگل ہے۔

یہ باطل کے اوچھے ہتھکنڈے ہوتے ہیں ---- دلائل کے مقابلے میں زبان درازیاں ---- پھبتیاں اور طعنے ---- فرعون نے بھی یہی کچھ کیا ---- مگر

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے انتہائی صبر و استقلال سے ---- اور نہایت استقامت سے مجنون کہنے کا یہ طعنہ برداشت کیا ---- سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا ---- گالی کا جواب گالی سے نہیں، بلکہ مزید دلائل سے دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا اور محسوس کیا کہ فرعون اب لا جواب ہو رہا ہے اور زبان درازی پر اتر آیا ہے تو اب انھوں نے ربّ العالمین کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا:

﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ (۲۶ : ۲۸)

اگر تم معمولی عقل سے کام لو تو بآسانی رب العالمین کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہو کہ رب العالمین وہ ہے جو مشرق و مغرب کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا رب ہے اور سب کا پالنہار ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان اس مکالمے کو سورۂ طٰہٰ میں دوسرے انداز سے بیان فرمایا۔

فرعون نے پوچھا:

﴿ فَمَنْ رَبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ ﴾ (۲۰ : ۴۹)

تم دونوں کا رب اے موسیٰؑ کون ہے؟۔

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا:

﴿ أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ﴾ (۲۰ : ۵۰)

ہمارا رب وہ ہے جس نے دینا کی ہر چیز کو اس کی خلقت اور صورت بخشی ---- وجود عطا فرمایا اور پھر سب کو فطری ہدایت بخشی۔ (کہ دنیا کی چیزوں سے کس طرح کام لینا ہے۔)

﴿ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْ نَبَاتٍ شَتَّىٰ ○ كُلُوا وَارْعَوْا

اَنۡعَامَکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّہٰی ۝ مِنۡہَا خَلَقۡنٰکُمۡ وَ فِیۡہَا نُعِیۡدُکُمۡ وَمِنۡہَا نُخۡرِجُکُمۡ تَارَۃً اُخۡرٰی ۝ ﴾ (۲۰ : ۵۳۔۵۵)

ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنا دیا اور چلنے کے لیے زمین میں راستے بنائے ---- اس نے آسمان سے بارش برسائی اور بارش کے ذریعے ہر طرح کی اگنے والی چیزوں کے جوڑے بنائے --- خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی کھلاؤ۔ ان باتوں میں عقل والوں کے لیے کیسی کھلی اور واضح نشانیاں موجود ہیں۔ اس پروردگار نے اسی زمین سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹانا ہے اور پھر اسی زمین سے دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔

فرعون کی دُوسری چال

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب العالمین کے تعارف میں اور رب العالمین کی حقیقت اور معنی سمجھانے میں دلائل کی بارش برسادی --- فرعون اور اس کے درباری حیرت زدہ ہو گئے --- حضرت موسیٰؑ کی تقریر مؤثر تھی۔ پھر مدلل تھی۔ پھر انداز باوقار اور سلجھا ہوا تھا ---- اب فرعون نے پینترا بدلا اور بات کا رخ موڑنے کے لیے کہنے لگا۔

﴿ فَمَا بَالُ الۡقُرُوۡنِ الۡاُوۡلٰی ﴾ (۲۰ : ۵۱)

پھر کیا حقیقت اور حال ہے ان لوگوں کا جو پہلے گزر چکے ہیں۔

فرعون کہنا چاہتا ہے کہ موسیٰؑ ! اگر تو سچا ہے اور تیرا دعویٰ اور پیغام سچا ہے ---- اور اگر ہم غلط، گمراہ اور عذاب کے سزاوار ہیں تو پھر بتا ---- کہ ہمارے آباء و اجداد ---- ہمارے باپ دادا ---- ہمارے بزرگ جن کا عقیدہ تیرے عقیدے کا خلاف تھا ---- جو ہماری راہ پر چلنے والے تھے ---- عقیدے میں ہمارے موافق تھے ---- کیا وہ بزرگ غلط تھے ---- کیا ہمارے باپ دادا گمراہ تھے ---- کیا ہمارے آباء و اجداد عذاب میں مُبتلا

ہوں گے ---- وہ ناسمجھ، بے عقل اور جھوٹے تھے؟۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ بے ایمان بات کو الجھانا چاہتا ہے ---- یہ میری مؤثر تقریر کے اثر کو زائل کرنا چاہتا ہے ---- یہ درباریوں اور عوام الناس کو مشتعل کرنا چاہتا ہے کہ میں جونہی ان کے آباء و اجداد کے خلاف زبان کھولوں یہ لوگوں کو اشتعال دلائے کہ دیکھو ---- موسیٰ صرف میرے خلاف نہیں ہے یہ تو بزرگوں کا گستاخ بھی ہے اور ہمارے آباء و اجداد کو بھی گمراہ سمجھتا ہے۔

اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے مشتعل کرنے والے جملے کا جواب انتہائی فہم و فراست، بے حد حکمت و تدبر اور حوصلے کے ساتھ یوں دیا:

﴿ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ﴾ (۲۰ : ۵۲)

گزرے ہوئے لوگوں کا کیا حال ہے؟ آباء و اجداد کے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا ---- ان پر کیا گزری ---- اس کی ذمہ داری نہ تجھ پر ہے اور نہ مجھ پر ---- ان کا علم میرے پروردگار کے پاس محفوظ ہے ---- وہ جانے اور اس کا کام ---- ہاں اتنی بات اور یہ حقیقت سُن لو کہ میرا پروردگار بھول چوک سے اور خطا سے پاک ہے ---- جس نے زندگی میں جو کچھ بھی کیا اس کے معاملے میں اور جزا و سزا دینے میں کوئی خطا، بھول چوک یا ظلم و زیادتی نہیں ہوگی۔

فرعون کی تیسری چال۔ دھمکی

فرعون حضرت موسیٰؑ کی تقریر کے روشن دلائل ---- صداقت و سچائی سے بھرپور دلائل سُن کر مبہوت ہو گیا ---- لاجواب ہو گیا ---- وہ دیکھ رہا تھا کہ میں اُلوہیت اور ربوبیت کا مدعی بھی ہوں، ہر وقت کا بلاشرکتِ غیر حکمران بھی ہوں ---- مگر موسیٰؑ و ہارونؑ کی یہ جرأت و بہادری ---- اتنا عزم و استقلال ---- حکمت سے بھری ہوئی تقریر، مؤثر گفتگو اور مدلل بیان ---- ان سب باتوں

نے اُسے خائف اور پریشان کرکے رکھ دیا ---- اب اس نے حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کو مرعوب و خائف کرنے کے لیے دھمکی آمیز لہجہ اختیار کرلیا ---- کہنے لگا:

﴿ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴾ (۲۶ : ۲۹)

اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھ کو قید میں ڈال دوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دھمکی سُن کر بڑے حوصلے اور بہادری سے جواب دیا:

﴿ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (۲۶ : ۳۰)

فرعون فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کر ---- اب تک تو میں نے تیرے سامنے رب العالمین کا پیغام رکھا ہے ---- تیری لچر اور فضول باتوں کا جواب دیا ہے --- اب ذرا وہ کھلے اور واضح معجزے اور نشان بھی دیکھ جن سے رب العالمین کی قدرت و طاقت اور میری صداقت کا اظہار ہوگا ---- اگر میں تجھے ایسے معجزے اور اپنی صداقت کی نشانیاں دکھلادوں تو کیا تیرا پھر بھی یہی فیصلہ ہوگا ---- کیا پھر بھی تو مجھے قید خانے میں ڈال دے گا۔

فرعون کہنے لگا:

﴿ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ (۲۶ : ۳۱)

واقعی اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو پھر وہ نشان دکھا۔

فرعون کے دربار میں معجزے کا مظاہرہ

فرعون نے نشانی پیش کرنے ---- معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا تو حضرت موسیٰؑ آگے بڑھے اور بھرے دربار میں اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی ---- اسی وقت لاٹھی نے اژدھا کی صورت اختیار کرلی ---- یہ جادو نہیں تھا کہ نظر کا دھوکا ہو بلکہ حقیقت تھی۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کو گریبان کے اندر لے جاکر

باہر نکالا تو وہ ایک روشن ستارے کی طرح چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا ---- یہ دوسری نشانی اور دوسرا معجزہ تھا۔

درباریوں نے اور اربابِ اقتدار نے ایک غلام قوم کے ایک فرد کے ہاتھوں اپنے بادشاہ کو یوں ذلیل ہوتے دیکھا ---- تو سخ پا ہو گئے اور کہنے لگے :

﴿ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴾ (اعراف ۷ : ۱۰۹)

بلا شبہ موسیٰ بڑا ماہر جادوگر ہے ----

﴿ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴾ (اعراف ۷ : ۱۱۰)

اس نے یہ سب ڈھونگ اس لیے رچایا ہے کہ تم پر غالب آجائے اور پھر تمھیں مصر سے نکال کر خود اقتدار پر قبضہ کرلے ---- آپس میں مشورہ کرو کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے ---- آخر کار باہمی مشورہ سے طے پایا کہ یہ ماہر جادوگر ہے ---- جادو کے زور سے ہمیں مغلوب اور مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ فی الحال اسے مُہلت دو اور ملک بھر کے چیدہ چیدہ ماہر اور قابل جادوگروں کو اکٹھا کرو اور موسیٰؑ کے مقابلے میں لاؤ ------ کھلے میدان میں اسے شکست سے دوچار کردو --- اس طرح اس کے ارادے اور عزائم ناکام ہوجائیں گے۔

حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مشورہ سے جادوگروں کے ساتھ مقابلے کے لیے "یوم الزینۃ" ---- ان کے تہوار اور جشن کا دن مقرر ہوا ---- تاکہ کھلے میدان میں مصر کے لوگ اس مقابلے کو دیکھ سکیں۔

جادوگروں اور موسیٰؑ کا مقابلہ

پھر وہ دن بھی آپہنچا ---- جس دن کا لوگ اِنتظار کر رہے تھے ----

"یوم الزینۃ" --- ان کے قومی تہوار اور جشن کا دن --- آج حضرت موسیٰؑ اور جادوگروں کے مابین میدان لگنے والا ہے --- میدانِ مقابلہ کو سجایا گیا۔ فرعون بڑی رعونت، تکبر اور غرور و فخر سے جھومتا ہوا تخت نشین ہوا ---- وزراء،

درباری، اور پارلیمنٹ کے ارکان حسب مراتب (پروٹوکول) اپنی اپنی کرسیوں اور مقرر شدہ جگہوں پر بیٹھ گئے ---- مصر کے عوام و خواص بڑی تعداد میں یہ مقابلہ اور یہ معرکہ دیکھنے کے لیے جمع ہیں ---- ایک جانب مصر کے ماہر اور استاد جادوگر ہیں جو گروہ کی صورت میں اپنے جادو کے ساز و سامان سے مسلح ہیں ---- دوسری جانب اللہ کے سچے نبی ---- حق و صداقت کے پیکر ---- عزم و استقلال کی تصویر حضرت موسیٰؑ کھڑے ہیں۔

فرعون اور اس کے وزراء آج خوشی سے پھولے نہیں سما رہے ---- انھیں اپنے جادوگروں کی مہارت پر ناز ہے ---- انھیں پختہ یقین ہے کہ آج فتح و کامرانی ہمارا مقدر بنے گی ---- موسیٰؑ آج مغلوب ہو جائے گا ---- اور جادوگر آج غالب آئیں گے ---- وہ سب کے سب جادوگروں کی ہر لحاظ سے حوصلہ افزائی کر رہے تھے ---- ان کے حوصلہ بڑھا رہے تھے ---- فرعون نے ان کے لیے انعام و اکرام کے علاوہ خُصُوصی انعام کا اعلان کیا تھا کہ تم جیت گئے تو شاہی مقرب بن جاؤ گے۔

آخر کار حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگر آمنے سامنے آئے ---- حضرت موسیٰؑ نے انھیں حق کا مقابلہ کرنے سے ڈرایا اور روکا ---- مگر جادوگر کہنے لگے اے موسیٰ!

﴿ اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴾ (۲۰ : ۶۵)

یا تو تم پہلے اپنی لاٹھی پھینکو یا ہم پہلے ڈالنے والے ہوں۔

جادوگروں نے یہ پیشکش یا تو اس لیے کی کہ ان کے دل میں حضرت موسیٰؑ کی عظمت بیٹھ چکی تھی ---- یا اس لیے کہ وہ حضرت موسیٰؑ پر یہ بات ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ہم آپ سے مرعوب اور خوف زدہ ہرگز نہیں ---- اگر آپ پہلے وار کرنا چاہیں تو کر لیں۔

حضرت موسیٰؑ نے جادوگروں کی پیشکش کا جواب دیتے ہوئے بڑی بے پروائی سے فرمایا:

﴿بَلْ اَلْقُوْا﴾ (۲۰ : ۶۶) ______ بلکہ تم ہی پہلا وار کرو---- تم نے جو ڈالنا ہے ڈالو---- اپنے فن کی پُوری حسرت نکال لو---- جو کچھ لوگوں کو دکھانا چاہتے ہو دکھاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ جواب شاید اس لیے دیا کہ میں بھی تُمہارے جتھے اور گروہ سے مرعوب ہرگز نہیں ہُوں----- یا اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا سانپ بن جانا ان کے اپنے اِختیار اور اپنی مرضی سے نہیں تھا، بلکہ اللہ کے حکم سے تھا---- اور ابھی اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں آیا تھا، اس لیے فرمایا---- تم نے جو کچھ کرنا ہے کرلو---- اپنے فن دکھانے کی تمام تر حسرتیں نکال لو۔

جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں ---- تو دیکھنے والوں کو محسُوس ہوا کہ یہ سانپ اور اژدہا ہیں جو زمین پر دوڑ رہے ہیں۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جادو میں چیز کی صورت اور ہیئت نہیں بدلتی۔ (جادو اور مُعجزہ میں یہی فرق ہے کہ مُعجزہ میں چیز کی ہیئت تبدیل ہوجاتی ہے۔) لاٹھی ---- لاٹھی ہی رہتی ہے اور رسّی --- رسّی ہی رہتی ہے۔ مگر جادو کے زور سے ---- فن کے کمال سے ---- اپنی مہارت سے اور کرتب سے دیکھنے والوں کو ایسے لگتا ہے کہ یہ سانپ ہیں جو پُھنکار رہے ہیں اور دوڑ رہے ہیں۔ قرآن نے بیان کیا-----

﴿سَحَرُوْٓا اَعْیُنَ النَّاسِ﴾ (سورۂ اعراف ۷ : ۱۱۶)

--- جادوگروں نے لوگوں کی آنکھیں (جادو کے زور سے) باندھ دیں۔

سورۃ طٰہٰ میں اِرشاد ہُوا:

﴿ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴾ (۲۰ : ۶۶)
موسیٰؑ کو ایسا دکھائی دیا ان کے جادو کی وجہ سے ---- موسیٰؑ کے خیال میں آیا ان کے جادو کی وجہ سے کہ وہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں۔
یہ منظر دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دل میں ڈر محسوس کیا ----
قرآن کہتا ہے :
﴿ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ﴾ (۲۰ : ۶۷)
موسیٰؑ نے دل میں ڈر محسوس کیا۔
(جادوگروں نے اپنے فن اور جادو کے زور سے دکھایا کہ ہماری لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں ان کی صورت اور ہیئت تبدیل نہیں ہوئی تھی ---- مگر لوگوں کی آنکھوں کو جادو کے زور سے باندھ دیا ---- اس کا اثر حضرت موسیٰؑ پر بھی ہوا اور ان کے خیال میں بھی آنے لگا کہ یہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں، حالانکہ وہ دوڑ نہیں رہی تھیں ----
اس سے معلوم ہوا کہ جادو کا اثر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی ہوا۔)

حضرت موسیٰؑ کے ڈرنے کی وجہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈرنے اور دل میں خوف کھانے کی کئی وجوہات تھیں ---- ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جادوگروں کی لاٹھیاں سانپ کی صورت میں پھر رہی تھیں اور حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی نے بھی زیادہ سے زیادہ سانپ ہی کی صورت اختیار کرنی تھی، تو لوگوں کو جادو اور معجزے کا فرق کیسے معلوم ہوگا ---- ایسی صورت میں حق کا غلبہ کیسے واضح ہوگا؟ میری برتری اور میرا غالب آنا کیسے ثابت ہوگا۔
اور ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خوف اس لیے محسوس کیا کہ جادوگروں نے جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکے ---- انھوں نے جو کچھ

دکھانا تھا وہ دکھا چکے ---- وہ اپنا کمال دکھا چکے ہیں ---- پورے میدان میں اپنا رعب اور دہشت پھیلا چکے ہیں ---- ان کی لاٹھیاں سانپ کی صورت میں لوگوں کو نظر آئیں۔ یہ ان کا فن ہے ---- ان کا کمال ہے ---- ان کے ہاتھ کی صفائی ہے اور ان کے اختیار میں ہے۔ وہ جب چاہیں ---- جہاں چاہیں یہ سب کچھ کر کے دکھا سکتے ہیں ---- مگر میری لاٹھی کا سانپ بننا میرے اختیار اور میرے بس میں نہیں ہے، وہ اللہ رب العزت کے اختیار میں ہے اور وہ مرضیوں کا مالک ہے ---- پتا نہیں اب اس کی مرضی بنتی بھی ہے یا نہیں اور اگر اس وقت اس کی مرضی نہیں بنتی تو پھر میرا کچھ نہیں رہتا۔

(یاد رکھیے نبی کا معجزہ برحق ہے مگر اس میں اختیار پیغمبر کا نہیں ہوتا کہ جب چاہے اور جہاں چاہے اپنی مرضی اور اختیار سے معجزہ دکھا دے، بلکہ معجزے کا فاعل اللہ ہوتا ہے۔ عقائد کی تمام کتابوں میں موجود ہے کہ معجزہ کا فاعل اللہ ہے ---- معجزے میں ہاتھ پیغمبر کا ہوتا ہے اور کام کرنے والی ذات اللہ رب العزت کی ہوتی ہے۔)

اِدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خوف محسوس کیا اور اُدھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴾ (۲۰ : ۶۸)

میرے پیارے موسیٰ ڈریے نہیں، آخری کامیابی آپ ہی کی ہوگی۔

﴿اَلْقِ عَصَاكَ﴾ (۷ : ۱۱۷) ------ ﴿اَلْقِ مَا فِىْ يَمِيْنِكَ﴾ (۲۰ : ۶۹)

اپنی لاٹھی زمین پر ڈالیے ---- ہم اسے ایک اژدہا کی صورت میں تبدیل کردیں گے ---- حضرت موسیٰ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی ----

﴿فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ﴾ (۷ : ۱۱۷)

لاٹھی نے ایک اژدہا کی صورت اختیار کی اور لگا نگلنے جو ڈھونگ

انھوں نے بنایا تھا ---- جادوگروں کے تما شعبدوں کو ---- وہ تمام تر مصنوعی سانپ ---- وہ ڈھونگ سب کو اس اژدہا نے کھانا شروع کیا ---- تھوڑی سی دیر میں میدان صاف ہو گیا ---- اور وہاں موسیٰؑ کی لاٹھی والا اژدہا بڑے رعب اور جلال سے پھنکار رہا تھا۔

(اسی طرح مشرکین اور مبتدعین جادوگروں کی طرح سینکڑوں تقریریں کریں، شرکیہ اشعار پڑھیں، مرثیے اور دوہڑے پڑھیں، حکایتیں اور موضوع روایات سنائیں ---- لوگوں کو مرعوب کردیں ---- مگر موحد خطیب جب قرآن کی ایک آیت پڑھتا ہے تو وہ آیت سینکڑوں تقریروں کو ہضم کرجاتی ہے اور موسیٰؑ کے اژدہا کی طرح آخری کامیابی حق گو خطیب کو ہی ملتی ہے۔)

جادوگروں کا ایمان لانا

جادوگروں نے یہ عجیب اور حیرت ناک منظر دیکھا ---- وہ جادو کے فن کے ماہر تھے ---- وہ جادو کی حقیقت سے بخوبی واقف تھے ---- وہ دیکھ رہے تھے کہ عصائے موسیٰ اژدہا کی صورت میں ہماری سینکڑوں رسیوں اور لاٹھیوں کو آنا فانا نگل گیا ہے۔ مگر اس کے وجود میں بال برابر فرق نہیں آیا ---- وہ فوراً سمجھ گئے کہ نہ یہ جادو ہے اور نہ موسیٰ جادوگر ہے ---- یہ جادو سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے ---- پھر لطف کی بات یہ ہے کہ جس حقیقت کی سمجھ انھیں آگئی اُسے چھپایا نہیں، بلکہ عملی طور پر اسی میدان میں اس کا برملا اظہار اور اعلان کیا۔

﴿ وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِينَ ﴾ (۷ : ۱۲۰)

جادوگر (اس حقیقت کو سمجھ کر حق کو دیکھ کر) سجدے میں گر پڑے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کامیاب و کامران ہوئے اور حق و صداقت کا اظہار ہو گیا تو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں بھائی سجدۂ شکر کے لیے جھکے ---- تو انھیں دیکھ کر

جادوگر بھی بے اختیار سربسجود ہو گئے۔

جادوگروں نے بڑی جرأت سے اعلان کیا :

﴿ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ○ ﴾ (۷ : ۱۲۱۔۱۲۲)

ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔

سبحان اللہ ! جادوگروں نے ہر قسم کے شُبہے کو ختم کر کے رکھ دیا۔۔۔۔ صرف اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نہیں کہا، اس لیے کہ فرعون بھی اپنے مُتعلق اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہتا تھا۔۔۔۔ وہ یہ نہ سمجھ لے کہ یہ جادوگر مجھ پر ایمان لانے کا نعرہ لگا رہے ہیں۔۔۔۔ ساتھ ہی کہا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ وہ ہے جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔۔۔۔ اور جہان کا پروردگار وہی ہو سکتا ہے جس نے موسیٰؑ و ہارونؑ کو بغیر اسباب دنیویہ۔۔۔۔ بغیر مادی وسائل کے کھلے میدان میں۔۔۔۔ قُوت و طاقت اور بادشاہی پر ناز کرنے والے مُتکبّروں پر غالب کر کے رکھ دیا۔

(یہاں سے ایک اور بات کی بھی سمجھ آئی کہ فن اور علم چاہے غلط چیز ہی کا کیوں نہ ہو کبھی کبھی بندے کو فائدہ اور نفع پُہنچا دیتا ہے۔۔۔۔ یہاں جادوگروں کے ایمان لانے کا ظاہری سبب وہ علم اور وہ فن بنا جو جادو کے مُتعلق ان کے پاس تھا۔۔۔۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ اچھی چیزوں کا علم اور شریعت و دین کا علم انسان کی دنیا و آخرت کے لیے کِتنا نفع مند ہو گا۔)

فرعون کی جادوگروں کو دھمکی

فرعون اس تمام صورتِ حال کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔۔۔۔ نتیجہ اس کی توقعات کے برعکس نِکلا۔۔۔۔ موسیٰؑ کو نیچا دکھاتے دکھاتے اسے خود عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس طرح اس کا دام فریب تار تار ہو گیا۔۔۔۔ اسے خطرہ محسوس ہوا کہ جادوگروں کی واضح شکست اور موسیٰؑ کی شاندار فتح دیکھ کر۔۔۔۔ اور جادوگروں کا ایمان لانا اور سربسجود ہونا۔۔۔۔ اسے دیکھ کر مصر کے

باقی لوگ بھی موسیٰؑ کے پیروکار نہ بن جائیں ---- غصے سے بے قابو ہو کر جادوگروں سے کہنے لگا:

﴿ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ﴾ (۲۰: ۷۱)

تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو---- لگتا ہے موسیٰؑ تمھارا استاد ہے---- تم سب نے ہمارے خلاف سازش اور خفیہ تدبیر کر رکھی تھی---- یہ تمھاری ملی بھگت تھی---- یہ سب نورا کشتی تھی---- تب ہی تو میری رعیت ہوتے ہوئے تم میری اجازت کے بغیر ایمان کا دعویٰ کر رہے ہو۔

میں اب تمھیں ایسی سزا دوں گا کہ تمھاری نسلیں یاد رکھیں گی---- اور وہ سزا دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں گے۔ پھر کسی کو ایسی بغاوت و غداری کی ہمت اور جرأت نہیں ہوگی---- مَیں پہلے تمھارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کٹوادوں گا۔ (دایاں ہاتھ تو بایاں پاؤں یا بائیاں ہاتھ تو دایاں پاؤں) اور پھر سب کو سُولی پر لٹکا دوں گا۔

جادوگروں کا جرأت مندانہ جواب

ذرا دیکھیے دھمکی دینے والا کوئی عام یا معمولی آدمی نہیں ہے۔ وقت کا مطلق العنان بادشاہ بھی ہے اور اپنے آپ کو اِلٰہ اور معبود سمجھنے کا دعویدار بھی ہے---- وہ فرعون غصے سے بے قابو ہو کر قتل کرنے کی اور دردناک سزا دینے کی دھمکی دیتا ہے----- مگر جادوگروں کو سچا ایمان نصیب ہو چکا تھا---- حق و صداقت ان پر واضح اور روشن ہو چکی تھی---- اور یہ حقیقت ہے کہ سچا ایمان اور صداقت کی روشنی اور حقانیت کی مٹھاس جب کسی کو نصیب ہو جاتی ہے---- تو وہ ایسی بے پناہ روحانی قوت و طاقت پیدا کر دیتی ہے کہ پھر دنیا کی جابر سے جابر قوت بھی اس کو مرعوب اور کمزور نہیں کر سکتی---- اسی واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ وہی جادوگر جو تھوڑی دیر پہلے اِنعام و اکرام کے

لالچ میں فرعون کے سامنے بچھے جا رہے تھے ----- اپنے لیے بادشاہی کے قرب کی التجائیں اور آرزوئیں کر رہے تھے ----- جیتنے پر انعام کی رقوم طے کر رہے تھے ---- لالچی، دنیا کے حریص، دنیوی عزت کے بھوکے، شاہی دربار میں قرب کے طالب تھے ---- ایمان لانے کے بعد چند لمحوں میں ایسے نڈر، بے باک، بے خوف، بے پرواہ اور غیور ہوگئے کہ ان کی نظروں میں فرعون کی پوری بادشاہی اور سلطنت مچھر کے پر سے بھی حقیر ہوگئی ---- فرعون کا دبدبہ، طاقت و قوت، تند مزاجی اور سختی ریت کی دیوار نظر آنے لگی ---- سخت سزا کی دھمکی کو انھوں نے پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا دیا ----- فرعون کی متکبرانہ گفتگو انھیں ایمان سے ایک سوتر پیچھے نہ ہٹا سکی ---- فرعون کی دھمکی آمیز گفتگو سُن کر جادو گروں نے بڑے حوصلے سے جواب دیا:

﴿ لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ ﴾ (۲۰: ۷۲-۷۳)

اے وقت کے حکمران کان کھول کر سن۔ ہم یہ کبھی نہیں کرسکتے کہ حق و صداقت کے روشن دلائل سے اور اس اللہ کی ذات سے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے منہ موڑ کر تیری بات مان لیں ----- تجھے اپنے اللہ پر اور حق و صداقت کے روشن دلائل پر ترجیح دیں۔

(باقی رہی تیری دھمکی کہ ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا اور سولی پر چڑھا دوں گا تو ہمیں ان دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں۔)

تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر گزر ---- (جو ہوندا اے کرلے) تو زیادہ سے زیادہ کرسکتا ہے تو یہی کرسکتا ہے نا ---- کہ ہماری زندگی ختم کردے ---- سولی پر چڑھا دے ---- تو یہ سزا دینے میں جلدی کر ---- ہم تو اپنے رب

کے ہاں جانے کے لیے بے تاب اور بے قرار ہیں ---- ہم اپنے پروردگار پر ایمان لاچکے ہیں ---- وہ ہمارے گناہ اور خطائیں معاف فرمائے ---- خصوصاً وہ گناہ جو تو ہمیں مجبور کرکے موسیٰؑ کے مقابلے میں لایا ----- ہمارے لیے اللہ بہتر بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ذات بھی اسی اللہ کی ہے۔

مُفسّرین کہتے ہیں کہ جادوگر اِستقامت و اِستقلال سے ایمان پر قائم رہے ----- فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوائے اور انھیں سولی پر چڑھا دیا۔

رحمتِ الٰہی کا کیا کہنا کہ جو لوگ ابھی کچھ دیر پہلے اللہ کے نبی سے پنجہ آزمائی کر رہے تھے ---- کچھ دیر بعد ایمان قبول کرکے حضرت موسیٰؑ کے صحابی اور عارف کامل بن گئے ---- اور پھر کچھ دیر بعد شہادت کا بلند ترین رتبہ پاکر جنّت کے وارث بن گئے۔

کچھ اور لوگ بھی ایمان لے آئے

میدانِ مقابلہ میں فرعون کی شکست دیکھ کر ----

اور حضرت موسیٰؑ کی واضح کامیابی و فتح دیکھ کر ---- جادوگروں کا ایمان لانا ---- پھر سجدہ میں گرنا ----- پھر فرعون کی دھمکیوں سے مرعوب نہ ہونا ---- اور ہنس ہنس کر سولی کو چومنا ---- یہ صورتِ حال دیکھ کر بنی اِسرائیل کے چند نوجوان بھی ایمان لے آئے ----- کچھ مصریوں کا میلان بھی حضرت موسیٰؑ کی طرف ہونے لگا ----- بنی اِسرائیل کے جو لوگ ایمان لائے وہ فرعون کے ظلم و تشدد سے ڈرتے تھے اس لیے ایمان کا کھلے عام اظہار نہیں کرتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایمان قبول کرنے والی اس جماعت کو تلقین فرمائی ---- کہ اگر تمھیں ایمان لانے کی توفیق ہوئی ہے ----- تو -----

﴿فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا﴾ (یونس ۱۰ : ۸۴)

اسی اللہ ربُّ العزت کی ذات پر کامل بھروسا اور توکل کرو۔

مومنین کی اس جماعت نے جواب میں کہا:

﴿عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾ (۱۰ : ۸۵)

ہمارا بھروسا اللہ ہی پر ہے۔

پھر مومنین کی اس جماعت نے اللہ کے آگے گڑگڑاتے ہوئے اور عاجزی کرتے ہوئے دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ (یونس ۱۰ : ۸۵۔۸۶)

اے ہمارے پالنہار --- ہماری نشو نما کرنے والے مولا --- ہمارا معبود صرف تو ہی ہے --- ہماری امیدوں کا مرکز بھی صرف تو ہی ہے ----- مولا! ہمیں ظالم قوم کی آزمائش میں نہ ڈال اور اپنی رحمت سے ہمیں ان کافر لوگوں سے آزادی عطا فرما۔

درباریوں کا فرعون کو بھڑکانا

فرعون کے مقربین نے اور اربابِ اقتدار نے جب دیکھا کہ موسیٰ روز بروز ترقی کر رہا ہے --- اس کے ماننے والوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے --- اور ہماری سر توڑ کوشش اور مخالفت کے باوجود وہ اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تو انھوں نے احتجاج کرتے ہوئے فرعون سے کہا:

﴿اَتَذَرُ مُوْسٰى وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ﴾ (۷ : ۱۲۷)

تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑے رکھے گا کہ وہ زمین (مصر) میں فساد کرتے پھریں۔ (وہ لوگ حضرت موسیٰ کی دعوتِ توحید اور بنی اسرائیل کی آزادی کے مطالبے کو فتنہ و فساد سے تعبیر کر رہے ہیں --- شاید ان کے

نزدیک ایک قوم کے بچوں کو قتل کرنا اور لڑکیوں سے گھر کے کام کاج لینا اور ان کی عزتوں سے کھیلنے کا نام امن ہو ---- آج کے حکمران بھی دین اور مذہب کے نام پر بات کرنے والوں کو فسادی اور اپنے آپ کو امن کا داعی کہہ رہے ہیں۔)

قومِ فرعون کے لوگ ---- فرعون سے کہنے لگے ان شرارتی اور فسادی لوگوں کو تو کھلی چھٹی دیئے رکھے گا تاکہ وہ تجھے اور تیرے معبودوں سے یوں ہی بغاوت کرتے رہیں۔

(یَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ---- فرعون کے معبود سے کیا مراد ہے؟ ----

بعض مفسّرین نے کہا: اس سے مراد گائے کی مجسّم تصویریں ہیں ---- بعض نے سورج اور ستارے مراد لیے ہیں۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ فرعون نے اپنے مجسّمے اور اپنی تصویریں مختلف چوراہوں پر نصب کروا رکھی تھیں، جن کی لوگ پرستش کرتے تھے۔

فرعون کا جواب

فرعون نے قوم کے سرداروں کے احتجاج پر جواب دیتے ہوئے کہا: ---- تم فکر نہ کرو میں موسیٰ اور بنی اِسرائیل کی طاقت کو بڑھنے نہیں دوں گا ---- ان کے ساتھ وہی پرانا سلوک پھر سے دہراؤں گا ---- پھر اس نے حکم جاری کیا کہ بنی اِسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے ---- اس طرح رفتہ رفتہ بنی اِسرائیل کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اس طرح کا حکم اس سے پہلے بھی فرعون جاری کر چکا تھا ---- جس دور میں سیدنا موسیٰ کی ولادت ہوئی تھی ---- آج پھر اس نے یہ جابرانہ اور ظالمانہ اعلان کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون کا یہ اعلان سُن کر اپنی قوم کے حالات کے پیشِ نظر فکر مند اور پریشان ہوئے ---- حضرت موسیٰ دیکھ رہے تھے کہ ان کی

قوم کے موجودہ لوگوں نے آنکھ ہی غلامی میں کھولی ہے ---- اور غلامی میں پروان چڑھنے والی قوم کی دماغی اور ذہنی صلاحتیں مفقود ہو جاتی ہیں ---- ایسی قوم میں ہمت، شجاعت، عزم و اِستقلال موجود نہیں رہتا ---- بلکہ شجاعت و بہادری کی جگہ بزدلی لے لیتی ہے ---- نا امیدی ان کا شیوہ بن جاتا ہے ---- مایوسی کی چادر ان پر تن جاتی ہے ---- حوصلہ ایسی قوم سے روٹھ جاتا ہے۔ پھر کوئی مصلح اور داعی ان کو بھلائی کی طرف پکارتا ہے تو اس کا پیغام اور دعوت انھیں مُشکل اور ناممکن العمل نظر آتی ہے ---- اور اس پیغام اور اس دعوت کے راستے میں آنے والے مصائب سے وہ گھبرا کر آپس میں ایک دوسرے سے لڑنے لگتے ہیں ---- پھر وہ مصلح اور داعی کو کوستے ہیں کہ تم نے ہمیں کس مُصیبت اور کس چکر میں پھنسا دیا ہے ---- ہم تو غلامی والی زندگی میں خوش رہتے تھے۔

یہی حال اور یہی حالت بنی اِسرائیل کی تھی ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ابتداء سے لے کر انتہا تک جو حالات پیش آئے وہ اس حقیقت کی زندہ شہادت اور گواہی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا قوم کو سمجھانا

حضرت موسیٰؑ کو بنی اِسرائیل کی ذہنی حالت کا علم تھا۔

اس لیے جب انھیں اربابِ اقتدار کے ارادوں کا پتا چلا اور فرعون کے اس اعلان کا علم ہوا تو انھوں نے اپنی قوم (بنی اِسرائیل) کو سمجھانے اور انھیں سنبھالنے اور حوصلہ دینے کی کوشش فرمائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (الاعراف۷: ۱۲۸)

ان دکھوں اور مصائب میں اللہ سے مدد مانگو اور ان غموں اور پریشانیوں

میں صبر سے کام لو بے شک زمین کا حقیقی مالک اللہ ہے اور اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔ (اگر عارضی طور پر فرعون کو مصر کی حکومت و بادشاہی مل گئی ہے تو کیا ہوا ---- اس کا انجام بڑا عبرتناک اور ہولناک ہوگا) اور اچھا انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے کہ کامیابی و کامرانی کا سہرا ان کے سر باندھا جائے گا۔

بنی اِسرائیل کو جب پتا چلا کہ فرعون ظلم و ستم کا بازار پھر سے گرم کرنا چاہتا ہے ---- تو گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے:

﴿أُوذِينَا مِن قَبْلِ أَن تَأْتِيَنَا وَمِن بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ (۷ : ۱۲۹)

ہم تیرے آنے سے پہلے بھی فرعونیوں کی طرف سے ستائے گئے اور تیرے آنے کے بعد بھی مصیبت میں مُبتلا ہیں۔

ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ تیرے نبی بننے سے پہلے بھی ہم فرعون کے ظلم و ستم سہتے رہے ---- وہ ہمارے معصوم بچوں کو بے دردی سے قتل کرواتا رہا ---- اور ہماری لڑکیوں کو اس نے لونڈیاں بنائے رکھا ---- اب تیرے پیغمبر بننے کے بعد امید بندھی تھی کہ مصائب اور دکھوں کے بادل چھٹ جائیں گے ---- غموں کی سیاہ رات ختم ہو جائے گی ---- اور ہم سکھ اور چین کا سانس لے سکیں گے ---- مگر ہماری امید پر تو اوس پڑ گئی ---- کوئی فرق نہیں تو نظر نہیں آیا ---- وہی مصائب ہیں، وہی تکالیف ہیں، وہی غم اور وہی پریشانیاں ہیں ---- وہی فرعون ہے اور وہی اس کا اعلان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾ (۷ : ۱۲۹)

عنقریب تُمھارا پالنہار تُمھارے دشمن کو ہلاک و برباد کردے گا اور تمھیں

ان کا جانشین بنا دے گا ملک میں، پھر دیکھے گا کہ تم کس طرح کے عمل کرتے ہو۔

حضرت موسیٰؑ کے قتل کا فیصلہ

فرعون کی یہ چال بھی جب کامیاب نہ ہوئی ---- اور وہ ہر لحاظ سے اور ہر سمت سے ناکام ہو گیا ---- فرعون کو یہ خیال گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا کہ موسیٰ اور اس کی قوم اسی طرح بے باکی اور بے خوفی سے اگر آگے سے آگے بڑھتی رہی تو کہیں یہ میرا تختہ ہی نہ الٹ دیں ---- اور یہ ہم پر غالب نہ ہو جائیں ---- اس نے آخر کار یہ فیصلہ کیا کہ موسیٰ کو قتل کر دیا جائے ---- تا کہ یہ معاملہ اور ہنگامہ یہیں پر ختم ہو جائے۔

فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا:

﴿ ذَرُوۡنِیۡۤ اَقۡتُلۡ مُوۡسٰی وَلۡیَدۡعُ رَبَّہٗ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّبَدِّلَ دِیۡنَکُمۡ اَوۡ اَنۡ یُّظۡهِرَ فِی الۡاَرۡضِ الۡفَسَادَ ﴾ (مومن رغافر ۴۰: ۲۶)

مجھے چھوڑو میں موسیٰؑ کو قتل ہی کر دوں ---- موسیٰؑ کو چاہیے کہ (مدد کے لیے) اپنے رب کو پکارے ---- میں خوف محسوس کرتا ہوں کہ وہ تمھارے دین کو بدل نہ ڈالے یا زمین (مصر) میں فساد برپا کر دے۔

فرعون نے اپنی رعایا کو اپنی رائے (قتل موسیٰؑ) کے ساتھ ہم نوا بنانے کے لیے دو دلیلیں دیں ---- حضرت موسیٰؑ کے قتل پر بطور دلیل دو خطروں کا تذکرہ کیا۔

پہلی بات یہ کہتا ہے کہ اگر ہم نے موسیٰ کے خلاف مؤثر حکمت عملی نہ اپنائی ---- اور سخت کارروائی نہ کی تو وہ اپنے عقائد و نظریات کی ترویج و اشاعت کر کے تمھارے عقائد و نظریات کی عمارت کو منہدم کر کے رکھ دے گا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اب تو تم بڑے امن و سکون اور راحت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہو ---- ہر طرح کی خوشحالی ہی خوشحالی ہے ----

بیرونی حملوں کا کوئی خوف ہے اور نہ اندرونی طور پر کوئی سازش اور خطرہ ہے ---- ہر طرف امن ہی امن ہے ---- بنی اِسرائیل کے مرد تُمھارے غلام اور نوکر بنے ہوئے ہیں اور ان کی عورتیں تُمھاری لونڈیاں بن کر رہ رہی ہیں ---- وہ سب تُمھارے ہاتھ بندھے غلام ہیں ---- اگر موسیٰؑ کی دعوت و پیغام کو انھوں نے قبول کرلیا تو یاد رکھو بغاوت کے شُعلے بھڑک اٹھیں گے ---- بنی اِسرائیل تُمھارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے ---- پورا ملک فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن جائے گا ---- اختلاف و انتشار ہمارے سکون کو تباہ و برباد کرکے رکھ دے گا ---- لہٰذا عقل مندی و دانش مندی اور دور اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ اس اُبھرتے ہوئے فتنے کو آج ہی دبا دیا جائے اور اس چنگاری کو آگ نہ بننے دیا جائے۔

(یاد رکھیے! ہر باطل قوت نے اپنے ظلم و ستم اور تشدد و بے انصافی کے خلاف اٹھنے والی تحریک اور آواز کو فساد سے تعبیر کیا اور اس طرح سادہ لوح عوام کو حق و صداقت اور عدل و انصاف کے داعی کے خلاف ابھارا ---- جھوٹے پروپیگنڈے کے زور سے اور طاقت کے بل بوتے پر حق و انصاف کی آواز اٹھانے والوں کو فسادی کے طعنے سے نوازا گیا ---- ہٹ دھرمی اور سینہ زوری کی انتہا ہے کہ بنی اِسرائیل پر ظلم و تشدد کا پہاڑ توڑنے والا ---- بنی اسرائیل کے ہزاروں معصوم بچوں کو تہِ تیغ کرنے والا درندہ ---- آج اپنے عوام کے سامنے امن کا داعی بن کر حضرت موسیٰؑ جیسے مصلح کو فسادی کہہ رہا ہے۔ یاللعجب!)

حقیقت یہ تھی کہ پیغمبری دعوت و پیغام کے نتیجے میں فرعون کا تاج خطرے میں تھا ---- اس کا تخت خطرے میں تھا ---- اس کا اقتدار خطرے میں تھا ---- اس کی ذات خطرے میں تھی ---- وہ صرف مصریوں کا

بادشاہ ہی نہیں تھا، نام نہاد معبود بھی کہلواتا تھا ---- وہ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (نازعات۷۹ : ۲۴) کا جھوٹا دعویدار بھی تھا ---- عصائے موسوی کی ہیبت اور رعب سے اس کا تخت کانپ رہا تھا ---- اس کے محل پر لرزہ طاری تھا ---- مگر وہ چالاک سیاست دان کسی طرح قوم کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ موسیٰؑ کے قتل کا فیصلہ کر کے میں قوم و ملت اور ملک کی بھلائی کر رہا ہوں ---- وہ قوم کو باور کروانا چاہتا تھا کہ ملک میں امن و امان کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ موسیٰؑ کو قتل کر دیا جائے۔

مردِ مومن کی جرأت مندانہ تقریر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب معلوم ہوا کہ فرعون میرے قتل کا فیصلہ کر چکا ہے تو وہ ذرہ برابر بھی نہیں گھبرائے۔ بلکہ فرمایا میں ایسے متکبر و مغرور شخص سے کیوں ڈروں ---- میرا پشت پناہ، میرا نگران، میرا محافظ، میرا نگہبان اور میرا پروردگار صرف اور صرف اللہ ربُّ العزت ہے۔ میں نے اس کے دامنِ رحمت میں پناہ لے رکھی ہے کوئی بڑے سے بڑا مغرور میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

فرعون پارلیمنٹ کے ممبران کے سامنے جب مشوروں میں مصروف تھا کہ موسیٰؑ کو قتل کر دیا جائے تو اس جگہ فرعون کی قوم سے تعلق رکھنے والا ایک شخص جو سیدنا موسیٰؑ پر مخفی طور پر ایمان لا چکا تھا ---- قرآن اس شخص کو "مردِ مومن" کہتا ہے ---- اس نے یہ سب کچھ سنا تو برداشت نہ کر سکا اور بھری پارلیمنٹ میں ---- فرعون کی موجودگی میں ---- صنادید اور سرداروں کے سامنے ---- حضرت موسیٰؑ کے دفاع میں اتنی خوبصورت اور اتنی مؤثر تقریر کی اور اللہ تعالیٰ کو اس کی تقریر اتنی پسند آئی کہ اسے قرآن کے اوراق میں جگہ دے دی۔ کہنے لگا: تم موسیٰؑ کو آخر قتل کیوں کرنا چاہتے ہو؟۔ آخر اس کا جرم

کیا ہے؟۔ موسیٰ نے کون سی قانون شکنی کی ہے؟۔

موسیٰؑ کا جرم صرف اتنا ہے اور تم اسے صرف اس لیے مارنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے ---- میرا پالنہار اللہ ---- میرا مربی اللہ ہے ---- میری نشو و نما کرنے والا اور مجھے پروان چڑھانے والا اللہ ہے ---- میرا معبود اور میرا الٰہ صرف اور صرف اللہ ہے ----- پھر یہ بات وہ بغیر دلائل کے نہیں کہتا بلکہ اس نظریے پر دلائل رکھتا ہے اور اپنی صداقت و حقانیت پر نشانیاں اور معجزات بھی پیش کرتا ہے۔

﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾

(سورۂ مومن ۴۰ : ۲۸)

پھر اس مردِ مومن نے لوگوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا ----- کہنے لگا :

﴿ لَكُمُ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ فِی الْاَرْضِ ﴾ (۴۰ : ۲۹)

میں نے مانا کہ آج حکومت و بادشاہی کے مالک و مختار تم ہو ---- تمہارے اشارۂ ابرو پر لوگوں کی قسمتیں بدلتی ہیں --- آج کسی کی مجال نہیں کہ تمہارے فرمان اور تمہارے حکم سے منہ موڑے ---- دولت، سرمایہ اور عیش و عشرت کی آج تمہارے ہاں فراوانی ہے ---- زمین اور ملک میں آج اقتدار اور غلبہ تمہارا ہے ---- مگر :

﴿ فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ﴾ (۴۰ : ۲۹)

مجھے یہ تو بتاؤ کہ اللہ کا عذاب آ گیا؟ کوئی آسمانی آفت ٹوٹ پڑی تو ہمارا مددگار اور عذاب سے بچانے والا کون ہوگا؟۔

مردِ مومن نے اپنی تقریر کو دلائل سے مزین کرتے ہوئے کہا :

لوگو ! ذرا اپنے سے پہلی قوموں کو دیکھو ---- قومِ نوحؑ کا انجام کیا ہوا ---- جن قوموں نے اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی نافرمانی کی ---- اللہ

اور وقت کے رسُول کی بات کو نہ مانا ---- اللہ کے رسُول کی تکذیب کی، ذرا ان کے حالات و انجام کو دیکھو ---- نوحؑ کی قوم کا انجام کیا ہوا؟ ---- حضرت ہودؑ کی قوم کو کس طرح برباد کر کے رکھ دیا گیا؟ ---- قوم ثمود کو تباہی کے گھاٹ کس طرح اتارا گیا؟ ---- بعد میں آنے والی قومیں ---- نافرمان اور باغی قوموں کو کس طرح تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا؟۔

آج تم وقت کے پیغمبر موسیٰؑ کے خلاف تدبیریں کر رہے ہو ---- انھیں قتل کرنے کے مشورے کر رہے ہو ---- یہ سب کچھ تم دنیا اور اقتدار پر مغرور ہو کر کر رہے ہو ---- اور میں ڈرتا ہوں کہ موسیٰؑ کی مخالفت کا برا انجام صرف دنیا میں ہی نہیں بھگتوگے بلکہ آخرت میں بھی سخت سے سخت ترین عذاب میں مُبتلا رہوگے ---- اس دن عذاب کی شدت دیکھ کر بھاگوگے ---- اس دن قدموں کے نیچے زمین انگارے کی طرح تپ رہی ہوگی ---- ادھر سے سورج کی کرنیں آگ برسا رہی ہوں گی ---- دوزخ کے شُعلے بھڑک رہے ہوں گے ---- چاروں طرف سے فرشتوں نے گھیر رکھا ہوگا۔ وہ دن بڑا سخت ہوگا ---- اس دن اس عذاب سے بچانے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔

(مردِ مومن کی تقریر کی مکمل تفصیل اللہ ربّ العزت نے سورۃ حٰمٓ مومن کی آیت نمبر ۲۸ سے آیت نمبر ۴۴ میں ذکر فرمائی ہے۔)

قومِ فرعون پر یکے بادیگر عذاب کا نزول

فرعون اور اربابِ اقتدار موسیٰ علیہ السلام کو نیچا دکھانے میں اور شکست دینے میں ناکام ہوئے ---- حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنے کی تدبیریں اور سازشیں بھی کامیابی سے ہم کنار نہ ہوئیں ---- ان کے مذموم عزائم اور برے ارادے خاک میں مل گئے۔

تو اب انھوں نے حضرت موسیٰؑ کو ناکام بنانے کے لیے اور اپنی

گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کے لیے نئی نئی چالیں شروع کیں اور نئی نئی راہیں نکالنے لگے ---- کہ دیکھو! موسیٰ بن دیکھے معبود کو منوانا چاہتے ہے اور میں پوری شان و شوکت کے ساتھ تمھارے سامنے موجود ہوں ---- اگر موسیٰ سچا پیغمبر ہے تو اس کے ساتھ کسی فرشتے کو اترنا چاہیے تھا --- پھر موسیٰ غربت کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس کا الٰہ اس کے لیے سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارتا۔

فرعون نے جب حضرت موسیٰ کی توہین و تذلیل کی انتہا کردی ---- اور سچے معبود کا مزاق بنانا شروع کیا ---- تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی گئی کہ اگر فرعون کی یہی روش رہی ---- اور اس کی تکذیب و تمسخر کا یہی طریقہ رہا ---- اور اس نے اپنے آپ کو نہ بدلا تو عنقریب ان پر اللہ کے عذاب کا نزول شروع ہوجائے گا۔

اس بات کی اطلاع فرعون کو دی گئی ---- مگر اس نے ذرا بھی دھیان نہ دیا ---- الٹا بات کو مذاق میں ٹالتا رہا --- تو اب یکے با دیگر قوم فرعون پر عذاب کا سلسلہ شروع ہوا۔

سامعینِ گرامی قدر! اللہ رَبُّ العزت کا یہ قانون اور دستور ہے کہ کسی قوم پر فیصلہ کن عذاب سے پہلے ---- اس قوم کو مُختَلِف قسم کی سختیوں اور مصائب میں مُبتلا کردیتا ہے ---- انھیں جھنجوڑتا ہے تاکہ وہ سنبھل جائیں ---- اور اس تنبیہ سے وہ اپنی نافرمانی، سرکشی اور کج روی سے باز آجائیں اور ان کے سخت دل نرم ہوجائیں ---- وہ وقت کے پیغمبر کی اطاعت کرتے ہوئے اس کے لائے ہوئے تمام احکامات کو مان لیں ---- اور جن جن کاموں سے وہ روکتا ہے اس سے رک جائیں۔

مگر جب سمجھانے، نصیحت کرنے اور بات منوانے کے تمام طریقے بے اثر ہوجاتے ہیں ---- اور وہ قوم ان مُختَلِف قسم کی سختیوں سے سبق حاصل

نہیں کرتی ---- وہ قوم اللہ کی نافرمانیوں پر اسی طرح کمربستہ رہتی ہے ---- ضد و عناد پر اسی طرح قائم رہتی ہے اور اسے ذرہ بھی پرواہ اور خوف نہیں ہوتا تو پھر اس قوم پر ایسا عذاب نازل کیا جاتا ہے جو ان کا نام و نشان مٹا کر رکھ دیتا ہے اور اس قوم کو آنے والی نسلوں کے لیے مقامِ عبرت بنا دیتا ہے۔

اسی سُنّتِ الٰہیہ اور اسی دستو کے مطابق قومِ فرعون پر آخری اور تباہ کن عذاب کے نزول سے پہلے مختلف قسم کے عذاب ---- نصیحت کے طور پر اتارے گئے تاکہ وہ سمجھ جائیں اور ضلالت و گمراہی کے راستے کو چھوڑ کر سیدھے راستے پر آجائیں۔

مگر جب بھی کوئی عذاب (مُصیبت کی شکل میں) آتا تو بھاگے بھاگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے اور التجا کرتے کہ آپ اپنے رب کے حضُور عرض کریں کہ اس عذاب کو ٹال دے تو پھر ہم ایمان بھی قبول کرلیں گے اور بنی اِسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ روانہ کردیں گے۔

مگر جونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرما کر اللہ ربُّ العزت اس عذاب کو ہٹا دیتا تو وہ بے ایمان اور بد عہد ایمان لانے کے وعدے سے مکر جاتے اور بنی اِسرائیل کو آزاد کرنے سے انکار کردیتے۔

قرآن مجید میں اِرشاد ہوتا ہے:

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ قف فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ﴾ (الاعراف ۷: ۱۳۳)

پہلا عذاب: سب سے پہلا عذاب قومِ فرعون پر طوفان کی صورت میں اترا ---- بایں طور کہ بارش سے آسمان کے دہانے کھل گئے ---- جس نے سیلاب کی شکل اختیار کرلی ---- زرعی زمینوں میں کھڑی فصلیں تباہ ہونے لگیں ---- گھروں میں پانی داخل ہوگیا ---- گلیوں اور سڑکوں میں

چلنا دوبھر ہو گیا--- طوفان اور سیلاب نے زندگی اجیرن کر کے رکھ دی۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آکر التجائیں اور منتیں کرنے لگے کہ اپنے رب کے آگے ہمارے لیے دعا کرو کہ یہ طوفان کا عذاب اگر ہم سے ٹل جائے تو ہم ایمان بھی قبول کرلیں گے اور تیرا مطالبہ (بنی اسرائیل کی آزادی والا) بھی منظور کرلیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی ---- اللہ رب العزت نے رحمت و مہربانی سے ان کی دعا قبول فرمالی ---- طوفان و سیلاب کا یہ عذاب ٹال دیا تو ہٹ دھری کی انتہا کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ سیلاب کوئی عذاب تھوڑے تھا --- بارشوں کی یہ زیادتی عذاب تو نہیں تھا، بلکہ رحمت تھی جس کی وجہ سے ہماری زمینیں پہلے سے زیادہ سرسبز و شاداب ہو گئی ہیں۔ اور فصلیں پہلے سے زیادہ ہونے لگی ہیں۔

دُوسرا عذاب

اللہ رب العزت نے دوسرا عذاب مکڑی کی شکل میں اتارا ---- اتنی کثرت سے مکڑیاں آئیں جو تمام فصلوں سے چمٹ گئیں ---- گھروں کے صحن اور برآمدے اور کمرے مکڑیوں سے بھر گئے ---- سانس لینا دشوار ہو گیا، کھانا پینا عذاب بن گیا ---- سونا بیٹھنا اجیرن ہو گیا، چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔

پھر روتے ہوئے التجائیں کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ---- کہنے لگے اپنے رب سے التجا کر کہ وہ ہمیں اس مُصیبت سے نجات عطا فرمادے تو ہم سچے دل سے ایمان قبول کرلیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی حُضُور التجا کی ---- اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و کرم سے یہ عذاب بھی ہٹا دیا ---- جب عذاب مکمل طور پر ہٹ گیا تو بے ایمان کہنے لگے ہم نے تو سب کچھ مذاق میں کہا تھا اور اس طرح

ایمان قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

تیسرا عذاب

اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون پر تیسرا عذاب گھن کے کیڑے کی صورت میں نازل فرمایا۔ جس نے ان کی فصلوں کو (جو انھوں نے سٹور کر رکھی تھیں) کھانا شروع کر دیا---- ان کے بدن میں جوئیں پڑ گئیں---- جوؤں نے انھیں ایسی اذیت پہنچانا شروع کی کہ الامان و الحفیظ---- تمام بدن پر جوئیں ہی جوئیں---- بستروں پر جوئیں ہی جوئیں---- برتنوں میں جوئیں ہی جوئیں---- ہر طرف جوؤں کا طوفان و سیلاب---- ادھر غلے کے انباروں میں گھن کا کیڑا جس نے غلے کو راکھ اور خاک بنا کر رکھ دیا۔

پھر حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں درخواست کے لیے حاضر ہوئے اور ایمان لانے کا وعدہ کرنے لگے---- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ نے مہربانی کر کے جب اس عذاب کو ہٹا دیا تو بے ایمان ایک دفعہ پھر اپنے وعدے سے پھر گئے۔

چوتھا عذاب

پھر اللہ نے ان پر چوتھا عذاب مینڈک کی صورت میں اتارا---- کہ جہاں جاتے ہر جگہ اور ہر طرف مینڈک ہی مینڈک نظر آتے---- گھروں میں، راستوں میں، گلیوں میں، فصلوں میں اور چارپائیوں پر مینڈک ہی مینڈک ہیں---- ہنڈیا پکاتے ہیں تو اس میں بھی مینڈکیں---- اس طرح ان ان کی زندگی اجیرن ہوگئی۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں آئے، التجائیں کرنے لگے---- منتیں کرنے لگے---- اللہ سے دعا کر ہمیں اس عذاب سے اور مصیبت سے چھٹکارا عطا فرما دے تو ہم تیری بات کو مانیں گے اور تجھ پر ایمان لے آئیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حضور التجا کی---- اللہ نے جب اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے اس عذاب سے نجات عطا فرما دی

تو ایک دفعہ پھر اپنے اقرار اور اپنے عہد سے پھر گئے۔

پانچواں عذاب

اب اللہ ربُّ العزت نے انھیں ایک اور مُصیبت میں پکڑا اور خون کی صورت میں ایک عذاب ان پر اتارا ---- کہ ہر چیز میں خون ہی خون، پانی پینے لگتے ہیں تو خون ---- ہنڈیا پکانے لگتے ہیں تو اس میں خون ---- سخت مُصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں ---- پیاس سے مرتے ہیں۔ مگر پانی پینے لگتے ہیں تو برتن خون سے بھر جاتا ہے ---- پییں تو پییں کیسے ---- اور جائیں تو جائیں کہاں؟۔

آخر تنگ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر اللہ اس مُصیبت کو ہم سے دور کر دے تو ہم ایمان قبول کرلیں گے ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوی شفقت کے پیشِ نظر دعا کی اللہ ربُّ العزت نے اپنے فضل و کرم سے یہ عذاب بھی ان سے دور فرمادیا ---- مگر وہ ایسے بے ایمان اور بدعہد ثابت ہوئے کہ ایمان قبول کرنے سے انکاری ہی رہے۔

قدرتِ الٰہی کا مظاہرہ

سامعینِ گرامی قدر! آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ یہ جِتنے عذاب بھی مصر میں فرعونیوں پر اتارے گئے ---- ان سب سے بنی اِسرائیل کے لوگ محفُوظ رہے۔

اللہ ربُّ العزت کی قدرت ہے کہ ایک ہی شہر، ایک ہی جگہ، ایک ہی زمین ہے ---- ایک ہی جگہ باغ ہیں ---- ایک ہی جگہ گھر ہیں ---- مگر طوفان اور سیلاب کا پانی فرعونیوں کی زمینوں، باغات اور گھروں میں داخل ہوتا ہے اور بنی اِسرائیل کے گھر، زمینیں اور باغات اس سے محفُوظ رہتے ہیں۔

اسی طرح بنی اِسرائیل کی فصلیں مکڑیوں سے اور ان کا غلّہ گھن کے کیڑے سے محفُوظ رہتا ہے ---- مینڈکوں والا عذاب بنی اِسرائیل کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیتا ---- اسی طرح خون سے بنی اِسرائیل کی ہر چیز محفُوظ رہتی ہے۔

ایک ہی جگہ سے سب پانی بھر رہے ہیں ---- بنی اسرائیل بھرتے ہیں تو پانی ہے مگر کوئی فرعونی بھرتا ہے تو اس کے برتن میں جا کر وہ خون بن جاتا ہے۔

فرعونیوں کی ہٹ دھرمی

انھیں چاہیے تو یہ تھا کہ وہ مختلف قسم کے ان عذابوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے، بد اعمالیاں ترک کردیتے، بنی اسرائیل پر مظالم کا سلسلہ ختم کردیتے، اپنے گناہوں کی معافیاں مانگتے ---- مگر ان بدبختوں نے اور ہٹ دھرم لوگوں نے الٹا ان مصائب اور عذابوں کو حضرت موسیٰؑ کی نحوست بتلانا شروع کردیا۔ قرآن کہتا ہے :

﴿ فَإِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ﴾ (۷ : ۱۳۱)

جب انھیں کوئی بھلائی ملتی خوشحالی پہنچتی تو کہتے ہم اس نعمت کے حقدار ہیں اور اگر انھیں کوئی مُصیبت اور تکلیف آتی تو اسے موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے۔

اللہ ربُّ العزت نے ان کے اس بکواس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا :

﴿ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (۷ : ۱۳۱)

سُن لو ! ان کی نحوست تو اللہ کے پاس ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سیدنا موسیٰ علیہ السلام۔۳

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی اٰلہ و اصحابہ اجمعین اما بعد
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
﴿ فَاَتْبَعُوْھُمْ مُّشْرِقِیْنَ○ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓی اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ○ قَالَ کَلَّا ج اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ○ فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْبَحْرَ ط فَانْفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ○ ﴾

پھر فرعونیوں نے بنی اِسرائیل کا پیچھا کیا سورج نکلنے کے وقت پھر جب مقابل ہوئیں دونوں جماعتیں تو موسیٰؑ کے ساتھی کہنے لگے ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰؑ نے کہا ہرگز نہیں، میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ مجھے راستہ بتلائے گا۔ پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰؑ کو کہ مار اپنے عصا سے دریا کو، پھر دریا پھٹ گیا تو ہوگئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ۔ (سورۂ شعراء ۲۶: ۶۰۔۶۳)

(صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

سامعینِ گرامی قدر! گزشتہ دو خطبوں میں ---- میں تفصیل کے ساتھ بیان کرچکا ہوں اور آپ سماعت فرماچکے ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام عرصۂ دراز تک فرعون اور اس کی قوم کو ایمان کی دعوت دیتے رہے ---- ان کو راہِ راست پر لانے کے لیے دلائل کے انبار لگاتے رہے ---- بڑے پیار و محبت

سے اور شفقت کے جذبوں سے انھیں سمجھاتے رہے ---- حضرت موسیٰؑ نے انھیں کئی معجزات دکھائے --- فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں نے شکست کھانے کے بعد سرِعام بھرے میدان میں حضرت موسیٰؑ کی صداقت و نبوت کی شہادت دی ---- مگر فرعون اور قومِ فرعون پر اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا۔

اللہ ربّ العزت نے انھیں جھنجوڑنے کے لیے اور عبرت حاصل کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے عذابوں میں مبتلا کیا۔ (جس کی تفصیل آپ گزشتہ خطبۂ جمعہ میں سن چکے ہیں۔)

مگر ان عذابوں کا بھی ان کی ہٹ دھرم اور ضدی طبیعتوں پر کچھ اثر نہ ہوا --- بلکہ ان کی سرکشی دن بدن بڑھتی رہی --- ان کے کفر و انکار اور فسق و فجور میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا ---- آئے دن ان کا ظلم و ستم بڑھتا رہا --- وہ تکبر و غرور میں بدمست رہے ---- اتراتے رہے ---- حق و صداقت کا مذاق بناتے رہے ---- داعی حق کا تمسخر اڑاتے رہے ---- مظلوموں کو تنگ کرنے میں رتی بھر کمی نہ آئی ---- ان کی یہ سرکشی، تکبر، غرور، انکار، ضد و عناد، ظلم و ستم اور ہٹ دھرمی دیکھ کر ایک دن حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے از راہ تعجب بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

اے ہمارے پالنہار مولا! یہ آرائش و زیبائش کے ان گنت سامان ----- یہ دولت و ثروت کی بہتات، یہ حکومت و سلطنت، یہ حسین محلات و باغات، یہ دنیا کے تمام تر اسباب ---- یہ سب کچھ تو نے انھیں اس لیے عطا کیا ہے کہ یہ لوگوں کو اور عوام الناس کو دولتِ دنیا اور حکومت کے زور پر --- اور اپنی سلطنت اور بادشاہی کے دبدبہ سے گمراہ کرتے رہیں ---- مولا! تو نے انھیں یہ دولت و حکومت اس لیے عطا کی ہے کہ طاقت کے بل بوتے پر غریبوں اور مظلوموں کے پنجے مروڑتے رہیں --- ناداروں کو ستاتے رہیں ----

شرک و کفر کا ارتکاب کرتے رہیں ---- تیری نافرمانیوں پر کمربستہ رہیں ----
نہ تجھے یاد کریں اور نہ تیرے انعامات کا شکریہ ادا کریں۔

میرے پالنہار ! ان کے اموال کو برباد فرمادے اور ان کے دل اور زیادہ سخت کردے، تاکہ یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک تیرے دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔

قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اِس عرض کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴾ (سورۃ یونس ۱۰ : ۸۸)

اللہ ربُّ العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کے جواب میں فرمایا:

﴿ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

تمھاری دعا قبول کرلی گئی ہے پس تم ثابت قدم رہو اور جاہلوں کے طریقے اور راستے کی پیروی نہ کرو۔ (سورۂ یونس ۱۰ : ۸۹)

بنی اِسرائیل کا نِکلنا اور فرعون کا تعاقب

جب تکذیب و اِستہزاء کا معاملہ --- ضد و عناد اور حق کے اِنکار کا معاملہ حدود سے تجاوز کر گیا تو اللہ ربُّ العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا: ﴿ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴾ (۲۶ : ۵۲) ------ کہ راتوں رات میرے بندوں کو مصر سے لے کر نکلیے اور ذہن میں رکھیے کہ فرعونی تمھارا پیچھا کریں گے۔ اللہ کا حکم پاکر حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اِسرائیل کو لے کر مصر سے کنعان کی طرف جانے لگے۔

کنعان بنی اِسرائیل کا اصلی وطن تھا ---- حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے تمام بیٹوں اور خاندان کے ساتھ

کنعان سے ہجرت فرما کر مصر مُقیم ہوگئے تھے۔

مصر سے ارضِ کنعان (فلسطین) جانے کے دو راستے ہیں ---- ایک خشکی کا راستہ ہے، اور دوسرا راستہ بحر قلزم کا راستہ ہے ---- بحر قلزم کو عُبور کرکے وادیٔ سینا کے راستے کنعان تک پُہنچتا ہے۔

خشکی کا راستہ آسان بھی تھا اور نزدیک بھی ---- خشکی کے راستے کی مسافت کم تھی اور بحرِ قلزم کا راستہ مُشکل بھی تھا اور مسافت کے اعتبار سے دُور بھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم و اِرشاد سے خشکی کی آسان راہ چھوڑ کر بحرِ قلزم کا مُشکل راستہ اِختیار فرمایا۔

بعد میں جو حالات و واقعات سامنے آئے، اُن کو دیکھ کر یہ حقیقت سمجھ آتی ہے کہ سمندر کی راہ کو ترجیح اِس لیے دی گئی کہ اگر بنی اِسرائیل خشکی کے راستے جاتے اور فرعون اور اُس کا لشکر ان کا تعاقب کرتا تو پھر دونوں جماعتوں میں جنگ اور لڑائی ہوتی ---- اور بنی اِسرائیل جو مدّتِ مدید سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور غلامی کی زندگی نے انھیں بزدل اور پست ہمت بنا دیا تھا ---- اس لیے خطرہ تھا کہ وہ بزدلی کی بنا پر جنگ اور لڑائی پر آمادہ نہ ہوتے اور اس طرح فرعونی انھیں مصر واپس لے جانے میں کامیاب ہوجاتے۔ اس لیے انھیں بحر قلزم کے راستے پر ڈالا گیا ---- تاکہ فرعونیوں کو ان کی سرکشی، تکبّر و غرور اور ظلم کا مزہ چکھایا جائے اور مظلوم قوم کی نجات کا بے مثال مظاہرہ دنیا کو دکھایا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکلے ---- اُدھر فرعون کو اطلاع کی گئی کہ بنی اِسرائیل ---- موسیٰؑ کی قیادت میں مصر سے روانہ ہوچکے ہیں۔

فرعون نے ایک زبردست لشکر اور فوج کے ساتھ بنی اِسرائیل کا تعاقب کِیا اور صبح ہونے سے پہلے اُن کو جالیا۔

سورۃ شعراء میں فرعونیوں کے تعاقب میں نِکلنے کو کِتنے خُوبصُورت انداز میں بیان فرمایا:

﴿ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ○ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ○ ﴾ (۲۶ : ۵۷-۵۸)

پھر ہم نے نکالا فرعونیوں کو سرسبز باغوں اور بہتے ہُوئے چشموں سے اور بھرپُور خزانوں اور شاندار محلات سے ------ كَذٰلِكَ ------ اِسی طرح یعنی یہ ہمارا کمال تھا کہ فرعونی ---- گھر بار، مال و دولت، باغ اور کھیتیاں چھوڑ کر بنی اِسرائیل کے تعاقب میں ایک دم نکل پڑے اور پھر اُنھیں اپنے شہر لوٹنا نصیب نہ ہُوا۔

اب حالات کُچھ اس طرح بن گئے کہ آگے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور اُن کی قوم بنی اِسرائیل ہے اور پیچھے پیچھے فرعون اور اس کا لشکر ہے ----- جب فرعون کی فوج اتنی نزدیک آگئی کہ دونوں لشکروں نے ایک دُوسرے کو دیکھ لیا تو بنی اِسرائیل حواس باختہ ہوگئے ----- اُن کے اَوسان خطا ہو گئے ----- اُن کے سامنے سمندر کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی ہیں اور پیچھے فرعون کا زبردست لشکر بے قابو ہو رہا ہے ---- میرے تفسیر کے اُستاذ اور جمعیت اِشاعت التوحید و السُنّت کے رُوحِ رواں حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللّٰہ خان رحمۃ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے تھے ---- "اَگے دَریا دِیاں مَوجاں تے پِچھے فِرعَون دِیاں فَوجاں"۔

بنی اِسرائیل گھبرا گئے اور کہنے لگے:

﴿ اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴾ ------ ہم یقیناً پکڑے گئے ہیں ---- مصر میں رہتے تو قبریں تو بنتیں ---- اب تو قبریں بھی نہیں بنیں گی ----- یہ ظالم گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر سمندر کے حوالے کردیں گے۔

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا توکّل

سامعینِ گرامی قدر ! ان نازک لمحات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توکل علی اللہ کی شان ملاحظہ فرمائیے ----- ذرا ان کے ایمان کی پختگی کا اندازہ لگائیے ----- ان کے عقیدے کی مضبوطی کو دیکھیے ----- اُن کے عزم بالجزم، اِستقامت و اِستقلال، جرأت و ہمت اور دلیری و بہادری کی شان دیکھیے ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی نظر آرہا تھا کہ سامنے سمندر کی بے رحم موجیں ہیں ---- تند و تیز موجیں بڑے شور کے ساتھ ساحل سے ٹکرا رہی ہیں ----- اور ہمارے پاس سمندر سے پار اترنے کا کوئی ساز و سامان بھی نہیں ہے ----- کوئی کشتی، کوئی تختہ موجود نہیں ہے۔

اور پیچھے بالکل قریب فرعون کا لشکر پہنچ گیا ہے جو غیظ و غضب سے پاگل ہو رہا ہے ----- راستے بند اور مفقود ہیں۔

مگر ان حوصلہ شکن حالات میں مجال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی پر گھبراہٹ سے ایک شکن تک آئی ہو --- یا دِل میں خوف کا گزر تک ہُوا ہو --- یا بدن میں ڈر سے کپکپی آئی ہو --- نہیں ہرگز نہیں --- بلکہ ڈرے ہُوئے، سہمے ہُوئے اور گھبرائے ہُوئے ساتھیوں کو تسلی دیتے ہُوئے فرمایا :

﴿ كَلَّآ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴾ ------- میرے ساتھیو ! جو بات تُمھارے دِل میں آرہی ہے ایسی بات ہرگز نہیں ہے ----- میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ مُجھے ضرور راستہ دکھائے گا۔

اللہ اکبر! ایسے نازک موقع پر اور خطرناک مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یقین کِتنا پختہ ہے، توکل کِتنا مضبوط ہے ----- اُن کے اعصاب میں کِتنی طاقت اور قُوّت ہے --- اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اِن جُملوں میں کِتنا جلال اور نبوت کی کس قدر عظمت جھلک رہی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے اِس کہنے کے جواب میں اللہ ربّ العزت نے فرمایا:

﴿فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْبَحْرَ﴾ (۲۶ : ۶۳)

پھر ہم نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اپنے عصا سے سمندر کو ضرب لگاؤ......

لاٹھی سے ضرب لگانا تیرا کام ہوگا اور سمندر میں بارہ راستوں کا بنانا میرا کام ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی سمندر پر ماری تو سمندر میں بارہ راستے اس طرح خشک ہوگئے گویا یہاں کبھی پانی کا بہاؤ رہا ہی نہیں...... سمندر پھٹ گیا اور پانی پہاڑ کی مانند جامد ہو گیا...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے کی دیر تھی کہ سمندر کی اچھلتی کودتی ..... شور مچاتی شریر موجوں پر سکتہ طاری ہو گیا..... ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے سرکش اور اڑیل گھوڑے کے منہ میں لگام دے دی ہو۔

قرآن کہتا ہے:

﴿فَانْفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ﴾ (۲۶ : ۶۳)

پھر دریا پھٹ گیا اور اُس کی ہر جانب ایک بڑے پہاڑ کی مانند ہو گئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر سمندر کے اِن خشک شدہ راستوں پر چل پڑے ...... اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لبوں پر ایک پُر اثر دُعا تھی .....

یہ دعا رحمتِ کائنات، امام الانبیاء حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک مخلص دوست اور ساتھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو سکھلائی تھی۔

﴿اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ اِلَیْکَ الْمُشْتَکٰی وَ بِکَ الْمُسْتَعَانُ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾

اے میرے مولا! تمام حمدیں، ثنائیں، تعریفیں اور کمال تیرے لیے ہیں

اور تمام مصائب، دکھوں اور غموں کی شکایتیں تیرے سامنے بیان ہوتی ہیں --- اور سب تکلیفوں اور پریشانیوں کی فریادیں تُجھ سے ہوتی ہیں ---- اور تیری ذات ہے جسے دکھوں میں گھر کر مدد کے لیے پکارا جاتا ہے ---- مُصیبتوں کو پھیرنے والا تیرے سوا کوئی نہیں ---- اور مدد کرنے کی طاقت رکھنے والا بھی تیرے سوا کوئی نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جب سے مَیں نے یہ مُبارک کلمات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے ہیں ہمیشہ اِن کلمات کا وِرد کرتا ہوں۔

۲ دو اہم باتیں سُنیے

سامعینِ گرامی قدر! یہاں ٹھہر کر میری ۲ دو باتیں ذرا غور سے سماعت فرمائیے۔

ایک بات تو یہ کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مُصیبت و تکلیف میں گھر کر ---- مُشکل اور پریشان کُن گھڑی میں ---- اور دشمن کے گھیرے میں آکر مدد کے لیے صرف اور صرف اللہ ہی کو پکارا ---- معلُوم ہوا مصائب و مُشکلات میں پکار کے لائق اگر کوئی ہستی ہے تو وہ صرف اللہ کریم کی ہستی ہے ---- ہمیں بھی دکھوں، مُصیبتوں اور پریشانیوں کے موقع پر مدد کے لیے ایک اللہ ہی کو پکارنا چاہیے۔

دُوسری بات یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اِس نازک موقع پر جِن الفاظ کے ساتھ اللہ کو پکارا وہ ہیں: --- اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ ---- بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے۔

اگر آپ قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو اِس قسم کا ایک واقعہ اِمامُ الانبیاء، خاتم النّبیّین حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آیا تھا ---- ہجرت کی رات جب حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے ساتھ تھے ---- آپؐ کے رفیقِ سفر تھے، اور دونوں دوست غارِ ثور میں چھپے ہوئے

تھے ----- مشرکینِ مکہ تلاش، کرتے کرتے غارِ ثور کے مُنہ پر آ پہنچے -----
نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس وقت سوئے ہوئے تھے ----- اور حضرت ابوبکرؓ جاگ
رہے تھے ----- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ابوبکرؓ کی ران کو تکیہ بنایا ہوا تھا۔
حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے دیکھا کہ غار کے مُنہ پر دشمنوں کے قدم نظر آ رہے ہیں
--- تشویش ہوئی کہ اگر کُفار نے جھک کر دیکھ لیا تو ہمیں دیکھ لیں گے ---- مُجھے
اپنی تو پرواہ نہیں مگر امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو تکلیف پُہنچائیں گے۔
حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر رُخسارِ نبویؐ پر گرے -----
آپؐ بیدار ہوئے ----- حقیقت حال کا علم ہوا ----- تو ابوبکرؓ کے اطمینان اور
تسلی کے لیے زبانِ مصطفیٰؐ سے ایک خُوبصورت جُملہ نِکلا :

﴿ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾

اے ابوبکرؓ ! میرے لیے فکر مند نہ ہو ---- غم نہ کھا ---- کیا تو سمجھتا
ہے اس غار میں ----- میں اور تُو دو موجود ہیں ----- نہیں بے شک اللہ بھی
ہمارے ساتھ ہے۔

سبحان اللہ ! ذرا غور کیجیے ----- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ
----- اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ ---- اور امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ادا کردہ الفاظ
----- اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ----- میں اللہ کی قسم اتنا ہی تفاوت اور فرق ہے جتنا مقامِ
مُصطفٰےؐ اور مقامِ کلیم اللہ میں فرق ہے۔

آپ بھی اس فرق کو دیکھیے ------ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ذکر
پہلے کیا، بعد میں رَبِّیْ کہا ---- اور امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پہلے اِنَّ اللّٰهَ
--- فرما کر اپنے رب کا ذکر پہلے کیا اور بعد میں مَعَنَا فرما کر اپنا ذکر فرمایا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لفظ رب جو صفاتی نام ہے اس کو ذکر کیا
اور امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ۔ نے لفظ اللہ جو ذاتی نام ہے اس کو ذکر فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معیت ربانی کو اپنے ساتھ مخصوص کرتے ہوئے مَعِیَ (میرے ساتھ) فرمایا اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مَعَنَا فرما کر اپنے ساتھی ابوبکر کو بھی معیتِ الٰہی کے شرف سے نوازا۔

غرقِ فرعون و قومِ فرعون

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریا سے جب پار اُتر گئے ---- اِتنے میں فرعون بھی اپنے لشکر کے ساتھ آپہنچا ---- اُس نے یہ حیرت ناک منظر دیکھا کہ پانی کی لہریں پہاڑوں کی طرح کھڑی ہیں اور درمیان میں بارہ راستے خشک موجود ہیں ---- تو لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ---- دیکھتے کیا ہو ---- یہ سب میری کرشمہ سازی ہے ---- اور گھوڑے دریا میں بے خطر ڈال دو۔

فرعون سمجھ رہا تھا کہ دریا میں یہ راستے یوں ہی بنے رہیں گے ---- لہریں اسی طرح جامد کھڑی رہیں گی ---- موجیں یوں ہی تھمی رہیں گی۔

پھر جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ دریا میں اتر گیا ---- اور خشک شدہ راستوں پر سب چلنے لگے ---- پھر جب سب کے سب عین درمیان میں پہنچے ---- تو پہاڑوں کی مانند تھمی ہوئی موجوں میں اچانک جنبش پیدا ہوئی ---- پانی کے وہ پہاڑ جو ایک لمحہ چپ چاپ کھڑے تھے اچانک متحرک ہو گئے ---- خاموش لہریں گرجتی ہوئی فرعونیوں کی طرف لپکیں اور چشم زدن میں فرعون اور اس کے پورے لشکر کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں ---- اور سب کو تہس نہس اور غرق کر دیا۔

یہ بھی معجزہ تھا

سمندر نے بنی اِسرائیل کے لیے راستہ کیونکر چھوڑا ؟ ---- دریا کی موجیں کیوں رُک گئیں ---- کیا چیز تھی جس نے سمندر کے پانی سے اس کی روانی چھین لی تھی اور اس کی

بے قابو لہروں اور بے رحم موجوں کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی تھیں ---- اور پھر جوں ہی بنی اِسرائیل دوسرے کنارے پر پہنچ گئے تو سمندر اپنی اصلی حالت اور حقیقی عادت پر اتر آیا۔

ہماری ناقص عقل جب ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتی تو ہم یا تو سرے سے ایسے واقعات کا انکار کر دیتے ہیں ---- اور اگر کلی طور پر انکار نہیں کرتے تو ایسی بھونڈی اور بے جا تاویلیں کرتے ہیں جن سے واقعہ کا سارا حسن اور قصّے کی تمام تر خوبی خاک میں مل جاتی ہے اور انسان کا دل بھی ان تاویلوں پر مطمئن نہیں ہوتا۔

اس بات اور اس حقیقت کے اِقرار کرنے میں آخر کیا خرابی ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور اللہ ربّ العزت کی قدرت کی نشانی تھی۔

اللہ ربّ العزت کی قدرت اور اس کا حکم ہر چیز پر غالب ہے ---- ندی کا معمولی پانی ہو یا بحرِ بیکراں ہو ---- موسلا دھار بارشیں ہوں یا رم جھم ہو ---- تیز و تند طوفان ہوں یا نرم ہوائیں ہوں ---- سر بہ فلک پہاڑ ہوں یا ہموار زمین ہو ---- دُنیا کی ہر چیز اپنے خالق و مالک کے اِشارہ کی تعمیل کرتی ہے ----

وہ حکم دے تو آسمان سے باتیں کرتی ہوئی آگ ابراہیمؑ پر باغ و بہار بن جاتی ہے ---- وہ حکم دے تو پتھروں کا سینہ چیرنے والی تیز چھری اِسماعیلؑ کے گلے پر اثر نہیں کرتی۔

غرق کے وقت دعویٰ اِسلام

فرعون جب غرق ہونے لگا ---- حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَکَہُ الْغَرَقُ (یونس) ---- اور عذاب کے فرشتے نظر آنے لگے ---- سمندر کی تند و تیز اور بے رحم موجوں نے اُسے اپنے نرغہ میں لے لیا اور اسے اپنی ہلاکت کا یقین

ہو گیا ---- تو خدائی کا نشہ ہرن ہو گیا ---- پھر کہنے لگا:

﴿ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ (۱۰ : ۹۰)

"میں ایمان لاتا ہوں اِس حقیقت پر کہ کوئی معبود نہیں اُس ہستی کے سوا جس ہستی پر بنی اِسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں بھی اُسی اللہ کے فرمانبرداروں میں سے ہوں"۔

ذرا دیکھیے تو سہی! جس دعوتِ توحید کو وہ حقارت سے ٹھکراتا رہا ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ ربُ العزت کا مذاق اُڑاتا رہا ---- اب ایک ہی سانس میں کئی مرتبہ اُسی اللہ کی معبودیت اور فرمانبرداری کا اعتراف کر رہا ہے۔

اُس وقت اس کا ایمان لانا چونکہ عذاب کو دیکھ لینے کے بعد تھا ---- اور عذاب کا فرشتہ جب شہ رگ کو آکر دبوچ لے اور غیب کے پردہ میں چھپی ہوئی حقیقتیں جب سامنے نظر آنے لگیں ---- تو اس وقت کا ایمان لانا بے سود ہوتا ہے ---- اسی لیے اس اضطراری حالت میں جب فرعون نے ایمان لانے کا دعویٰ اور اعلان کیا تو یہ اعلان اس کے منہ پر پھینک دیا گیا ---- اور کہا گیا:

﴿ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ (۱۰ : ۹۱)

اب تو ایمان لاتا ہے اور اس سے پہلے تو نافرمانیاں کرتا رہا اور تو فتنہ و فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔

فرعون نشانِ عبرت

پھر اللہ ربُ العزت نے فرعون کو پیچھے آنے والے لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا ---- بایں طور کہ اس کی لاش کو محفوظ کر لیا ----

ہو سکتا تھا سمندر کی بے رحم موجیں اس کی لاش کو بہا کر کہیں اور

لے جاتیں اور سمندر کا کھارا پانی تھوڑی دیر میں اس کے گوشت پوست کو اڑا کر رکھ دیتا---- یا سمندری جانور اسے لُقمہ بنا لیتے اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا---- لیکن قدرت کو یہ منظور نہیں تھا کہ دُنیا خُدائی کے جھوٹے دعویدار کے انجام کو بھول جائے۔

چنانچہ موجوں کو حکم ہوا اور انھوں نے بے رُوح جسم کو اٹھا کر ایک ٹیلے پر پھینک دیا---- جس جگہ موجوں نے فرعون کی لاش کو پھینکا تھا وہ جگہ آج بھی "جبلِ فرِعون" کے نام سے مشہُور ہے۔ غرضیکہ فرعون کی لاش آج بھی مصر کے عجائب گھر میں مَوجُود ہے اور لوگ آج بھی خُدائی کے جھوٹے دعویدار کے انجام کو دیکھ دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں۔

بنی اِسرائیل کا پہلا مطالبہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اِسرائیل کو ساتھ لے کر وادیٔ سینا کی راہ پر چلنے لگے---- ان پر اللہ ربُّ العزت نے بہت بڑا انعام اور کرم فرمایا تھا کہ ان کے دُشمن کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرقِ دریا کر دیا۔

مگر بنی اِسرائیل بڑی عجیب و غریب قوم ہے کہ وادیٔ سینا کے راستے میں اُنھوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ بُتوں کی پرستش اور پُوجا پاٹ میں مشغُول ہیں---- بنی اِسرائیل نے اُنھیں دیکھ کر حضرت مُوسیٰؑ سے مطالبہ کیا:

﴿ اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ﴾ (اعراف ۷ : ۱۳۸)

ہمارے لیے بھی (یعنی ہماری عبادت کے لیے) ایک معبُود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبُود ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کا یہ جاہلانہ مطالبہ سنا تو فرمایا:

﴿ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (۷ : ۱۴۰)

کیا اللہ کے سوا میں تمھیں کوئی معبُود ڈھونڈ کر دُوں، حالانکہ اُسی

ربُّ العزت نے تمھیں سارے جہانوں پر فضیلت دی ہے ----- اُسی نے تمھیں فرعونیوں کے ظلم سے نجات عطا فرمائی ---- اُسی نے تمھارے دُشمن کو تمھاری آنکھوں کے سامنے غرق کِیا۔

اللہ کے اِتنے اِنعاماتِ عظیمہ اور اِحسانات جلیلہ کی شکر گزاری کیا یہی ہے کہ اُس کے علاوہ تُم ہاتھ کے بنے ہُوئے معبُودوں کا مطالبہ کرو۔

بنی اِسرائیل کی ذہنی پستی

سامعینِ گرامی قدر ! دیکھا آپ نے بنی اِسرائیل کی قومی اور ذہنی پستی کا مظاہرہ ---- غلامی کی زندگی سے نجات ملی ---- دُشمن نظروں کے سامنے ہلاک کر دیا گیا ---- خُود سمندر کی لہروں سے محفُوظ دُوسرے کنارے پر پُہنچے ---- اِتنے اِنعامات کو دیکھنے کے بعد ---- بنی اِسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی برسوں کی محنت پر کس طرح پانی پھیر دیا ----- اچانک ایک بُت پرست قوم کو دیکھ کر بُت پرستی کا خیال دِل میں پیدا ہُوا، اور توحید کے داعی و مبلغ اور شرک کے قاطع سے ہی ایک معبُود بنا دینے کا مطالبہ کرنے لگے۔

ذرا ایک منٹ کے لیے غور تو فرمائیے کہ بُت شکن موسیٰؑ ---- توحید کے داعی موسیٰؑ ---- شرک کے خلاف دو دھاری تلوار موسیٰؑ ---- نے برسوں جس قوم کو بچایا اور سنوارا ----- دُشمن سے آزادی دِلوائی ---- اُس قوم نے جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے یہ مطالبہ کِیا ہوگا تو حضرت موسیٰؑ کے دِل پر کیا گزری ہوگی؟ ---- سچی بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو دشمنوں کی طرف سے بھی بہت ستایا گیا اور اپنوں نے بھی انھیں ذہنی کوفت اور پریشانیوں میں مُبتلا کرنے میں کمی نہیں کی۔

بنی اِسرائیل پر انعاماتِ ربّانی

اب ذرا اُن اِنعامات کا بھی اندازہ لگائیے جو اللہ ربُّ العزت نے

بنی اسرائیل پر وقتاً فوقتاً کیے تھے ---- پھر اس سرکشی، جہالت، ہٹ دھرمی، ضد و عناد، حق سے اعراض اور کفرانِ نعمت کو بھی دیکھیے جو بنی اسرائیل کے حصہ میں آیا۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر انعامات کی برکھا برسائی، احسانات کی انتہا کردی، کرم و فضل کی بارش برسادی، نعمتوں کے خزانوں کے دہانے کھول دیے ---- مگر بنی اسرائیل نے بھی ناشکری، نقضِ عہد اور کفرانِ نعمت کی انتہا کردی۔

بحرِ قلزم کے پار

بنی اسرائیل نے بحرِ قلزم کو پار کر کے جس سرزمین پر قدم رکھا تھا ---- یہ قلزم کے مشرق میں واقع ایک کھلا میدان تھا ---- اس میدان میں دور دور تک سبزے اور پانی کا نشان تک نہیں تھا ---- نہ کوئی مکان، نہ خیمہ، نہ درخت ---- اوپر سے شدید گرمی اور تپش۔

بنی اسرائیل یہ سب کچھ دیکھ کر گھبرا اُٹھے اور حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی کہ ہم پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرجائیں گے۔ یہاں پینے کے لیے پانی کا ایک قطرہ تک نہیں ہے ---- اور پھر کھائیں کیا؟ اور کھائیں کہاں سے؟ یہاں تو کوئی چیز موجود نہیں ہے ---- اُوپر سے دھوپ اتنی تیز ہے کہ الامان و الحفیظ ---- یہاں سائے کے لیے کچھ سامان موجود نہیں ہے ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ ربُّ العزت نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور بنی اسرائیل کے لیے یہ تینوں چیزیں فراہم کردیں۔

اللہ ربُّ العزت نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا:

﴿اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ (۲ : ۶۰)

اپنی لاٹھی ایک پتھر پر ماریے ---- ہم اس پتھر سے بارہ چشمے جاری کردیں گے۔

(بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے، ہر قبیلے کے لیے الگ چشمہ جاری فرمایا۔)

کھانے کے لیے آسمان سے ترنجبین (دانے دار مٹھائی) اتار دیں گے
جو صبح کے وقت گھاس پر اور چھوٹے چھوٹے پودوں پر شبنم کی طرح موجود ہوگی۔
اس کے علاوہ ہم اُن کے کھانے کے لیے بٹیرے بھیجیں گے،
جو اُن سے خوف زدہ نہیں ہوں گے ---- یہ اُنھیں پکڑیں ---- ذبح کریں اور
بھون بھون کر کھائیں۔
باقی رہا سائے کا مسئلہ ------ تو جب تک یہ اس میدان میں موجود
ہیں ہم بادلوں کا اِن پر سایہ کیے رکھیں گے۔

بنی اسرائیل کی ناشکری

اللہ رب العزت کے بنی اسرائیل پر
انعامات اور نوازشات کس قدر
ہوئے، آپنے اسے سُن لیا ---- اب ذرا بنی اسرائیل کی ناشکری بھی ملاحظہ فرمائیے۔
من و سلویٰ کھانے والی قوم ایک دِن حضرت موسیٰ علیہ السلام سے
مطالبہ کرنے لگی:
ہر روز ایک ہی غذا کھاتے کھاتے ہم تو تنگ آگئے ہیں -----
ہمیں روزانہ یہ ترنجبین اور بٹیرے نہیں چاہییں ----- ہمارے لیے اپنے رب
سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے سبزیاں، کھیرے، پیاز، لہسن،
گندم اور مسور کی دال جیسی چیزیں پیدا کرے ----- اور اگائے ----
تاکہ ہم انھیں کھا کر اپنے منھ کا ذائقہ بدلیں۔
اللہ رب العزت نے جواب دیا:
﴿ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ﴾ (۲ : ۶۱)
قریب کے کسی شہر میں جا قیام کرو۔ تمھیں یہ چیزیں وہاں مل جائیں گی۔

طور پر اعتکاف

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ رب العزت نے وعدہ فرمایا
تھا ---- کہ بنی اسرائیل جب فرعونیوں کی غلامی

سے آزادی کی نعمت پالیں گے تو ہم ان کی ہدایت و راہنمائی کے لیے ایک جامع کتاب عطا کریں گے ---- جس میں انھیں زندگی گزارنے کے احکامات موجود ہوں گے ---- اب وہ کتاب عطا کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طُور پر طلب فرمایا گیا ---- اور انھیں تیس دن کے لیے تمام مشاغل سے الگ تھلگ ہو کر اعتکاف کرنے کا حکم دیا گیا ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام طُور پر تشریف لے جانے لگے تو اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم کی اصلاح کے لیے اپنا نائب اور خلیفہ مُقرّر فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طُور پر قیام کی مدت تیس دن سے بڑھا کر چالیس دن کردی گئی ---- جب اعتکاف کے چالیس دن پُورے ہوئے تو اللہ ربُّ العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کے شرف سے نوازا ---- کلامِ الٰہی کی لذّت رگ و پے میں سرایت کر گئی ---- سبحان اللہ ---- اللہ سے ہم کلامی ---- لذت و سرور کے کیا کہنے۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ مُتکلّم کا دیدار بھی ہو جائے تو نُورٌ علیٰ نُور ہو جائے ---- عرض کیا:

﴿رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ﴾ (۷ : ۱۴۲)

میرے پالنہار! جب تو نے مجھے لذّتِ کلام سے نوازا ہے تو پھر لذتِ دیدار سے بھی بہرہ مند فرما۔

اللہ نے جواب دیا:

﴿لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ (۷ : ۱۴۳)

موسیٰ! تم دیدار کی تاب نہ لاسکو گے ---- اچھا دیکھو ---- ہم اپنی ایک تجلّی اِس پہاڑ پر ڈالتے ہیں اگر وہ برداشت کر سکا تو پھر ممکن ہے تُم بھی برداشت کر سکو۔

﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ﴾ (۷ : ۱۴۳)

پھر جب اس کے رب نے اپنی تجلّی پہاڑ پر ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰؑ (اس منظر کی ہیبت و جلال سے) بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب ہوش آیا تو عرض کیا:

﴿ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (۷ : ۱۴۳)

میرے مولا! تیری ذات پاک ہے۔ (اس بات سے کہ تیری ذات کسی مخلوق کے مشابہ ہو اور یہ فانی آنکھیں تیرا دیدار کر سکیں) ----- جو درخواست تیرے دیدار کی میں نے کی تھی میں اس سے رجوع کرتا ہوں اور میں اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے پہلے تیری عظمت و جلال کا یقین رکھتا ہوں۔

یاد رکھیے ---- اِس دُنیا میں اِن فانی آنکھوں سے دِیدارِ الٰہی نہیں ہو سکتا ----- ہاں جنت میں تمام جنتی دیدارِ الٰہی سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے۔

توراۃ کا ملنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ دیدارِ الٰہی کا پورا نہ ہوا تو اُن کی دلجوئی کے لیے فرمایا: موسیٰؑ ہم نے موجودہ لوگوں میں سے آپ کو اپنی پیغمبری اور ہم کلامی کے شرف سے نوازا ہے ---- آپ کو کلیم اللہ بنایا ہے ---- اب آپ کو ایک اور نعمت توراۃ کی صورت میں عطا کی جارہی ہے ---- اس پر خود بھی عمل پیرا رہو ----- اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ توراۃ کے احکام پر مضبوطی سے عمل پیرا رہیں ----- اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کریں۔

﴿ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ (۷ : ۱۴۵)

میں عنقریب تم کو نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا۔

نافرمانوں کے گھر سے کیا مُراد ہے؟---- کچھ مُفسّرین نے ملک مصر مُراد لیا ہے، جو فرعونیوں کا مسکن تھا ---- کچھ مُفسّرین نے شام مُراد لیا ہے جس پر

ایک نافرمان قوم عمالقہ قابض تھی۔

مگر صحیح قول جسے حافظ ابن کثیر نے بھی ترجیح دی ہے یہ ہے:

اللہ کہنا چاہتا ہے کہ موسیٰؑ اگر تیری قوم نے تورات کے احکام پر عمل نہ کیا ---- ہماری دی ہوئی شریعت سے سرتابی کی ---- ہمارے بتلائے ہوئے راستے پر نہ چلے ---- ہماری دی ہوئی کتاب کو مضبوطی سے نہ تھاما ---- تو پھر عنقریب انھیں دنیا میں تباہ و رسوا کردیا جائے گا اور آخرت میں دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے گا ---- "دارُالفاسقین" سے مُراد دوزخ ہے۔ کیونکہ وہ نافرمانوں اور سرکش لوگوں کا گھر ہے۔

بچھڑے کی عبادت

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رُشد و ہدایت سے بھرپور کتاب تورات عطا ہوئی اور ساتھ یہ بھی بتلا دیا گیا کہ ہمارا قانون اور ہماری سنت یہ ہے کہ جب کوئی قوم ہدایت پہنچ جانے کے بعد ---- اور اس ہدایت کی صداقت و سچائی پر روشن دلائل آجانے کے بعد بھی ایمان قبول نہیں کرتی اور گمراہی پر اور آباء و اجداد کی پرانی اور بری رسم و ریت پر قائم رہتی ہے ---- تو ہم بھی ایسی بدبخت اور ضدی قوم کو گمراہی کی وادیوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑے رکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام طُور پر اپنے رب سے ہم کلام ہیں، اور اپنی قوم کی ہدایت و خُوش بختی کے لیے انھیں تورات عطا ہو رہی ہے ---- احکامات مل رہے ہیں۔

اور دُوسری طرف قوم کے لوگوں نے ایک اِنتہائی مکار اور چالاک شخص "سامری" کی قیادت میں ---- حضرت موسیٰؑ کی غیر حاضری کا ناجائز فائدہ اٹھایا، اور اللہ کی توحید سے مُنھ موڑ کر شرک کے راستے کا اِنتخاب کرلیا ---- اور سونے اور چاندی سے بنے ہوئے ایک بچھڑے کو اپنا اِلٰہ اور معبُود بنالیا۔

حیرت اور تعجب ہوتا ہے بنی اسرائیل کے اس کرتوت کو دیکھ کر ----- کہ اللہ ربُ العزت کی معبودیت و الوہیت سے روگردانی کی ---- وہ اللہ جس نے فرعون کی غلامی سے ان کو آزادی بخشی ----- وہ کریم اللہ جس کی قدرت اور حکم سے سمندر کی موجوں نے سمٹ کر ان کے لیے ایک شاہراہ بنا دی ---- وہ مہربان اللہ جس نے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے ازلی دشمن کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ----- وہ اللہ جس نے انھیں کھانے کے لیے من و سلویٰ، پینے کے لیے پتھر سے پانی اور سائے کے لیے بادلوں کا سائبان عطا فرمایا۔

ایسے محسن و مشفق رب سے اپنا رشتہ توڑ کر ----- اور اس قادر و قدیر و مہربان رب کو چھوڑ کر معبود اور اِلٰہ بنایا تو کس کو؟ ------ دھات کی بنی ہوئی بچھڑے کی مورتی کو ---- جو نہ بول سکتی ہے اور نہ کچھ سن سکتی ہے اور نہ انھیں دیکھ سکتی ہے۔

انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ ---- اس بنا پر کہ غلامی کا ایک لمبا عرصہ انھوں نے مصر میں فرعونیوں میں رہ کر بسر کیا تھا۔ اس طرح مشرکانہ رسوم و عادات ان میں کافی حد تک پھیل گئے تھے اور بنی اسرائیل بہت حد تک اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

گوسالہ پرستی (گائے کی پوجا) مصر کا پرانا عقیدہ اور نظریہ تھا ---- مصری گائے کی پوجا کرتے تھے اور گائے کی مورتیوں تک کو سجدے کرتے تھے ---- بنی اسرائیل کے ذہن میں گائے کے تقدس کا ایسا نقشہ جما کہ جوں ہی سامری نے دھات سے ایک بچھڑے کی مورتی بنائی، جس میں سے گائے کی آواز ---- "باں" آتی ----- بنی اسرائیل کے اکثر لوگ بے ساختہ اور بے سوچ سمجھے اس کی اُلوہیت کا اقرار کرنے لگے اور اس کی معبودیت کے گیت گانے لگے۔

سامری کا فریب

حضرت موسیٰ علیہ السلام طُور پر تشریف لے گئے تو بنی اِسرائیل سے کہہ کر گئے تھے کہ تیس دنوں کے بعد لوٹ آؤں گا ---- مگر طُور پر جا کر وہ مدت تیس دن کی بجائے چالیس دن ہو گئی ---- بنی اِسرائیل تیس دن کے بعد فکر مند ہوئے کہ حضرت موسیٰؑ واپس کیوں نہیں آئے ---- اسی تاخیر سے ایک مکار اور عیار شخص جس کا نام سامری تھا، اس نے فائدہ اٹھایا اور بنی اِسرائیل سے زیورات لے کر اور انھیں پگھلا کر اس نے بچھڑے کی مورتی بنائی ---- ہوشیار آدمی تھا، اس نے اس مورتی میں اس طرح سے سوراخ رکھے کہ ہوا ایک طرف سے داخل ہو کر جب دوسری طرف سے خارج ہوتی تو اس میں سے بچھڑے کی سی آواز "ہاں" نکلتی۔

سامری نے یہ کرتب دکھا کر بنی اِسرائیل سے کہا ---- یہ تمھارا اِلٰہ اور معبُود ہے اس کی پوجا پاٹ اور پرستش کرو۔

قرآن مجید نے اس کو اس طرح سے بیان فرمایا:

﴿ فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ﴾ (طٰہٰ ۲۰: ۸۷-۸۸)

پس اس طرح جب سونا فراہم ہو گیا تو سامری نے اسے آگ میں ڈالا اور ان کے لیے ایک سُنہری بچھڑا بنا کر نکال لایا محض ایک دھڑ اور مُورتی جس میں سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی۔ لوگ یہ کرتب دیکھ کر بول اٹھے کہ یہ بچھڑا ہمارا معبُود ہے۔ اور یہی موسیٰؑ کا بھی معبُود ہے۔ مگر موسیٰؑ بھول میں پڑ گیا۔ (اور معبُود کو طُور پر ڈھونڈتا پھرتا ہے۔)

اللہ ربّ العزت نے کتنے خُوبصورت انداز میں ان کے اس مشرکانہ عمل اور خبیث قول کا جواب دیا:

﴿ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۥ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴾

کیا اُنھیں یہ موٹی بات بھی دکھائی نہیں دی (کیا اُنھوں نے اِتنا بھی نہیں دیکھا اور اِتنا بھی نہیں سوچا) کہ بچھڑے کی مُورتی آواز تو نکالتی ہے مگر وہ اُن کی کِسی بات کا جواب نہیں دے سکتی اور ان کا نفع اور نقصان بھی اُس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (سورۂ طٰہٰ ۲۰ : ۸۹)

گوسالہ پرستی پر حضرت موسیٰ ع کا ردِّ عمل

اِدھر بنی اِسرائیل کی اکثریت بچھڑے کی پرستش میں مگن تھی اور اُدھر طُور پر اللہ رَبُّ العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی اِس رذالت اور پستی کا اِطلاع دی۔

اللہ رَبُّ العزت نے حضرت موسیٰ ع سے پُوچھا ------ تم نے قوم کو چھوڑ کر یہاں طُور پر آنے میں اِس قدر جلدی کیوں اِختیار کی؟۔

حضرت موسیٰ ع نے عرض کِیا :

مولا ! اس لِیے کہ تیری رضا اور خوشنودی حاصل کروں اور قوم کی ہدایت و رہبری اور راہنمائی کے لِیے صحیفۂ ہدایت حاصل کروں ---- اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اِطلاع دی کہ جس قوم کی بھلائی اور ہدایت کے لِیے تم اِس قدر بے قرار اور مضطرب ہو وہ لوگ تو سامری کے چکّر میں پھنس کر بچھڑے کی مُورتی کو پُوجنے میں لگے ہُوئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنا تو انھیں اس خبر سے سخت رنج ہوا ---- اُن کی پریشانی کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟ ----- حضرت موسیٰ ع غم و غصہ سے بھر گئے ----- بنی اِسرائیل کی طرف پلٹے اور بے وفا قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا ----- تم نے یہ کیا کِیا؟ ---- میرا اِنتظار کیوں نہیں کیا ---- میری چالیس سالہ محنت پر تم نے پانی پھیر دیا ----- حضرت موسیٰ ع یہ کہہ بھی رہے تھے ----- غیظ و غضب میں کانپ بھی رہے تھے ---- اِتنے غصّے میں تھے کہ

ہاتھ سے تورات کی تختیاں گر گئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شرک منصبِ نبوت کے لیے نا قابلِ برداشت ہے ---- پھر چالیس سال کی محنت اور مشقت اٹھا کر جو یہاں تک پہنچے ---- تو قوم نے یہ صلہ دیا ---- یہ سب کچھ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آنا قدرتی امر تھا ---- اسی غصے کا نتیجہ تھا کہ اپنے بڑے بھائی اور پیغمبر حضرت ہارون کے سر کے بال پکڑ لیے اور داڑھی کے بال پکڑ لیے ---- ان کا خیال یہ تھا کہ اس معاملہ میں حضرت ہارونؑ نے جانشینی کا صحیح حق ادا نہیں کیا ---- شاید انھوں نے غفلت و سستی کرتے ہوئے قوم کو اس مشرکانہ فعل سے نہیں روکا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس غصے کو اور شدید غضب کو دیکھا تو کہنے لگے :

میرے ماں جائے بھائی ! میرا کوئی قصور نہیں ہے ---- مَیں نے تبلیغ کرنے میں اور سمجھانے میں کوئی سستی اور کوتاہی نہیں کی۔

مگر مَیں اکیلا تھا اور بنی اِسرائیل کے اکثر لوگ بچھڑا پرستی میں مُبتلا ہو گئے تھے ---- میں نے انھیں ہر ممکن طریقے سے سمجھایا مگر انھوں نے مجھے بے بس اور کمزور سمجھا اور میری باتوں پر ذرا برابر توجہ نہیں کی ---- مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں۔

قریب تھا کہ مومنین و موحدین اور ان شرارتیوں کے درمیان لڑائی چھڑ جائے اور آپؑ مجھ پر الزام لگائیں کہ میرے بعد تم نے قوم میں تفرقہ ڈال دیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا ---- اے برادر محترم ---- اگر آپؑ اس طرح میرے ساتھ سختی کریں گے ---- اور اس طرح میرے سر اور داڑھی کے بال پکڑ لیں گے تو دشمن خوشی و مَسرت سے بغلیں بجائیں گے۔

حضرت ہارونؑ کی یہ معقول دلیل اور مبنی بر حقیقت بات سُن کر حضرت

موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ----- اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کے بارے ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے بعد اس معاملہ کے مرکزی کردار --- "سامری" کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا:

﴿مَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ﴾ (۲۰ : ۹۵)

سامری ! تیرا کیا معاملہ ہے؟ ----- تو نے یہ کیا ڈھونگ اور سوانگ رچایا ہے ---- فریب و مکر اور عیاری سے تو نے میری قوم کو شرک کے راستے پر ڈالا ----- اب جا زندگی میں تیرے لیے یہ سزا اور عذاب ہے کہ تو اچھوت آدمی کی طرح کہتا پھرے : ﴿لَا مِسَاسَ﴾ (۲۰ : ۹۷) ----- مجھ سے دور رہو ----- مجھے ہاتھ نہ لگانا۔

(اللہ نے دنیا میں سامری کو یہ سزا دی کہ جو شخص سامری کے ساتھ چھو جاتا تو دونوں کو تیز بخار ہو جاتا ----- وہ پاگلوں کی طرح کہتا پھرتا لَا مِسَاسَ لَا مِسَاسَ میرے ساتھ کوئی ہاتھ نہ ملائے ----- میرے بدن کے ساتھ کوئی نہ لگے ----- اللہ نے کہا : بے ایمان کو سرداری اور لیڈری کا شوق تھا کہ لوگ مجھے سلام کریں ----- میرے پیچھے چلیں ----- ہم نے یہ سزا دے کر تمام تر لیڈری اور سرداری کا بھوت خاک میں ملا دیا۔)

یہ سزا تو دنیا کی زندگی میں ہے اور آخرت میں :

﴿وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ﴾ (۲۰ : ۹۷)

تیرے لیے آخرت میں عذاب کا ایک وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔

اے سامری ! اب ذرا اپنے گھڑے ہوئے معبود کو بھی دیکھ ---- جس کے آگے تو مجاور بن کر بیٹھا رہتا تھا ----- دیکھ ہم اس کا کیا حال کرتے ہیں ----- ہم تیرے بے بس معبود کو جلا کر راکھ کر دیں گے ----

اور اس کی راکھ سمندر میں اڑا کر بہادیں گے۔

(تاکہ تجھے اور تیری بات ماننے والوں کو پتا چلے کہ یہ معبود ہمیں کیا دے سکتا ہے؟ یہ بے چارہ تو اپنے نفع اور نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا اور قوم کی معافی

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربُّ العزت کا حکم پاکر اپنی قوم بنی اِسرائیل سے کہا----- کہ تُمھارے اس گھناؤنے جرم کی سزا یہ ہے ----- اور تُمھاری توبہ اور معافی کی صُورت یہ ہے کہ جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی ہے انھیں قتل ہونا پڑے گا----- انھیں وہ لوگ قتل کریں گے جِنھوں نے گوسالہ پرستی کا جرم نہیں کِیا۔

بنی اِسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر سرِ تسلیم خم کِیا اور قتل ہونے پر تیار ہوگئے ----- ابھی تقریباً تین ہزار کے قریب لوگ قتل ہوئے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دربارِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے اور درخواست کی: -------

مولا! ان کی خطاؤں کو، ان کی نافرمانیوں کو معاف فرمادے اور ان پر رحم و کرم فرما ----- ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ (۲: ۵۴) ------ حضرت موسیٰؑ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ ربُّ العزت نے بنی اِسرائیل کا اتنا بڑا اور گھناؤنا جرم معاف فرما دیا۔

بنی اِسرائیل کی ایک اور خباثت

بنی اِسرائیل کا یہ جرم جب اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا تو اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے وہ تختیاں رکھیں جن پر تورات لِکھی ہوئی تھی ----- وہ احکام بتلائے جو تورات میں موجود تھے ----- ان اوامر کو ماننے کے لیے زور دیا جو تورات میں تحریر تھے ----- ان نواہی سے بچنے کے لیے کہا جو تورات میں اترے تھے ----- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ----- اب اپنی زندگیاں ان احکام کے مطابق بسر کرنی ہیں جو تورات میں

موجود ہیں ----- اللہ ربّ العزت نے یہ کتاب تمھاری ہدایت و راہنمائی کے لیے عطا فرمائی ہے ----- یہ کتاب نور بھی ہے اور ہدایت بھی۔

بنی اسرائیل کے وڈیروں اور سرداروں نے ان احکامات کو دیکھا، سنا اور پڑھا ----- اس کے اوامر و نواہی پر غور کیا ---- تو پرانی ریت اور عادت کے مطابق کہنے لگے :

اتنے سخت احکام ----- اللہ مہربان تو نہیں دے سکتا ---- ہمیں تو لگتا ہے یہ اللہ کی نازل کردہ کتاب نہیں ----- اے موسیٰ ! صرف تیرے کہنے پر ہم کیسے مان لیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے ----- ہم تو اُس وقت مانیں گے جب اللہ خود بول کر ہمیں کہے گا کہ "تورات میری نازل کردہ کتاب ہے، تم اِس پر ایمان لے آؤ"۔

ستّر سرداروں کا انتخاب

حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے اِس فضول اور لچر مطالبے کو سُن کر حیران و پریشان کھڑے ہیں ----- کہ اللہ نے فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تمام بنی اسرائیل کو مشاہدے کے لیے طُور پر بلایا جائے ----- اِن میں سے ستّر سرداروں کو چُن لیجیے ----- یہ سردار آپؑ کے ساتھ طُور پر آئیں ---- پھر یہ سردار ہماری آواز سُن کر باقی لوگوں کو بتا دیں۔

چنانچہ ستّر سردار ----- اس کام کے لیے منتخب کر لیے گئے ----- طُور پر پہنچے تو ایک سفید بادل کی طرح نُور نے حضرت موسیٰؑ کو گھیر لیا اور اللہ ربّ العزت سے ہم کلامی شروع ہوئی ---- اُن ستّر سرداروں کو بھی پردۂ نُور میں لے کر سُنایا گیا کہ "تورات میری نازل کردہ کتاب ہے، جو بنی اِسرائیل کے لیے ہدایت نامہ ہے"۔

ہٹ دھرمی کی انتہاء

یہ آواز آنے کے بعد جو نُور کے پردے سے آرہی تھی ---- حضرت موسیٰؑ نے اُن ستر سرداروں سے فرمایا ---- اب تو تمھیں یقین آگیا ہوگا کہ تورات اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے ---- اب اِس حقیقت کی گواہی قوم کے روبرو تم سب نے دینی ہے۔

تو ہٹ دھرمی اور انتہائی ڈھٹائی سے کہنے لگے ---- ہمیں کیا معلوم کہ اس پردۂ غیب کے اندر کون بول رہا ہے ---- ہم تو تب مانیں گے اور تب یقین کریں گے جب اللہ سامنے آکر کہے کہ تورات میری نازل کردہ کتاب ہے اس پر ایمان لے آؤ۔

﴿لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً﴾ (۲ : ۵۵)

ہم تجھ پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ بنی اِسرائیل کے منتخب کردہ ستر سرداروں کا یہ مطالبہ احمقانہ بھی تھا اور انتہائی ہٹ دھرمی اور عناد پر مبنی تھا۔

اللہ ربُّ العزت نے ان کو نقد سزا دی ---- کہ ایک ہیبت ناک کڑک، بجلی کی زبردست چمک اور شدید زلزلے نے اُن کو گھیرے میں لیا اور موت کی نیند سلا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ان کی ہلاکت اور موت کا یہ منظر دیکھ کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کِیا: مولا! بنی اِسرائیل عجیب قوم ہے ---- میں واپس جاکر قوم کو اس صورتِ حال سے آگاہ کروں گا تو وہ مجھ پر یقین نہیں کریں گے ---- سارا الزام مجھ پر ڈالیں گے ---- میرے اللہ اگر تو نے انھیں سزا دینی ہی تھی ---- تو وہیں قوم کے پاس ہی سزا دے دیتا ---- اب تو یہ میرے ساتھ آئے ہیں ---- میری قوم مجھے بدنام کرے گی اور مجھے مجرم ٹھہرائے گی۔

اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کو قبول فرما کر انھیں معاف بھی کر دیا---- اور انھیں دوبارہ زندگی بھی بخش دی تا کہ وہ نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے حق بات کو تسلیم کریں اور پھر حق پر قائم رہیں۔

بنی اسرائیل کی ایک اور خباثت

یہ ستر سردار جن کو دوبارہ زندگی عطا ہوئی تھی

---- بنی اسرائیل کی طرف پلٹے تو انھوں نے طُور پر پیش آنے والا سارا واقعہ قوم کے سامنے بیان کیا---- اور گواہی دی کہ موسیٰؑ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق و انصاف پر مبنی ہے---- تورات کے احکام واقعی اللہ رب العزت کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔

اب چاہیے تو یہ تھا کہ سب کے سب لوگ اللہ کا شکر بھی کرتے ---- ستر سرداروں کی بات کی تائید اور تصدیق بھی کرتے ---- اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہر حکم کی تعمیل بھی کرتے ---- اور تورات کے بیان کردہ احکامات کو دل و جان سے قبول بھی کرتے۔

مگر بنی اسرائیل کی اکثریت نے ---- تورات کے احکام کو ماننے میں پس و پیش اور عذر بہانے تراشنے شروع کیے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشادات کو ماننے میں چونکہ چنانچہ اور لیت و لعل سے کام لینا شروع کیا۔

اللہ رب العزت نے طُور پہاڑ کو اٹھا کر اُن کے سروں کے اُوپر سائبان کی صُورت میں کھڑا کر دیا اور کہا:

﴿ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (۲ : ۶۳)

جو چیز ہم نے تم کو عطا کی ہے اس کو قُوّت سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے (احکام) اس کو یاد کرو۔ تا کہ تم جہنّم کی آگ سے بچ جاؤ۔

اگر تم نہیں مانتے ہو تو میں تم کو اس پہاڑ کے نیچے پیس کر رکھ دوں گا۔

بنی اسرائیلی ڈر اور خوف اور دہشت کی بنا پر کہنے لگے ----

ہم تورات کے احکام کو بھی مانیں گے اور ہر معاملہ میں حضرت موسیٰؑ کی
اِطاعت بھی کریں گے۔
اللہ ربّ العزت نے پہاڑ سروں سے ہٹالیا ---- تو بنی اِسرائیل اپنے عہد و
پیمان پر اور اپنے اس وعدے پر زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکے اور اپنی پُرانی
رِیت اور عادت کے مطابق تورات کے احکام کی خلاف ورزی شروع کردی۔

اِسلام میں جبر

قرآن میں اِرشاد ہوتا ہے -----
لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کہ دین میں اکراہ اور جبر
نہیں ہے ---- دین میں زبردستی نہیں ہے۔
مگر اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ بنی اِسرائیل کے سروں کے
اُوپر لاکر انھیں تورات کے احکامات ماننے پر مجبور کیا گیا ----- اُن پر جبر اور
زبردستی کی گئی ---- اِس کا جواب یہ ہے کہ:
لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ --- دین میں جبر نہیں ہے --- اس کا مطلب یہ
ہے کہ کسی کافر و مشرک شخص پر ایمان قبول کرنے کے لیے جبر اور زبردستی نہیں کی
جائے گی --- ڈنڈے اور تلوار کے زور پر کسی سے ایمان کا اِقرار کروانا جائز نہیں۔
لیکن جس شخص نے کلمۂ اسلام پڑھ کر اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہونے
میں غفلت، سستی یا ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا ---- اسے ڈنڈے کے زور پر اسلام
کے احکام پر عمل پیرا ہونے کے لیے مجبور کیا جائے گا ----
(سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منکرینِ زکوٰۃ سے جہاد فرماتے ہوئے کہا
تھا ---- جو شخص زکوٰۃ میں جانور کی رسّی دیتا تھا آج اگر رسّی دینے سے انکار کرے
گا تو ابوبکرؓ اس کے خلاف تلوار اٹھائے گا۔)

جہاد کا حکم اور بنی اِسرائیل

بحرِ قلزم سے پار اتر کر جس
میدان میں بنی اِسرائیل موجود

تھے ------ جہاں من و سلویٰ کی نعمتیں مل رہی تھیں ---- جہاں پتھر سے میٹھے پانی کے چشمے جاری ہو رہے تھے ---- جہاں بادل ان پر سایہ کر رہے تھے ---- جہاں انھیں اپنے پیغمبر حضرت موسیٰؑ کے ذریعے تورات جیسی ہدایت سے بھرپور کتاب عطا ہوئی تھی۔ یہ میدان فلسطین (ارضِ شام) کے قریب تھا۔

بنی اِسرائیل کے آباء و اجداد حضرت ابراہیم، حضرت اِسحاق اور حضرت یعقوب (علیہم السّلام) سے اللہ ربُّ العزت نے وعدہ کر رکھا تھا کہ تُمھاری اولاد کو فلسطین کا مالک بنائیں گے اور وہ اس مقدس سرزمین پر زندگی بسر کریں گے۔

اللہ ربُّ العزت نے حضرت موسیٰؑ کی معرفت بنی اِسرائیل کو حکم دیا کہ ارضِ مقدس (فلسطین) میں داخل ہوں ------ جہاد کرکے وہاں کے ظالم اور جابر حکمرانوں کو نکال دیں ---- بہادری سے لڑیں ---- میدان میں پیٹھ نہ دکھائیں ----- ہم وعدہ کرتے ہیں کہ کامیابی و کامرانی اور فتح تمھیں ملے گی ---- ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہماری مدد اور نصرت تُمھارے ساتھ ہوگی۔

بنی اِسرائیل نے یہ حکم اور حکم کے ساتھ خُوشخبری کو سُن کر کہا:

﴿ اِنَّ فِيۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِيۡنَ ‌ۖ وَاِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَا حَتّٰى يَخۡرُجُوۡا مِنۡهَا ﴾

وہاں بڑے زبردست اور ظالم لوگ بستے ہیں۔ ہم اُس وقت تک اُس شہر میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ لوگ خُود بخود وہاں سے نہ نکل جائیں۔ (سورۂ مائدہ ۵ : ۲۲)

بنی اِسرائیل میں سے دو شخصوں نے (جن کا نام یُوشع اور کالب ہے) قوم کو ہمت دلانے کی کوشش کی ---- کہ تم نے صرف ارضِ مقدس میں جانا ہے ---- جوں ہی تم وہاں داخل ہوگے تو غلبہ اور فتح تُمھارے قدم چوم لے گی۔

مگر اِن دو شخصوں کے سمجھانے کا بھی اُن پر قطعًا کوئی اثر نہیں ہُوا اور وہ ہٹ دھرمی سے بدستور اپنے اِنکار پر قائم رہے۔

جب حضرت موسیٰؑ نے زور دار طریقے سے ان کو قائل کرنے کی کوشش فرمائی تو جواب میں کہنے لگے :

﴿ اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوۡا فِيۡهَا فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ ﴾ (۵ : ۲۴)

اے موسیٰ ! ہم کبھی بھی اس شہر میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں پس تم اور تمھارا رب جائے تم دونوں ان سے لڑو ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ (یعنی تماشہ دیکھیں گے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے خود غرضانہ، ہٹ دھرمی اور خباثت پر مبنی اور بزدلانہ جواب سُن کر نہایت افسردگی و پریشانی سے اللہ رب العزت کے دربار میں عرض کرتے ہیں :

﴿ رَبِّ اِنِّىۡ لَاۤ اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِىۡ وَاَخِىۡ فَافۡرُقۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴾

میرے پالنہار ! میں اپنے اور ہارون کے ماسوا کسی پر کوئی اِختیار نہیں رکھتا (سو ہم دونوں حاضر ہیں) اب تو ہمارے اور اِس نافرمان قوم کے درمیان جدائی کردے۔ (سورة مائده ۵ : ۲۵)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی اِلتجا کے جواب میں فرمایا :

میرے کلیم ! تو نافرمان اور اکھڑ مزاج قوم کی اِس باغیانہ حرکت پر غمگین نہ ہو.... ان کی نافرمانی کا وبال تم پر نہیں آئے گا۔

ہم خود اس نافرمان قوم کو سزا دیں گے.... یہ چالیس سال تک جنگلوں اور میدانوں میں ذلت و رسوائی کے ساتھ پھرتے رہیں گے اور تم سکونِ قلب اور آرام کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہو گے۔

اصحابِ موسیٰؑ اور اصحابِ محمدؐ

سامعینِ گرامی قدر ! بنی اِسرائیل کی اِس بزدلی اور

ہٹ دھرمی کو سامنے رکھ کر ایک لمحہ کے لیے امتِ محمدیہ کے احوال و حالات پر غور کیجیے ---- امتِ محمدیہ پر اللہ ربُ العزت کے وہ انعامات و احسانات ہوئے جو کسی پہلی امت کے تصور میں بھی کبھی نہیں آئے ---- امتِ محمدیہ کو ان کے مشفق پیغمبر سیدنا محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ذریعہ ابدی شریعت عطا فرمائی ---- کتاب (قرآن) ایسی دی جس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود اٹھائی ----

امتِ محمدیہ میں ایسے علماء اور ائمہ پیدا کیے جو باوجود نبی نہ ہونے کے انبیاء کے وظائف اور انبیاء کے کام کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے۔

امتِ محمدیہ کو بھی جہاد کا حکم ہوا ---- صرف عمالقہ قوم کے مقابلہ میں نہیں بلکہ روئے زمین کے تمام جبابرین کے مقابلہ میں ---- صرف سرزمین شام فتح کرنے کے لیے نہیں بلکہ مشرق و مغرب کے کناروں تک اللہ کے کلمہ کو سر بلند کرنے کے لیے اور فتنہ کے قلع قمع کے لیے۔

بنی اسرائیل سے اللہ نے وعدہ کیا تھا صرف ارضِ مقدسہ (فلسطین) کا اور امتِ محمدیہ سے فرمایا:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے البتہ حاکم بنائے گا ان کو زمین میں جیسا حاکم بنایا تھا ان سے پہلوں کو اور جما دے گا ان کے لیے ان کا دین جو ان کے لیے اس نے پسند کیا ہے اور ان کی حالتِ خوف کو امن میں بدل دے گا۔ میری بندگی کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد ناشکری کریں گے

پس وہی نافرمان لوگ ہیں۔ (سورۂ نور ۲۴ : ۵۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو حکم ہوا کہ جنگ میں پیٹھ دے کر بھاگنا نہیں ---- امت محمدیہ کو بھی یہی حکم دیا گیا کہ

﴿ اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴾ (الانفال ۸ : ۱۵)

امت موسیٰ اور امت محمدیہ میں فرق یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی تو عمالقہ سے ڈر کر کہنے لگے :

﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴾ (۵ : ۲۴)

تم اور تمھارا پروردگار جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

مگر میرے نبیؐ کے رفقاء اور ساتھیوں نے میرے نبیؐ سے کہا :

کعبہ کے رب کی قسم ہے اگر آپؐ ہم کو سمندر کی موجوں میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم سمندر میں کود پڑیں گے ---- ہم آپ کو تنہا اور اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

اللہ کے فضل سے ہم وہ نہیں ہیں جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ ---- بلکہ ہم تو آپؐ کے اشارۂ ابرو پر زندگی کی ہر چیز قربان کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

اصحاب موسیٰؑ اور اصحاب محمدؐ کے مابین اسی فرق کا نتیجہ اور انجام یہ ہوا کہ جتنی مدت اصحاب موسیٰ فتوحات اور کامیابیوں سے محروم ہو کر ایک جنگل میں بھٹکتے رہے ---- اس سے کم مدت میں اصحاب محمدؐ نے مشرق و مغرب میں فتوحات اور رشد و ہدایت کے جھنڈے گاڑ دیے۔ (رضی اللہ عنہم)

بنی اسرائیل کی ایک اور خباثت

بنی اسرائیل کی کج روی، ہٹ دھرمی اور خباثت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے جسے قرآن نے بیان فرمایا ہے۔

اللہ ربّ العزت نے بنی اِسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا ----- انھوں نے بجائے اس حکم کی تعمیل کرنے کے چالیس سال تک مختلف بہانوں اور طرح طرح کی حیل و حجت سے کام لیا۔

کبھی کہتے:

﴿ اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ﴾ (۲: ۶۷)

موسیٰ ذبح گائے کا حکم دے کر تو ہمارے ساتھ تمسخر اور اِستہزاء کرتا ہے۔

کبھی پوچھتے اس گائے کا رنگ کیسا ہو؟۔

جواب آیا: وہ گہرے زرد رنگ کی ہو اور دیکھنے والوں کو خوش رنگ معلوم ہو۔

پھر کہنے لگے: اِس گائے کی عمر کیا ہو؟۔

جواب دیا گیا: درمیانی عمر کی ہو، نہ بالکل بڑھیا اور نہ کم عمر۔

پھر کہنے لگے: ابھی تک حقیقت کھلی نہیں بلکہ گائے کی کیفیت مشتبہ ہوگئی ہے ---- ذرا وضاحت مزید ہو جائے تو اِن شاء اللہ ہم کامیاب ہو جائیں گے۔

جواب دیا گیا:

گائے ایسی ہو جس نے زمین میں ہل بھی نہ چلایا ہو ----- کھیت کو بھی سیراب نہ کیا ہو ---- بالکل بے داغ ہو جس پر کسی قسم کا دھبا نہ ہو۔

اِس حیلہ سازی ----- حجت بازی ----- لیت و لعل اور چونکہ چنانچہ کرتے کرتے چالیس سال بعد گائے ذبح تو کی، مگر اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

﴿ وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴾ (۲: ۷۱)

لگتا نہیں تھا کہ وہ ایسا کریں گے۔

ذبحِ بقرہ کا حکم کیوں دیا گیا؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنی اِسرائیل کو

گائے ذبح کرنے کا حکم کیوں دیا گیا؟۔

بعض مفسرین نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ بنی اِسرائیل میں ایک شخص قتل ہو گیا تھا ------ مگر قاتل کا پتا نہیں چل رہا تھا --- سب لوگ قتل کا اِلزام ایک دُوسرے پر دَھر رہے تھے ----- جس کی وجہ سے باہمی تصادم اور لڑائی کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔

اللہ ربُّ العزت نے فرمایا کہ ایک گائے ذبح کر کے ----- اس کے ایک حصہ کو مقتُول کے جِسم سے لگائیں تو ہم اُسے زندہ کر دیں گے اور وہ قاتل کا نام خُود بتلا دے گا۔

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی رائے

رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ اِس تفسیر پر یقین نہیں رکھتے ---- وہ کہتے ہیں کہ: گائے کے ذبح کرنے کا حکم ملنے کے چالیس سال بعد انھوں نے گائے ذبح کی تھی ----- تو کیا چالیس سال تک مرنے والے کا جِسم بے گور و کفن اِس لیے پڑا رہا کہ کب گائے ذبح ہو اور گائے کا ایک حصہ مقتُول کو مارا جائے اور وہ زندہ ہو کر قاتل کا نام بتائے۔

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: گائے ذبح کروانے کا مقصد یہ نہیں تھا ---- بلکہ مقتُول کا زندہ ہو کر قاتل کا نام بتانا الگ واقعہ ہے اور گائے کے ذبح کرنے کا واقعہ الگ ہے۔

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ------- قرآن مجید کے اس مقام پر جِتنے واقعات بیان ہُوئے ہیں وہ ﴿ وَاِذْ ﴾ کے ساتھ بیان ہوئے ہیں ----- گائے ذبح کرنے کا حکم بھی ﴿ وَاِذْ ﴾ کے ساتھ شروع ہو رہا ہے۔

اب سوال یہ باقی رہ گیا کہ پھر گائے کے ذبح کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ----- اس کا جواب مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ یہ دیتے ہیں کہ بنی اِسرائیل کے

دل و دماغ میں گائے کی تقدیس، تعظیم اور اُلوہیت جم گئی تھی ----- گائے کی محبت اُن کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی ---- گوسالہ پرستی کا خبیث کیڑا اُن کے ذہن سے مکمل طور پر نہیں نکل رہا تھا ---- اس لیے اللّٰہ تعالیٰ ان کے ہاتھ سے گائے ذبح کروا کے انھیں یہ مشاہدہ کروانا چاہتے تھے کہ جس کی تعظیم اور تقدیس تمھارے دل میں پیوست ہوگئی ہے اور تم نے اس کی پوجاپاٹ شروع کردی تھی ------ تم نے اسے معبود تصور کرلیا تھا ---- اس گائے کی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے اسے ذبح کر رہے ہو ----- اسے فنا کے گھاٹ اتار رہے ہو ---- وہ بے بس اور مجبور تمھارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی ---- اور جو گائے اپنے اوپر آنے والی مصیبت کو ہٹا نہیں سکتی وہ تمھاری مشکل کشا اور حاجت روا کس طرح ہو سکتی ہے ----- گائے تم سے ادنیٰ جاندار ہے جو صرف تمھاری خدمت اور ضرورت کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

یہ ہے گائے کو ذبح کروانے سے اللّٰہ ربُ العزت کا مقصد کہ ان کے دلوں سے گائے کی تعظیم کا عقیدہ ختم کردیا جائے۔

خلاصۂ واقعات

سامعینِ گرامی قدر! جتنے واقعات اور جتنے حالات بنی اسرائیل کے آپ نے سماعت فرمائے ----

ان تمام واقعات سے یہ بات اور یہ حقیقت واضح اور نمایاں ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل نے قولاً، عملاً اور فعلاً ہر لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستایا ---- انھیں قدم قدم پر ذہنی اذیتیں پہنچائیں ----- فضول اور لچر قسم کے مطالبات کیے ---- تہمتیں تراشنے سے بھی باز نہ آئے ----- بہتان باندھتے رہے ---- اللّٰہ کے احکام کی کھلے عام نافرمانیاں کیں ----- ہٹ دھرمی اور ضد و عناد پر جمے رہے ---- بُت پرستی تک کی فرمائشیں کرتے رہے ---- گوسالہ پرستی میں مُبتلا ہوئے ---- تورات کو اللّٰہ کی کتاب ماننے سے انکار کیا

---- ارضِ مقدسہ میں داخل ہونے کے لیے جہاد سے جی چراتے رہے -----
من و سلویٰ کھا کھا کر ناشکرے ہوئے -----

غرضیکہ ہر فرض کی ادائگی میں ضد و عناد اور مخالفت اور ہر معاملے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فضول اور جاہلانہ سوال و جواب کا ایک طویل سلسلہ ہے جو اُن کی زندگیوں میں ---- اور ان کی تاریخ میں نمایاں نظر آتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کا انتقال

حضرت موسیٰؑ بے مثال صبر کے ساتھ ---- بے حد حوصلے کے ساتھ ---- انتہائی برداشت کے ساتھ ---- بڑے ضبط و صبر ---- بڑے عزم و استقلال کے ساتھ اور پیغمبری وقار کے ساتھ ان کی ہر خباثت اور ہر شرارت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے ---- اور پیغامِ حق پہنچانے اور دعوت و تبلیغ کے فریضے میں ذرا سی غفلت اور سستی کا مظاہرہ نہیں فرمایا۔

بنی اسرائیل ایک میدان میں سرگردان و حیران گھومتے رہے اور یہیں حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ اور اسی جگہ پر سپردِ خاک ہوئے۔

آخر کار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور حیاتِ طیبہ کے دن بھی پورے ہو گئے اور ایک دن ملک الموت انسانی اور بشری لباس اور شکل و صورت میں بغیر اجازت کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خلوت گاہ میں داخل ہوا اور کہا :

اَجِبْ رَبَّكَ ---- اپنے پروردگار کی طرف سے اجل کا پیغام قبول فرمائیے۔

(آنے والا فرشتہ چونکہ بشری اور انسانی لباس میں تھا اور بغیر اجازت کے آیا تھا ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام اِس فرشتے کو اسی طرح نہ پہچان سکے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام بشری لباس میں آنے والے فرشتوں کو پہچان نہ سکے تھے ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ناگوار گزرا کہ ایک اجنبی شخص اُن کی خلوت گاہ میں کیوں گھس آیا، اور اُسے پیغامِ موت

دینے کا کیا حق ہے۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو طمانچہ رسید کر دیا جس سے اس کی آنکھ باہر نکل آئی ---- فرشتے نے دربارِ الٰہی میں جا کر شکایت کی کہ تیرا بندہ (موسیٰؑ) موت کو پسند نہیں کرتا اور اس نے مجھے طمانچہ بھی مار دیا ہے۔

(فرشتے نے طمانچہ مارنے سے از خود سمجھ لیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام موت کے پیغام سے خفا ہوئے ہیں اور موت کو پسند نہیں کرتے ---- حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ نے اسے پہچانا نہیں تھا اور بغیر اجازت کے یہ بات کہنے پر طمانچہ رسید کر دیا تھا ---- اس لیے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ رُوح نکالنے سے پہلے اُن سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اِس دُنیا میں مزید رہنا چاہتے ہو یا اللہ تعالیٰ کے ہاں آنے کو پسند کرتے ہو ---- فرشتے نے اُن سے پُوچھے بغیر کہہ دیا: أَجِبْ رَبَّكَ ---- کہ موت کا پیغام قبول کیجیے۔)

اللہ ربُّ العزت نے فرشتے کو ملکوتی صُورت میں دوبارہ بھیجا ---- اور پیغام دیا کہ حضرت موسیٰؑ سے کہو: کسی بیل کی کمر پر ہاتھ رکھ دیں، جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے ہم ہر بال کے بدلے ان کی عمر میں ایک سال کا اضافہ کر دیں گے۔

فرشتے نے حاضر ہو کر اللہ کا پیغام پہنچایا ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس کے بعد پھر کیا ہو گا ---- جواب ملا ---- پھر بھی موت ہے۔

تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اگر طویل سے طویل زندگی کا انجام موت ہی ہے تو پھر موت کو آج ہی قبول کیوں نہ کر لوں۔

اس تمثیل سے اللہ ربُّ العزت نے فرشتے کی یہ غلط فہمی دور فرما دی کہ میرا موسیٰ موت سے خوف زدہ نہیں ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سیدنا موسیٰ و سیدنا خضر علیہما السلام ۴

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا نَسِیَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا۝ ﴾

(سورۂ کہف ۱۸ : ۶۰۔۶۱)

(صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

سامعینِ گرامی قدر! حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے واقعات میں ایک اہم واقعہ اس ملاقات کا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس شخص کے مابین ہوئی جس کا نام مفسرین نے خضر بتایا ہے۔

اِس واقعہ کو قرآن مجید نے سورۃ کہف کے تقریباً دو رکوعوں میں بیان فرمایا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے ...... رشد و ہدایت کے موتی زبانِ نبوت سے برس رہے تھے ...... فصاحت و بلاغت کا دریا موجزن تھا ...... خوبصورت انداز،

دِل نشین لہجہ ----- مؤثر گفتگو اور مدلل کلام کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک شخص نے اس وعظ و نصیحت اور طرزِ کلام اور قوّتِ استدلال سے متاثر ہو کر کہا:

کیا اِس وقت دُنیا میں آپ سے بڑا عالم بھی کوئی ہے؟۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ صاحبِ کتاب رسُول تھے ---- وہ صاحبِ شریعت پیغمبر تھے ----- اور انھیں اللہ ربُ العزت سے شرفِ ہم کلامی بھی مل چکا تھا---- اس لیے جواب میں فرمایا: "مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے"۔

یہ جواب واقع میں صحیح تھا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُولو العزم انبیاءؑ کے زمرہ میں شامل ہیں۔ حقیقت ہے کہ ان کے دور میں اسرارِ شرعیہ کا علم ان سے زیادہ کس کو ہوسکتا تھا۔

مگر اللہ ربُ العزت کو انؑ کے یہ الفاظ پسند نہ آئے ----- کہ وہ اپنے آپ کو روئے زمین پر من کل الوجوہ سب سے زیادہ عالم سمجھتے ہیں ----- اللہ ربُ العزت کی مرضی اور منشاء یہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ جواب کو میرے علمِ محیط پر محمول کرتے ----- واللہ اعلم ----- کا کلمہ کہتے کہ اللہ اس حقیقت کو بہتر جانتا ہے ----- اور اگر آپ سے زیادہ عالم کوئی دُوسرا نہیں ہے تو میں تو ہُوں نا ----- جو سب جاننے والوں سے بڑا جاننے والا ہُوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی اطلاع دی گئی کہ جہاں دو سمندر ملتے ہیں وہاں ہمارا ایک بندہ رہتا ہے جو بعض امور اور بعض معاملات میں آپ سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے۔

(دو دریا مجمع البحرین سے کون سے دریا مراد ہیں؟---- بعض مفسّرین نے کہا ان دو دریاؤں سے مراد بحرِ فارس اور بحرِ روم ہیں ----- بعض مفسّرین نے افریقہ کے دو دریا مراد لیے ہیں ---- بعض علماء کے نزدیک مجمع البحرین (دو دریاؤں کا سنگم) وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات خلیجِ فارس میں گرتے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قرینِ قیاس اس قول کو قرار دیا ہے کہ اس سے مراد بحرِ روم اور بحرِ قلزم کا سنگم ہے۔)

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجسس ہوا کہ اللہ کے اس بندے سے ملاقات کر کے وہ علم حاصل کرنا چاہیے جو خاص علم اللہ رب العزت نے مجھے عطا نہیں فرمایا ---- دِل میں طلبِ علم کی اُمنگ انگڑائیاں لینے لگی ---- حُصُولِ علم کا جذبہ موجزن تھا ---- دِل کرتا تھا کہ کسی طرح اُس بندے تک اُڑ کر پہنچ جاؤں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دربارِ الٰہی میں التجا کی کہ میں اس بندے کو ملنا چاہتا ہوں ---- مجھے اس کا پُورا پتا اور نشان بتایا جائے ---- اور اس بندے تک رسائی کا طریقہ بتایا جائے۔

اِرشاد ہُوا: ---- جہاں دو دریاؤں کا سنگم ہے وہاں ہمارا وہ بندہ رہتا ہے ---- تم اس کی تلاش میں نکلو تو ایک مچھلی تل کر اپنے ساتھ توشہ دان میں رکھ لو جس جگہ پر وہ مچھلی زندہ ہو کر گم ہو جائے اسی جگہ وہ شخص ملے گا ---- وہی جگہ میرے اس بندے کی قیام گاہ ہے۔

(سامعینِ گرامی قدر! ذرا رُک کر ایک لمحہ کے لیے اس بات پر غور کیجیے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام جیسا اُولوالعزم پیغمبر ---- صاحبِ کتاب نبی ---- کلیم اللہ کے لقب سے مشرف عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہیں تھے ---- اگر وہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہوتے تو اُس بندے کی قیام گاہ کا پتا پُوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ ---- پھر علامت اور نشانی کے طور پر تلی ہوئی اور بھونی ہوئی مچھلی ساتھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق ---- بھونی اور تلی ہُوئی مچھلی ساتھ لے کر ---- اپنے ساتھی یوشع بن نون (جو بعد میں پیغمبری کے عظیم منصب پر فائز ہوئے) کو ساتھ لے کر اس مردِ صالح کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

حضرت موسیٰؑ نے یوشع بن نون سے کہا:

﴿لَآ اَبۡرَحُ حَتّٰٓی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا﴾

ہماری منزل دو دریاؤں کے ملاپ والی جگہ ہے ----- میں ہر صورت میں وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔ میں اپنا مقصد حاصل ہونے تک برابر چلتا رہوں گا، چاہے مجھے اس کے لیے کئی برس اور کئی قرن سفر کرنا پڑے۔ (۱۸ : ۶۰)

چلتے چلتے ایک مقام پر دونوں پہنچے ----- حضرت موسیٰ علیہ السلام سو گئے اور سونے سے پہلے یوشع بن نون سے کہا تم چوکنا اور ہوشیار رہنا اور دیکھتے رہنا کہ اگر یہ بھونی ہوئی مچھلی زندہ ہو جاتی ہے تو کدھر کا رُخ کرتی ہے۔ کیونکہ جہاں مچھلی نے زندہ ہو کر جانا ہے وہی ہمارا مقصود اور وہی ہماری منزل ہے۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے ہیں اور تلی ہوئی مچھلی توشہ دان اور زنبیل میں سرہانے رکھی ہوئی ہے ---- یوشع بن نون جو حضرت موسیٰؑ کے معتمد علیہ صحابی اور ساتھی ہیں اور بعد میں رسالت کے منصب پر فائز ہوئے وہ جاگ رہے ہیں ----- کہ اچانک توشہ دان میں کھڑکھڑاہٹ ہوئی اور مچھلی زندہ ہو کر دریا میں عجیب طریقے سے سرنگ کی طرح راستہ بنا کر غائب ہوگئی ----- جہاں جہاں سے وہ مچھلی گزرتی گئی وہاں پانی برف کی طرح جم کر ایک چھوٹی سی پگڈنڈی کی طرح ہو گیا ---- ایسے محسوس ہوتا تھا کہ سمندر میں ایک لکیر یا خط کھینچا ہوا ہے۔

حضرت یوشع بن نون نے یہ عجیب و غریب منظر دیکھا ----- پھر سوچا کہ سیدنا موسیٰؑ تھکے ہوئے ہیں اور آرام کی غرض سے سو رہے ہیں، فی الحال انھیں جگانا مناسب بھی نہیں اور خلافِ ادب بھی ہے ----- اپنے وقت پر جونہی بیدار ہوں گے تو اس محیرالعقول واقعہ کی اِطلاع دے دُوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بیدار ہوئے تو فرمایا چلو آگے کا سفر طے کریں ----- یوشع بن نون نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے عرض کیا -----

ٹھیک ہے چلیے۔

یوشع بن نون کو مچھلی کا زندہ ہونا ---- پھر عجیب طریقے سے سرنگ بنا کر غائب ہونا ----- اتنے عجیب واقعہ کی اطلاع دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ذکر کرنا یاد ہی نہ رہا اور وہ یہ تذکرہ کرنا بھول گئے۔

قرآن مجید نے حضرت یوشع بن نون کا یہ جملہ نقل فرمایا ہے:

﴿فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ﴾ (۱۸ : ۶۳)

پس میں مچھلی کو بھول گیا ---- یعنی اس کا تذکرہ کرنا آپ کے سامنے یاد ہی نہ رہا۔

(سامعینِ گرامی قدر! ایک لمحہ کے لیے یہاں ذرا ٹھہریے اور رُک کر ذرا سوچیے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں ----- فوت نہیں ہوئے ----- روحِ مبارک ان کے جسد اقدس میں موجود ہے ----- صرف سوئے ہوئے ہیں ---- مگر اپنے سرہانے مچھلی کے زندہ ہو جانے کا علم انھیں نہ ہوسکا ----- مچھلی زندہ ہو کر توشہ دان سے نکلی ہوگی تو کچھ نہ کچھ آواز تو لازماً پیدا ہوئی ہوگی ---- پھر وہ اچھل کر سمندر میں گری ---- پھر اس نے سمندر میں عجیب انداز سے راستہ بنایا ---- مگر سوئے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ مچھلی کے زندہ ہونے کا علم ہوسکا ----- نہ وہ کھڑکھڑاہٹ سن سکے اور نہ مچھلی کو سرنگ بناتے ہوئے دیکھ سکے۔

جب زندہ پیغمبر سو جانے کے بعد دنیا کے حالات و واقعات ----- اور قریب میں ہونے والے حادثات سے بے خبر ہوتا ہے تو وفات کے بعد ----- زمین میں دفن ہونے کے بعد قبرِ مقدس پر آنے والوں کو کیسے دیکھ سکتا ہے اور اُن کی عرض و نیاز اور پکار کو کیسے سُن سکتا ہے؟۔

پھر ایک اور بات پر بھی غور فرمائیے کہ:

یہ تو سونے کی بات تھی ----- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھیں بند تھیں ----- پھر جاگنے کے بعد اور بیدار ہونے کے بعد آگے سفر کو روانہ ہوئے ---- خادم کے ہاتھ میں تھیلا ہے مگر اس میں مچھلی موجود نہیں ہے ---- تھیلا خالی ہے ---- مگر جاگتے ہوئے پیغمبر کو تھیلے کے اندر کا علم نہیں ہے ----- اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتا ہوتا کہ تھیلے کے اندر مچھلی موجود نہیں ہے تو وہ ایک قدم بھی آگے سفر نہ فرماتے۔

پھر دوسری طرف دیکھیے کہ حضرت یوشع بن نون جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی اور صحابی ہیں اور آئندہ انھیں بھی نبوت کا منصب عطا ہونا ہے ----- اتنے بڑے بزرگ اور عظیم انسان ---- مگر وہ بھی عالم الغیب نہیں ---- اگر عالم الغیب ہوتے تو مچھلی کے زندہ ہو کر عجیب طریقے سے سرنگ بنا کر غائب ہو جانے کا تذکرہ کرنا نہ بھولتے ---- جو بھول جاتا ہو وہ عالم الغیب نہیں ہو سکتا۔)

منزلِ مقصود سے آگے

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون ---- منزلِ مقصود سے آگے تقریباً ایک دن رات کا سفر طے کر چکے ---- تو اب تھکاوٹ ----- تکان اور بھوک نے شدت اختیار کر لی ---- امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰؑ جب تک منزلِ مقصود کی تلاش میں سفر کرتے رہے اس وقت تک کسی قسم کی تھکاوٹ اور تکان محسوس نہیں ہوئی ----- مگر جونہی منزلِ مقصود سے آگے غلطی سے اور بھول کر نکل گئے تو اب تھکاوٹ اور تکان محسوس ہونے لگی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی سے فرمایا:

﴿ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴾ (۱۸ : ۶۲)

ہمارے لیے صبح کا کھانا لاؤ۔ یقیناً ہم نے اس سفر میں بڑی تکلیف پائی ہے --- بھوک بھی ستا رہی ہے اور سفر نے تھکا بھی دیا ہے ---

صبح کا ناشتہ لاؤ کچھ کھا پی لیں۔

(سامعینِ گرامی قدر! اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان جملوں کو بھی قرآن کے اوراق میں جگہ دے دی ---- یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ عوام الناس کو مسئلۂ توحید سمجھانا چاہتے ہیں ------ لوگوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ دیکھو ----- موسیٰ میرا جلیل القدر پیغمبر ہے ---- صاحبِ کتاب رسول ہے ---- میرا کلیم ہے مگر سفر کرتا ہے تو تھک جاتا ہے اور اسے بھوک ستاتی ہے تو کھانے کا محتاج ہوتا ہے ---- لوگو! جسے سفر تھکادے اور جسے بھوک ستادے، وہ مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہوسکتا ----- بلکہ ساری دنیا کا واحد اور اکیلا حاجت روا اور مشکل کشا وہ ہے جس نے چلتے ہوئے پانی پر زمین ٹھہرائی ----- جس نے بغیر ستون کے آسمان کھڑا کا ----- جس نے جگمگاتے ستاروں سے آسمانِ دُنیا کو مزین فرمایا ----- جس نے سر بہ فلک پہاڑ بنائے ----- زمین میں سمندر اور دریا چلائے ----- انسان، جنات اور ملائکہ کو تخلیق کیا ----- ساری کائنات بنا کر ان کی حفاظت کرتا ہے مگر اسے تھکاوٹ کا کبھی احساس تک نہیں ہوا ----- ﴿وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا﴾ (۲: ۲۵۵) ----- زمین و آسمان کی حفاظت اسے نہیں تھکاتی۔

وہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے جو ساری خلقت کو کھلاتا ہے مگر خود کھانے کا محتاج نہیں ----- سب کو پلاتا ہے مگر خود پانی کا محتاج نہیں ہے۔)

یوشع بن نون کو یاد آیا

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانا مانگا تب یوشع بن نون کو یاد آیا کہ مچھلی تو وہاں زندہ ہوگئی تھی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام آرام کی غرض سے سو گئے تھے ---- اس کا تذکرہ یوشع بن نون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا، تو انھوں نے فرمایا:

﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ﴾ (۱۸: ۶۴)

وہی تو جگہ تھی جس کی ہم جستجو اور تلاش میں سفر کر رہے تھے ------ اب ہمیں وہیں واپس جانا ہوگا ------ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس جگہ پر کس طرح پہنچیں ------ ہمیں تو واپسی کا راستہ ہی یاد نہیں ہے۔

اللہ رب العزت نے ان دونوں کی واپسی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

﴿ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ (۱۸ : ۶۴) ------ پس وہ دونوں واپس پلٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے۔

(سامعینِ گرامی! ذرا دیکھیے تو اللہ رب العزت نے ایک ایک بات بیان کر کے شرک کی باریک سے باریک رگیں کاٹ کر رکھ دیں ---- عقیدے کی پختگی کی راہیں کھول دیں ---- مسئلہ سمجھایا کہ جو عالم الغیب ہوتا ہے اسے واپس منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے قدموں کا نشان دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی ---- اور جو قدموں کے نشان دیکھ کر اپنے منزل مقصود تک پہنچے وہ حاضر و ناظر اور عالم الغیب نہیں ہوسکتا۔)

سیدنا موسیٰؑ خضرِؑ کے ہاں

چنانچہ اپنے پاؤں کے نشان ڈھونڈتے ڈھونڈتے اور دیکھتے دیکھتے اس جگہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص سر سے پاؤں تک چادر تانے سویا ہوا ہے ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے سلام کیا ---- اس شخص نے جو حضرت خضرؑ تھے سوچا کہ اس زمین میں تو کہیں مسلمان نہیں بستے، یہ سلام کہنے والا کہاں سے آگیا، اور یہ اس غیر آباد جنگل میں کون ہے؟۔

حضرت خضرؑ نے پوچھا: تم کون ہو؟۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں موسیٰ ہوں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا: وہی موسیٰ جو بنی اسرائیل میں سے ہے؟۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں وہی موسیٰ ہوں جو بنی اسرائیل کے

خاندان سے ہے ---- میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ مجھے اس خاص علم میں سے کچھ علم سکھا دیں جو اللہ رب العزت نے آپ کو سکھایا ہے۔

بخاری میں سورت کہف کی تفسیر کے ضمن میں ذکر ہوا کہ جس بندے کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا اس کا نام خَضِر ہے ---- خَضِر کے معنی سرسبز و شاداب اور ہرے بھرے کے ہیں ---- یہ ایک مرتبہ صاف اور چٹیل زمین پر بیٹھے تو حضرت خَضِر کے نیچے آنے والی زمین سرسبز ہو گئی ---- اور کچھ علماء کرام نے کہا کہ حضرت خَضِر علیہ السلام جس جگہ بیٹھ جاتے تو زمین چاہے کیسی ہی کیوں نہ ہو ان کے بیٹھنے سے ہری ہو جاتی ---- اس لیے ان کا نام خَضِر پڑ گیا۔

حضرت خَضِر کا علم

اللہ رب العزت نے انھیں ایک خاص قسم کے علم سے نوازا تھا جسے تکوینی علم کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید نے حضرت خَضِر کے علم کے بارے میں کہا ہے:

﴿ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾ (۱۸ : ۶۵)

اور ہم نے اسے سکھایا تھا اپنے پاس سے ایک علم۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خَضِر علیہ السلام کو بعض اشیاء کے حقائق کا وہ علم عطا فرمایا تھا جو تکوینی اسرار اور باطنی امور سے تعلق رکھتا ہے ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت پیغمبر ہیں اور شرعی علوم و احکام کے مبلغ بھی ہیں اور شرعی احکام کے پابند بھی ---- اسی لیے حضرت خَضِر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اِستدعا کے جواب میں فرمایا:

﴿ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴾

(۱۸ : ۶۷-۶۸)

موسیٰ! آپ میرے ساتھ ہرگز صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ---- اور جس بات کا سمجھنا تیرے قابو میں نہ ہو تو ایسی بات پر صبر کر بھی کیسے سکتا ہے؟۔

حضرت خضر علیہ السلام کہنا چاہتے تھے کہ موسیٰ ایک علم تکوینی اسرار و رموز کا مجھ کو ملا ہے جو تجھے نہیں ملا --- اور ایک علم شریعت کے احکام و تبلیغ کا تجھے ملا ہے جو مجھ کو عطا نہیں ہوا ---- حضرت خضر علیہ السلام نے یہ کہتے ہوئے ایک چڑیا کو دیکھا جو دریا سے پانی پی رہی تھی --- یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ---- میرا اور تمھارا بلکہ تمام مخلوق کا علم اللہ کے علم میں سے اتنا ہے جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کی چونچ کے ساتھ لگ گیا ہے۔

موسیٰ ! میرا اور آپ کا علم الگ الگ ہے ----- علم لدنی کے جو راز مجھ پر کھولے گئے ہیں یا کھولے جائیں گے ----- انھیں دیکھ اور سن کر ایک صاحبِ شریعت رسُول صبر اور سکوت اختیار نہیں کر سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :

﴿ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴾ (۱۸ : ۶۹)

آپ مجھے اللہ نے چاہا تو صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا :

اگر تم لازماً کچھ دن میرے ساتھ رہ کر وہ علم سیکھنا چاہتے ہو تو میری ایک شرط تمھیں ماننا ہوگی ----- اور وہ شرط یہ ہے کہ میں سیاہ کروں یا سفید ---- جائز کروں یا ناجائز ----- صحیح کروں یا غلط --- تمھاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے ----- تم نے کسی بات کے بارے ----- کسی چیز کے بارے ----- کسی معاملہ اور کام کے بارے سوال نہیں کرنا ----- بعد میں میں خود اس کام کی حقیقت تمھیں بتلا دوں گا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کی اس شرط کو مان لیا۔

﴿ فَانْطَلَقَا ﴾ (۱۸ : ۷۱) ----- اب دونوں چل پڑے -----

دونوں دریا کے کنارے کنارے چل رہے تھے کہ اچانک ایک کشتی آگئی ---- دونوں اس میں سوار ہوگئے ---- کشتی والوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور کرایہ بھی نہ لیا ---- کشتی جونہی دوسرے کنارے کے قریب پہنچنے لگی تو حضرت خضر نے اچانک کشتی کے ایک تختے کو اکھاڑ کر اور سوراخ کر کے اسے عیب دار بنا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو کہا:

﴿ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ﴾ (۱۸ : ۷۱)

کیا تم نے کشتی میں سوراخ اس لیے کیا ہے کہ سواریوں کو ڈبو دو۔ یقیناً تم نے انوکھا اور خطرناک کام کیا ہے۔ دیکھو تو سہی کشتی والوں نے کتنا بھلا کیا ہے ---- عزت و احترام سے بٹھایا اور کرایہ تک نہیں لیا اور تم انھیں یہ انوکھا اور عجیب بدلہ اور اجر دے رہے ہو کہ ان کی کشتی عیب دار کردی۔ واہ بھائی واہ ---- احسان کا بدلہ ہو تو ایسا ہو جیسا تم نے ان لوگوں کو دیا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات سنی تو فرمایا:

﴿ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾ (۱۸ : ۷۲)

کیا میں نے پہلے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے کاموں کو دیکھ کر برداشت نہیں کرسکیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا:

﴿ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴾ (۱۸ : ۷۳)

میری بھول کی وجہ سے میری گرفت نہ کیجیے اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ سختی نہ کرو۔

(سامعینِ گرامی قدر! اس واقعہ اور اس قصہ کو سنتے ہوئے ایک لمحہ کے لیے اور اپنے عقیدہ کی اِصلاح کے لیے ٹھہریے ---- اللہ ربُّ العزت

اس گفتگو کو قرآن میں جگہ دے کر ایک مسئلہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ دیکھو ----- حضرت موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر اور اُولوالعزم پیغمبر ہیں ----- مگر وہ بھی بھول گئے ----- اور اپنے بھولنے کا اقرار اور اعتراف خود فرما رہے ہیں ----- بِمَا نَسِيتُ ---- اور جو بھول جاتا ہو وہ عالم الغیب نہیں ہوتا اور جو عالم الغیب ہے وہ کبھی بھولتا نہیں ہے۔)

بچے کا قتل

کشتی کنارے لگی تو دونوں دریا کے کنارے ساحل پر چلنے لگے ----- ایک گاؤں کے قریب ایک میدان میں چند لڑکے کھیل رہے تھے ----- اچانک حضرت خضر علیہ السلام آگے بڑھے اور ان بچوں میں سے ایک بچے کو جو سب سے زیادہ خوبصورت اور سمجھ دار لگ رہا تھا پکڑا اور مار ڈالا۔

ایک معصوم بچے کو بلا قصور اور بے گناہ یوں قتل ہوتے ----- حضرت موسیٰؑ نے دیکھا تو صبر و ضبط کے پیمانے لبریز ہو گئے اور کہنے لگے:

﴿ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴾ (۱۸ : ۷۴)

کیا آپ نے ایک پاک جان کو بغیر عوض کے مار ڈالا۔ یقیناً آپ نے نا معقول اور ناپسندیدہ کام کیا ہے۔ بھلا اس معصوم بچے نے آپ کا کیا بگاڑا تھا ----- اس مظلوم کا قصور اور اس کی غلطی کیا تھی؟ ----- کہ آپ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔

حضرت خضر نے کہا:

﴿ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾ (۱۸ : ۷۵)

کیا میں نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ تم میرے ہمراہ رہ کر (میرے کاموں کو دیکھ کر) صبر نہیں کر سکو گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴾ (۱۸ : ۷۶)

اگر اس کے بعد میں آپ سے کچھ سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ یقیناً آپ میری طرف سے حد عذر کو پہنچ چکے۔

پھر آگے چلے ----- چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہنچے ----- دونوں کو سخت بھوک نے نڈھال کر رکھا تھا ----

﴿ اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا ﴾ (۱۸ : ۷۷) -------- دونوں نے گاؤں کے رہنے والوں سے کھانا مانگا ------

﴿ فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا ﴾ (۱۸ : ۷۷) ------ وہ بستی ایسے بخیلوں اور کنجوسوں کی بستی تھی کہ دونوں مہمانوں کی مہمان نوازی سے اور انھیں کھانا کھلانے سے انکار کر دیا۔

(سامعینِ گرامی قدر ! یہاں ایک لحظہ کے لیے ٹھہریے اور غور کیجیے کہ اللہ ربُّ العزت نے بھی مسئلہ سمجھانے کی حد کر دی ہے ---- دونوں بڑے اُونچے اور باعظمت اور اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ مگر انھیں بھوک ستاتی ہے ---- اور یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ جو کھانے کا محتاج ہوتا ہے اور جسے بھوک کھانا مانگنے پر مجبور کر دیتی ہو وہ مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہو سکتا ---- حاجت روا اور مشکل کشا وہ ہے جو ساری مخلوق کو کھلاتا ہے مگر خود کھانے سے پاک ہے۔)

دیوار کو سیدھا کرنا

بستی کے لوگوں نے انھیں کھانا دینے سے اور ان کی مہمان نوازی کرنے سے اِنکار کر دیا بستی والوں کا یہ سلوک دیکھ کر چاہیے تو یہ تھا کہ ایسے لئیموں اور ایسے خبیثوں اور ایسے تنگ دِل اور بے مروّت لوگوں پر غصہ آتا ---- مگر حضرت خضر نے

غصہ کرنے کی بجائے ان پر ایک احسان کر دیا ---- بستی میں ایک بڑی بھاری دیوار جھکی ہوئی تھی، قریب تھا کہ زمین پر آ رہے ---- لوگ اس کے نیچے سے گزرتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے اُوپر گر نہ پڑے ---- حضرت خضر نے ہاتھ لگا کر دیوار کو سیدھا کر دیا اور گرنے سے بچا لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ساری کارروائی دیکھی تو صبر نہ کر سکے اور فرمایا: آپ بھی عجیب آدمی ہیں، اس گاؤں کے لوگوں نے ہمیں کھانا تک نہیں دیا ---- نہ ہماری مہمان داری کی، نہ رہنے کے لیے جگہ دی ---- ان لوگوں نے ہمیں سوکھی روٹی تک نہیں دی اور آپ بغیر مزدوری کے ان کی دیوار سیدھی کرنے میں لگے ہوئے ہیں ---- آپ ان کی خیر خواہی کی فکر میں ہیں ---- بھلے آدمی اگر دیوار سیدھی کرنی ہی تھی تو اس کی اجرت اور مزدوری تو لے لیتے کم از کم ہم کھانا تو خرید لیتے۔

﴿لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ (۱۸ : ۷۷)

اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ﴾ (۱۸ : ۷۸)

اب میرے اور تمہارے درمیان جُدائی کا وقت آ پہنچا ہے۔

تینوں کاموں کی حقیقت

لیکن الگ ہونے سے پہلے ان تینوں کاموں کی حقیقت اور پوشیدہ راز آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں جن کے چکر میں پڑ کر آپ صبر و ضبط کی شان قائم نہ رکھ سکے۔

❶ وہ کشتی جسے میں نے عیب دار کر دیا تھا ---- وہ چند مسکین اور غریب لوگوں کی ملکیت تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بال بچوں کا

پیٹ پالتے تھے ---- اور جدھر کشتی جا رہی تھی اس طرف ایک ظالم بادشاہ رہتا تھا اور ہر اچھی اور بے عَیب کشتی کو چھین لیتا تھا۔ اس لیے میں نے اس کشتی کو تختہ اکھاڑ کر عَیب دار کردیا، تاکہ بادشاہ اس عَیب دار کشتی کو نہ چھینے ---- اور ایک تختے کا کیا ہے؟۔ اسے وہ غریب لوگ پھر سے درست کر لیتے۔

۲ اور وہ لڑکا جسے میں نے قتل کردیا تھا اس کے والدین انتہائی شریف اور مومن تھے مگر اس لڑکے کی طبیعت میں کفر اور سرکشی اور والدین کے حق میں نافرمانی موجود تھی ----- اس کی بنیاد ہی بری پڑی تھی ---- بڑا ہو کر اس نے موذی اور بد راہ ہونا تھا اور والدین کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبتا۔ اور والدین اس کی محبت میں کفر اختیار کر لیتے ---- اس لیے اس لڑکے کا مارا جانا والدین کے حق میں رحمت اور ان کی حفاظت اور ان کے ایمان کی حفاظت کا سبب بن گیا۔

اب اللہ رب العزت ان والدین کو اس لڑکے کے بدلے میں ایسی اولاد عطا فرمائے گا جو اخلاق و اعمال میں پاکیزہ بھی ہو اور ماں باپ کے حقوق پورے کرنے میں سنجیدہ بھی ہو۔

کہتے ہیں کہ اس مارے جانے والے لڑکے کے بدلے اللہ رب العزت نے اس کے والدین کو ایک لڑکی عطا فرمائی ---- انتہائی صالحہ، عابدہ اور زاہدہ ---- جس لڑکی کے بطن سے ایک نبی نے جنم لیا ----- ابنِ عباسؓ کی روایت میں ہے کہ اس لڑکی کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے جو دونوں نبی اور پیغمبر بنائے گئے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اس لڑکی کے بطن سے پیدا ہونے والے نبی کے ذریعہ اللہ رب العزت نے ایک بہت بڑی اُمت کو ہدایت عطا فرمائی۔

۳ اور وہ دیوار جو مَیں نے ہاتھ لگا کر سیدھی کردی تھی وہ اِس گاؤں کے

دو یتیم بچوں کی تھی اور اِس دیوار کے نیچے اُن بچوں کا خزانہ دفن تھا۔۔۔۔ اور اُن بچوں کا باپ بڑا صالح آدمی تھا۔ اگر وہ دیوار گر جاتی تو گاؤں کے ظالم لوگ وہ خزانہ نکال کر ہضم کر جاتے۔۔۔۔۔ اللہ ربّ العزت کا اِرادہ ہُوا کہ بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے۔۔۔۔ مَیں نے اُس کے حکم سے دیوار سیدھی کردی، تاکہ بچے جوان ہو کر اپنا خزانہ پاسکیں۔

(سامعینِ گرامی قدر! ذرا غور فرمائیے یتیم بچوں کے دفن شدہ خزانے کو محفوظ کرنے کا اِس قدر اہتمام اس لیے کِیا جا رہا ہے کہ ان بچوں کا باپ صالح اور نیک شخص تھا۔

محمدؒ بن منکدر تابعی فرماتے ہیں کہ اللہ ربّ العزت بندے کی نیکی اور صالح ہونے کی وجہ سے اُس کی اولاد، اُس کے خاندان اور اُس کے آس پاس کے مکانات کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔)

اب ذرا اِس بارے میں توجہ فرمائیے کہ:

حضرت خضر علیہ السّلام نے تین واقعات کی جو توجیہات اور اصل حقیقت بیان فرمائی اِس میں اِس نکتہ کی طرف غور کیجیے:

پہلے واقعہ کی اصل حقیقت بیان فرماتے ہُوئے کہا:

﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا﴾ (۱۸: ۷۹)

مَیں نے اِرادہ کِیا کہ کشتی کو عَیب دار بناؤں۔

دوسرے واقعہ کی توجیہ کرتے ہُوئے کہا:

﴿فَاَرَدْنَا﴾ (۱۸: ۸۱)

ہم نے اِرادہ کِیا۔

اور تیسرے واقعہ کی اصل حقیقت بیان کرتے ہُوئے کہا:

﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ﴾ (۱۸: ۸۲) آپ کے رب نے یہ اِرادہ فرمایا۔

اسلوبِ بیان میں، تکلم کے انداز میں اور واقعات کی اصل حقیقت بیان کرنے میں اس فرق اور اس تفاوت کی آخر وجہ کیا ہے؟۔

علماءِ کرام نے اِس فرق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ :

اِس دُنیا میں جو آفت، حادثہ، واقعہ، کوئی خیر اور بُرائی، کوئی نفع و نقصان ----- جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اِرادے کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اِس لحاظ سے ہر خیر اور ہر بُرائی ---- ہر نفع اور ہر نقصان کی نِسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوسکتی ہے۔

مگر اہلِ ادب و عرفان، اور اہلِ عِلم و فضل کا دستور اور طریقہ یہ ہے کہ خیر اور نفع کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی نِسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں ----- اور جب کسی بُرائی اور نقصان کا ذکر ہو تو اس کی نِسبت اپنی طرف کرتے ہیں۔

جدالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ایک اِرشاد قرآن مجید نے نقل فرمایا :

﴿ اَلَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ﴾ (شعراء ۲۶ : ۷۹)

وہی اللہ ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (کھلانے، پلانے دونوں کی نِسبت اللہ کی طرف فرمائی۔)

آگے کہا :

﴿ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴾ (شعراء ۲۶ : ۸۰)

جب میں بیمار پڑتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے شفا دیتا ہے ---- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا اور شفا کی نِسبت اللہ کی طرف فرمائی ---- حالانکہ بیمار کرنے والا بھی وہی ہے۔

یہ ادب و احترام کا معاملہ ہے ---- اس بات کو ذہن میں رکھ کر حضرت خضر علیہ السلام کے کلام پر غور کیجیے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے جب کشتی توڑنے کی وجہ بیان کی تو چونکہ بظاہر

وہ عیب اور بُرائی کا کام تھا اس لیے اس کے ارادے کی نسبت اپنی طرف کرکے فرمایا ---- فَاَرَدْتُّ ---- پس مَیں نے اِرادہ کِیا۔

پھر لڑکے کو قتل کرنے کا معاملہ تھا ---- تو اِس میں دو پہلو تھے، خیر کا بھی اور شر کا بھی ---- خیر اس لیے کہ اس کے والدین کو نافرمان بیٹے کے بدلے میں نیک اولاد عطا ہونی تھی ---- اور شر اِس لیے کہ بظاہر ایک معصُوم اور بے گناہ بچے کو قتل کِیا جا رہا ہے ---- اِس لیے جب انھوں نے اس واقعہ کا ذکر فرمایا تو کہا ---- فَاَرَدْنَآ ---- ہم نے ارادہ کِیا ---- تاکہ اِس میں جِتنا ظاہری شر ہے وہ اپنی طرف منسُوب ہوجائے اور جتنی خیر ہے اُس کی نِسبت اللّٰہ کی طرف ہوجائے۔

اور تیسرا واقعہ دیوار کو درست کرکے یتیموں کا مال محفُوظ کردینا ---- یہ سراسر خیر ہی خیر تھا۔ اِس لیے اِس کی نِسبت اللّٰہ کی طرف کرتے ہُوئے فرمایا ---- فَاَرَادَ رَبُّكَ ---- آپ کے رب نے اِرادہ فرمایا۔

ایک اِشکال کا جواب

یہ سارا واقعہ سُن کر شاید کسی کے ذہن میں یہ شبہ اور یہ اِشکال پیدا ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو غیب کے ان واقعات کا علم نہیں تھا ---- مگر حضرت خِضر علیہ السّلام کو تو آنے والے واقعات کا اور چھپی ہوئی باتوں کا علم تھا ---- اس لیے حضرت خِضر عالم الغَیب اور مُتصرف فی الامور ہیں۔

آیئے اِس اِشکال کا جواب حضرت خِضر علیہ السّلام نے خُود دے دیا۔ اسے سنیے۔

﴿ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ﴾ (۱۸ : ۸۲)

اِن تینوں واقعات میں ---- مَیں نے جو کچھ کِیا اپنی مرضی اور اپنے اِختیار سے نہیں کِیا، بلکہ اللّٰہ کے حکم سے کِیا ---- جو اُس نے چاہا مجھ سے کروا دِیا۔

حضرت خضرؑ پیغمبر ہیں یا ولی

قرآن مقدس نے اس پورے قصے میں یہ وضاحت نہیں کی کہ حضرت خضر پیغمبر تھے یا ولی تھے۔

مگر جمہور مفسرین اور علماء کے بقول ان کا نبی ہونا ---- قرآن میں ذکر کیے گئے واقعات سے ثابت ہوتا ہے ---- قرآن نے جس انداز میں ان کے شرف، عظمت اور مرتبے کو ذکر کیا ہے وہ مقامِ نبوت ہی پر صادق آتا ہے۔

پھر جو واقعات ان سے صادر ہوئے وہ قطعی طور پر خلافِ شرع تھے اور حکم شریعت سے کوئی مستثنیٰ وحیِ الٰہی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

کسی لڑکے کو قتل کرنا ---- کشفِ یا الہام کے ذریعے نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کشف اور الہام ظنی شئے ہے اور ظنی شئے پر اعتماد کر کے لڑکے کو مار دینا سمجھ سے بالاتر ہے ---- ہاں پیغمبر پر اترنے والی وحی قطعی اور حجت ہوتی ہے۔

پھر حضرت خضر علیہ السلام کا مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ---- کہنا بھی ان کے نبی ہونے کی دلیل بن سکتا ہے۔

کیا خضرؑ اب بھی زندہ ہیں؟

اس واقعہ کے بیان کے آخر میں ایک انتہائی ضروری اور معلوماتی بحث پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں ---- کہ کیا حضرت خضر علیہ السلام اب تک زندہ ہیں؟ ---- یا وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح وفات پاچکے ہیں؟۔

اس میں بعض علماء اور صوفیاء کا خیال یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام پر موت نہیں آئی اور وہ اب تک زندہ ہیں۔

مگر جمہور اُمت کی رائے یہ ہے کہ وہ اپنی طبعی عمر کے بعد وفات پاچکے ہیں۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ

اللہ رب العزت نے کسی انسان کو حیات ابدی عطا نہیں فرمائی اور ہر انسان کے لیے اس دنیا میں موت برحق حقیقت ہے --- چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ﴾ (الانبیاء ۲۱ : ۳۴)

اے میرے پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی عطا نہیں فرمائی۔

مشہور مفسر ابوحیانؒ نے اپنی تفسیر بحر محیط میں اس موضوع پر بڑی طویل بحث کرنے کے بعد فرمایا: وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰٓى اَنَّهٗ مَاتَ جمہور علماء کا خیال یہ ہے کہ حضرت خضر موت کا جام پی چکے ہیں۔ (بحر محیط جلد ۶ صفحہ ۱۴۷)

سامعینِ گرامی قدر ! اس حقیقت پر ایک اور انتہائی مضبوط اور مُسکِت دلیل بھی موجود ہے کہ قرآن مجید میں واضح طور پر موجود ہے کہ ہم نے ہر ایک نبی سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ اگر تمھاری زندگی میں ---- تمھاری نبوت و رسالت کے دوران میرا آخری نبی ----- سیدنا محمد رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بعثت ، ہوجائے ----- تو پھر تم پر لازم ہوگا کہ ان پر ایمان بھی لاؤ گے اور کفار و مشرکین سے مقابلہ میں ان کے ساتھ مدد اور تعاون بھی کرو گے --- چنانچہ تمام انبیاء نے اللہ رب العزت کے سامنے اس بات کا اقرار اور عہد کیا تھا۔

قرآن نے اس عہد و اقرار کو اس طرح ذکر فرمایا :

﴿ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ (آلِ عمران ۳ : ۸۱)

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے واضح ہو گیا کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام زمین کے کسی کونے کھدرے میں یا سمندروں کے پانیوں میں زندہ ہوتے تو

اس اقرار اور اس عہد کے مطابق ان پر لازم تھا کہ وہ علی الاعلان ---- امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ پر ایمان لاتے اور مشرکین و کفار کے ساتھ لڑی جانے والی جنگوں اور غزوات میں آپ کے شانہ بشانہ ہوتے ---- تعاون کرتے ---- ہر میدان جنگ میں آپ کے ساتھ ہوتے ---- بدر و اُحد کے میدان کارزار میں آپ کی اعانت کرتے ---- خندق میں شامل ہو کر آپ کے ساتھ خندق کھودتے ---- غزوۂ حنین میں آپ کے گھوڑے کی لگام تھامتے ---- فتح مکہ کے موقع پر آپ کے ساتھ ہوتے ---- پانچ وقت کی نمازوں میں ---- جمعۃ المبارک اور عیدین کی نمازوں میں آپ کے مقتدی بنتے ---- ہجرتِ مدینہ کے رفیق ہوتے ---- مگر حدیث کا ذخیرہ چھان ماریے ---- آپ کو کسی صحیح روایت میں نہیں ملے گا کہ حضرت خضر علیہ السلام امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ہوں ---- بیعتِ اسلام کی ہو ---- کسی جنگ میں شرکت کی ہو ---- اس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت خضر علیہ السلام امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں زندہ نہیں تھے۔

آیئے قرآن مجید کی اس آیت کے سننے کے بعد لگے ہاتھوں ایک حدیث بھی سن لیجیے تاکہ معاملہ نورٌ علیٰ نور ہو جائے ---- سونے پر سہاگے والا محاورہ فٹ بیٹھ جائے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ زندہ ہیں؟ ---- تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: وہ دونوں کس طرح زندہ ہو سکتے ہیں، جب کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے فرمایا تھا:

لَا یَبْقٰی عَلٰی رَأْسِ الْمِائَةِ مِمَّنْ هُوَ الْیَوْمَ عَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ

(بخاری و مسلم کتاب الفضائل)

اس وقت جتنے لوگ زمین پر ہیں سو سال گزرنے پر ان میں سے ایک بھی زمین پر زندہ نہیں رہے گا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کے مطابق جو صحیح حدیث میں بیان ہوئی ہے ---- اس کو دیکھا جائے تو حضرت خضر علیہ السلام کی ابدی زندگی کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی ----- حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کا ثبوت کسی بھی صحیح روایت میں موجود نہیں ہے۔

مشہور محدث حافظ ابنِ قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ رسولؐ سے ایک بھی مستند روایت نہیں ملتی جس سے حضرت خضرؑ کی زندگی کا ثبوت ملتا ہو۔

علامہ ابنِ قیمؒ کے علاوہ ابنِ تیمیہؒ، ابنِ کثیرؒ، ابنِ جوزیؒ، امام بخاریؒ جیسے جلیل القدر محدثینؒ، مفسرینؒ اور علماءِ کرامؒ حضرت خضر کی موت کے قائل ہیں ----- میں نے دلائل سے یہ بات ثابت کردی ہے کہ حضرت خضرؑ اس وقت دُنیا کے کسی کونے کھدرے میں زندہ نہیں ہیں ---- بلکہ وہ بھی موت کا جام پی کر اپنے اللہ کے ہاں جاچکے ہیں۔

کچھ نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت خضرؑ زندہ ہیں اور دریاؤں میں رہتے ہیں ---- اور دریاؤں میں ان کا تسلّط اور غلبہ ہے ----- بعض جاہل لوگ دریاؤں سے گزرتے ہوئے پیسے پھینکتے ہیں کہ یہ خواجہ خضرؑ کی نیاز ہے۔

یاد رکھیے اس عقیدے کی کوئی بنیاد نہیں ---- اس خیال پر کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے ---- قرآن و حدیث اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں کہ حیات ابدی کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ ہاں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا استثناء حدیث میں موجود ہے ---- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے ---- اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ ---- بے شک عیسیٰؑ پر موت نہیں آئی -----

وہ قیامت سے پہلے زمین پر تشریف لائیں گے ..... حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ اٹھایا جانا اس پر امت کا اجماع بھی ہے ..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی کی زندگی کا کوئی استثناء اور ثبوت قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین